A ENTERED

انسان کے کمال

میں

اخلاق کا کردار

تالیف

حجۃ الاسلام والمسلمین سید مجتبیٰ موسوی لاری

مرکز نشر معارف اسلامی در جہان - انتظام روڈ مکان نمبر ۲۱ قم - ایران

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱۵۴۱۰

نام کتاب ـــــــــ انسان کے کمال میں اخلاق کا کردار

تالیف ـــــــــ حجۃ الاسلام والمسلمین سید مجتبیٰ موسوی لاری

ترجمہ ـــــــــ مولانا اسد علی شجاعی - سید سعید حیدر زیدی

ناشر ـــــــــ مرکز نشر معارف اسلامی در جہان

طبع اول ـــــــــ رمضان ۱۴۱۵ھ - فروری ۱۹۹۵ء

تعداد ـــــــــ ۲۰۰۰

9.E.R

فہرست

مولف کی مختصر سوانح اور خدمات ۔۔۔۔۔ ۷
پیش گفتار ۔۔۔۔۔ ۱۳

پہلا باب
فطرت اور انسانی قوتیں
۲۱---۶۶

انسان کمال کا شیفتہ ہے۔ تزکیۂ نفس کمال کا ذریعہ ہے۔ جرائم کے اسباب۔ انسان کی اہم ترین ذمہ داری۔ کیا پیدائشی مجرم بھی پائے جاتے ہیں۔ پاک و بے آلائش فطرت۔ قید اور آزادی۔ علوت اور اس کے مثبت و منفی اثرات۔ اسلام کی اختیار کردہ روش۔ بچپن کی عادتیں۔

دوسرا باب
عقل و ضمیر دو سعادت بخش سرمائے
۶۷---۱۰۶

انسان کا سب سے بڑا امتیاز۔ عقل کی حدود۔ کیا ضمیر دبی ہوئی خواہشات کا نام ہے؟ ضمیر کی قلمرو۔ قرآن اور ندائے فطرت۔ عقل و ضمیر کا سہارا۔ بے بنیاد دلیلیں۔

تیسرا باب
شخصیت کا ارتقاء و نشوونما
۱۰۵---۱۵۲

انسان کی قدر و قیمت کا پیمانہ۔ انسان کی تربیت میں روحانی عامل کی اہمیت۔ اسلامی نظام میں شخصیت کی نشوونما۔ انسان کی تعمیر میں عقل و ایمان کے اثرات۔ بُرے افکار کے نقصانات۔ شخصیت کی نشوونما سے مقصد کا تعلق۔ روح اور جسم کی کارکردگی کا باہمی ارتباط۔

چوتھا باب
فرائض کے محور پر زندگی کی گردش

۱۵۳---۱۸۰

انسان اور فرائض۔ اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے کوشش۔ قوتِ ارادی سے صحیح استفادہ۔ فرض شناسی کے سلسلے میں ایمان کا کردار۔ لقمان حکیم کا ایک درس۔ عبادت اور فرض شناسی کے مراتب۔

پانچواں باب
آرام و سکون کا سرچشمہ کہاں ہے؟

۱۸۱---۲۳۲

زندگی کا پُر شور سمندر۔ روحانی اضطراب کے اسباب۔ نامعلوم مستقبل کی حد سے زیادہ فکر۔ انحرافی راہ اپنالینا۔ زحمت و ابتلاء کے گہرے اثرات۔ روحانی سکون پر ایمان کے قطعی اثرات۔ تسلیم و رضا۔ لامحدود توقعات۔ حیات جاویداں سے لگاؤ۔ دوستوں کے سامنے دل کی گرہ کھول دینا۔ اظہارِ مسرت۔

چھٹا باب
زندگی پر نیکیوں کے اثرات

۲۳۳---۲۶۲

باہمی تعاون کی بنیاد۔ اعلیٰ ترین روحانی لذات۔ دوسروں کے مسائل سے لاتعلقی۔ اسلام اور معاشرتی روابط۔ اسلام میں نیکی کا تصور۔ مغرب میں نیکی کا تصور۔ بارگاہِ خدا میں محبوبیت کا معیار۔ بے حد احسان و محبت۔

ساتواں باب
قدردانی' پیش رفت کا عظیم عامل

۲۶۳---۳۰۰

روح کی تشنگی۔ تعریف و تحسین کے گہرے اثرات۔ تعمیری تنقید حوصلہ شکنی نہیں ہے۔ چاپلوسی۔ پاکیزگی میں اضافہ کے لئے اسلام کا لائحہ عمل۔ ناقدری کے عظیم نقصانات۔ خرابیوں کے خلاف جہاد۔

آٹھواں باب
صبر و شکیبائی کامیابی کا پل ہے

۳۰۱---۳۴۲

کامیابی کی مختصر ترین راہ۔ چھلکتا ہوا منبع قدرت۔ زندگی گزارنے کے اصولوں سے آشنائی کی

Marfat.com

ضرورت۔ وہ درس جو شکست سے حاصل کرنا چاہئے۔ حصولِ کمال کا ذریعہ۔ نظم و ضبط کی ضرورت۔ محض مسلمان ہونا ہی کامیابی کی ضمانت نہیں۔ انسانی پرورش کے لئے دو قوی عامل۔ ایک اعلیٰ امتیاز۔ ضعف و ناتوانی کی پردہ پوشی۔ پائیدار دوستی۔

نواں باب

حقیقی عزّت و شرافت

۳۴۳---۳۷۸

ایک روحانی ضرورت۔ مصنوعی امتیازات۔ اسلام کی نگاہ میں عزّت کا مفہوم۔ ذلّت و پستی سے اجتناب۔ روحِ بے نیازی۔ عاقبت اندیشی۔ حقیقی آزادی۔ ہدف کا انتخاب استعداد کے مطابق ہونا چاہئے۔ گناہوں کے نتیجہ میں احساسِ ندامت۔ ایک بڑا نقص۔

دسواں باب

مغرور کا ذہنی اختلال

۳۷۹---۴۱۰

خود کو برتر سمجھنا۔ غرور پیدا کرنے میں دولت کا کردار۔ غرورِ علمی کے خطرات۔ تخریبی سرگرمیاں۔ نفس کی سلامتی۔ اپنی کوتاہیوں پر عدم توجہ۔ خودی اور خود پرستی۔ حقیقی و جاویدان عشق۔ برتری کا ایک خاص احساس۔

گیارھواں باب

قوتِ ارادی کے کرشمے

۴۱۱---۴۳۶

مردانِ تاریخ کے کارنامے۔ ارادے کی کمزوری ناکامی کا سبب ہے۔ مشکلات بیدار کرتی ہیں۔ انسانی صلاحیتوں کی وسعت۔ اسلام کی نظر میں مسئولیت کی بنیاد۔ ارادہ کی تکیہ گاہ۔ عزم بالجزم ہی کامیابی کا راز ہے۔ تلقین بہ نفس۔

بارھواں باب

دوستوں کے انتخاب میں احتیاط

۴۳۷---۴۸۰

دوستی اور نفسیاتی سکون۔ ہم نشینی کا حقیقی معیار۔ حسّاسیت اور تنگ مزاجی۔ بدکرداروں کی صحبت سے بچئے۔ بدکاروں کی آزمائش۔ دوستی کرتے ہوئے احتیاط و ہوشیاری۔ تظاہر و ریاکاری۔ گوشہ نشینی۔ کتاب ایک انمول دوست۔

تیرھواں باب
اپنی ذات پر اعتماد ٗ حق پر اعتماد

۵۱۶ —— ۴۸۱

کامیابی انسان کا حق ہے۔ فریبی آرزوؤں پر بھروسہ۔ رسولِ کریمؐ کا دیا ہوا ایک سبق۔ منفی سوچ رکھنے والے اعتماد کی روح سے عاری ہوتے ہیں۔ اسلام اور استقلالِ نفس۔ انفرادی ذمہ داری۔ عمل کی پرکھ کا پیمانہ۔ دوسروں کو اپنے ہی جیسا سمجھنا۔ خدا پر ایمان کا حیرت انگیز اثر۔

چودھواں باب
خوف بھی رجا بھی

۵۵۳ —— ۵۱۷

لرزہ خوف۔ نہ بزدلی اور نہ ہی گستاخی۔ زندگی کی خصوصیات سے ناواقفیت۔ امید و بیم دونوں فطری ہیں۔ ضعفِ ارادہ۔ شجاعت کا وسیع مفہوم۔ ریاکاری خوف کا ردِ عمل ہے۔

***

Marfat.com

مولف کی مختصر سوانح اور خدمات

حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی سید مجتبیٰ موسوی لاری' آیت اللہ سید علی اصغر لاری کے فرزندِ ارجمند ہیں۔ سید علی اصغر لاری کا شمار ایران کے بڑے مجتہدین اور اور معروف سماجی شخصیات میں ہوتا تھا' ان کے والدِ گرامی آیت اللہ حاج سید عبدالحسین لاری تھے جو زمانہ مشروطیت کے حریّت پسندوں اور انقلابیوں میں سے تھے۔ سید عبدالحسین لاری اپنے وقت کی استبدادی حکومت کے خلاف طویل جدوجہد کے نتیجہ میں ایک مختصر مدّت کے لئے لارستان میں اسلامی حکومت کی تشکیل میں کامیاب ہوئے۔

آقائی سید مجتبیٰ موسوی لاری ۱۳۱۴ ہجری شمسی میں شہرلار میں پیدا ہوئے' ابتدائی تعلیم اور علومِ اسلامی کے مقدمات کی تحصیل لار ہی میں کی اور ۱۳۳۲ھ-ش میں اسلامی علوم کی اعلیٰ تعلیم کے لئے حوزہ علمیہ قم کا رخ کیا۔ یہاں آپ نے دورانِ تعلیم حوزہ علمیہ کے بزرگ اور جیّد علماء کرام سے استفادہ کیا۔

۱۳۴۱ھ-ش میں آپ نے دینی و علمی مجلّہ مکتبِ اسلام میں اسلامی اخلاق کے موضوع پر مقالات کا ایک سلسلہ تحریر کرکے اس سے اپنے تعاون کا آغاز

Marfat.com

لیا۔ مذکورہ مقالات بعد میں "مشکلاتِ اخلاقی و روانی" کے عنوان سے ایک مستقل کتاب کی صورت میں نشر ہوئے۔ اب تک اس کتاب کے فارسی زبان میں ۱۴ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ۱۰ زبانوں میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ اردو زبان میں یہ کتاب "اخلاقی و نفسیاتی مشکلات کا حل" کے نام سے طبع ہو کر اردو خواں قارئین سے سندِ قبولیت حاصل کر چکی ہے۔

۱۳۴۲ھ - ش میں آپ مسلسل علالت کی بنا پر علاج کی غرض سے جرمنی تشریف لے گئے اور چند ماہ علاج معالجہ کے بعد ایران تشریف آوری کے بعد "اسلام و سیمائی تمدّنِ غرب" کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب تالیف فرمائی' اس کتاب میں آپ نے اسلام اور مغرب کے تمدنی مسائل کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کی اور ایک جامع' مستدل اور دقیق موازنہ کے ذریعہ مغربی تمدّن پر اسلامی تہذیب کی جامع اور مختلف پہلوؤں پر مبنی برتری کو ثابت کیا۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ۸ مرتبہ طبع ہو چکی ہے اردو میں بھی یہ کتاب "مغربی تمدّن کی ایک جھلک" کے نام سے طبع ہوئی ہے۔

مذکورہ کتاب کو ۱۳۴۹ھ - ش میں ایک برطانوی مستشرق پروفیسر فرانس گولڈنگ (F.J.Goulding) نے انگریزی زبان میں ترجمہ کیا۔ جسے یورپ میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا یہاں تک کہ متعدد مغربی اخبار و جرائد میں اس کتاب کے بارے میں مقالات تحریر کئے گئے۔ برطانوی ریڈیو نے بھی کتاب کے مترجم سے ایک انٹرویو کیا اور اس کتاب کے ترجمہ کے سبب اور کتاب کے مباحث کے بارے میں گفتگو کی۔

اب تک اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ۳ مرتبہ برطانیہ میں' ۱۰ مرتبہ ایران

میں اور ۳ مرتبہ امریکہ میں طبع ہوچکا ہے۔

پروفیسر گولڈنگ ہی نے مصنف کا ایک رسالہ بعنوان "خداشناسی" بھی ترجمہ کیا ہے۔ جو اب تک ۷ زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔

اس رسالہ کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے ۳ سال بعد جرمنی میں یونیورسٹی کے ایک استاد بنام "ڈاکٹر رولف سینگلر" نے جرمن زبان میں اس کا ترجمہ کیا کہ جس نے اپنے پڑھنے والوں پر گہرا اثر چھوڑا حتیٰ جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹ پارٹی کے ایک رہنما نے مترجم کو خط تحریر کیا جس میں کہا کہ "اس کتاب کے مطالعہ نے مجھ پر گہرا اثر مرتب کیا ہے۔ اور اسلام کے بارے میں میرے خیالات کو بدل دیا ہے اور میں اپنے دوستوں کو اس کتاب کے مطالعہ کی دعوت دوں گا۔"

اسی زمانہ میں علماء ہندوستان میں سے جناب مولانا روشن علی نے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا اور اس کے بعد ہندوستان و پاکستان میں شائع ہوا اور اب تک ۵ مرتبہ طبع ہوچکا ہے۔ یہ رسالہ اب تک انگریزی، جرمن، اردو، فرانسیسی، اسپانوی، عربی، تھائی، چینی، روسی، ملائی، کردی، تاتاری اور بوسنیائی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے اور اب بھی مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ کیا جارہا ہے۔

۱۳۴۴ھ-ش میں آپ نے لار شہر میں ایک فلاحی ادارہ کی بنیاد رکھی اور اسلامی تبلیغات اور دیہی علاقوں میں زندگی بسر کرنے والے نوجوانوں کو اسلامی اصولوں سے آگاہ کرنے کے لئے نیز محتاجوں کی مدد کے واسطے خدمات کا آغاز کیا۔ اس مرکز نے ۱۳۴۶ھ-ش تک اپنا کام جاری رکھا۔ اس ادارہ کے خاص

خاص کام' دیہاتوں میں نوجوانوں اور بچّوں کی اسلامی تعلیم و تربیت کے لئے مبلغین کا اعزام' دینی کلاسوں کی تشکیل اور ہزاروں غریب طلباء کو لباس اور کتب و اسٹیشنری کی فراہمی تھا۔ اس ادارہ کے کاموں میں دیہاتوں میں مساجد' امام بارگاہوں' مدارس اور ہسپتالوں کی تعمیر بھی شامل تھے۔ اس ادارہ کی طرف سے اسی طرح کی دوسری خدمات بھی فراہم کی جاتی تھیں۔

آپ نے اخلاقِ اسلامی کے بارے میں مقالات کی تحریر کا سلسلہ جاری رکھا اور ۱۳۵۳ھ-ش میں ان مقالات کے مجموعہ کو نظرثانی اور اضافات کے ساتھ ایک کتاب کی صورت میں "رسالتِ اخلاق در تکاملِ انسان" کے نام سے نشر کیا جو ایران میں اب تک چھ مرتبہ طبع ہو چکی ہے۔ زیرِ نظر کتاب اسی تالیف کا اردو ترجمہ ہے۔

۱۳۵۷ھ-ش میں ایک امریکی انجمن کی طرف سے دعوت پر اور معالجہ کی غرض سے امریکہ تشریف لے گئے اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے آپ نے وہاں کے صاحبِ نظر اور ذمّہ دار حضرات سے غیر ملکی زبانوں میں اسلام کے اعتقادی مسائل پر مطبوعات کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں گفتگو کی۔ اس کے بعد برطانیہ و فرانس کا سفر اختیار کیا' واپسی پر مجلّہ سروش میں اسلامی آئیڈیالوجی پر مقالات تحریر کئے۔ مقالات کا یہ مجموعہ جو اسلامی عقائد کے اصولوں پر مبنی تھا۔ "مبانیٔ اعتقادات در اسلام" کے نام سے چار جلدوں میں طبع ہوا جس میں توحید' عدل' نبوت' امامت اور معاد کے موضوعات شامل تھے۔ یہ کتب اب تک چھ مختلف زبانوں میں طبع ہو چکی ہیں۔

۱۳۵۹ھ-ش میں آپ نے حوزۂ علمیہ قم میں "دفترِ گسترشِ فرہنگِ اسلامی

Marfat.com

خارج از کشور" کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی جس کا نام بعد میں بدل کر "مرکزِ نشرِ معارفِ اسلامی در جہان" رکھ دیا گیا۔

اس مرکز نے آثار اسلامی خصوصاً آنجناب کی ترجمہ شدہ تالیفات اور مختلف نقاطِ عالم میں اسلامی تعلیمات اور قرآنی مفاہیم کی نشرو اشاعت کا بیڑہ اٹھایا۔

اس تبلیغی مرکز کی جانب سے شائع کی جانے والی کتب دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہزارہا اداروں' مدرسوں' گروہوں' انجمنوں اور علومِ اسلامی کے تشنہ افراد کو درخواست پر بلا قیمت ارسال کی جاتی ہیں۔ دنیا بھر کے بکثرت افراد کے اسلامی حقائق سے روشناس ہونے اور بہت سے غیر مسلموں کے دینِ اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں اس مرکز کی اسلامی و ثقافتی خدمات کے ثمرات و نتائج کا مشاہدہ ان ہزارہا خطوط کے ذریعہ کیا جاسکتا ہے جو اس مرکز کو موصول ہوئے ہیں۔ اب بھی دسیوں ہزار خطوط اس مرکز کی فائلوں میں محفوظ ہیں اور تاہنوز دنیا کے مختلف علاقوں میں وسیع پیمانے پر اسلامی تبلیغ کا کام جاری ہے۔ اس مرکز نے انگریزی' فرانسیسی' اسپانوی زبانوں میں قرآنِ کریم طبع کیا ہے جو طلب کرنے والوں کو ہدیہ کیا جاتا ہے۔

آذربائیجان میں روسی زبان میں آپ کی کتب کے اثرات کے اعتراف میں ۱۳۷۲ھ-ش میں باکو میں مستقر اکادمی علوم جمہوری آذربائیجان نے آپ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی سند عطا کی ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

"میں تو اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔" (پیغمبرِ اسلامؐ)

پیش گفتار

ہم بخوبی محسوس کرتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز تغیّر و دگرگونی کا شکار ہے۔ یہی تغیّر و تبدّل زندگی کا وہ اصول ہے جس پر قانونِ آفرینش استوار ہے۔

ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانہ میں

جس طرح ہمیں یہ یقین ہے کہ اس دنیا میں تغیّر و دگرگونی کو ثبات حاصل ہے اسی طرح ہمیں یہ بھی یقین رکھنا چاہئے کہ دنیا میں کچھ ایسے اصول اور مفاہیم بھی ہیں جو رہتی دنیا تک قائم رہنے والے ہیں۔

یہ پائیدار اور ہمیشہ رہنے والے اصول "اخلاقی اصول" ہیں جن کی پیروی عقلِ سلیم کی رو سے ہم پر لازم ہے اور ہم اس بات کے پابند ہیں کہ اپنی حیات کو ان اصولوں کے سایہ میں بسر کریں۔

کسی معاشرہ کی کامیابی اور ناکامی کا ایک بڑا عامل "اخلاق" ہے اور اجتماعی

Marfat.com

زندگی میں اس کے اثرات اظہر من الشمس ہیں۔

انسان فطری طور پر زیادہ سے زیادہ ترقی و تکامل کا خواہش مند ہے اور اس کی نظر میں ترقی و کمال کی کوئی آخری حد نہیں۔ ترقی کی راہ میں وہ اپنی تمام قوتیں و صلاحیتیں کام میں لاتا ہے۔ یہ توانائیاں انسان کے وجود میں اس وقت ہی سے موجود ہوتی ہیں جب اسے خود اپنی شخصیت کا اندازہ بھی نہیں ہوتا۔

تعلیم و تربیت کے ماہرین کا کہنا ہے کہ انسان کے جذبات و احساسات کو کنٹرول کرنا اور انہیں افراط و تفریط سے محفوظ رکھنا انسانی زندگی کا بنیادی ترین مسئلہ ہے۔ انسان کی مرموز صلاحیتوں کی ہر نوع کی نشوونما ایک نا ختم ہونے والے سرمایہ کی مانند ہے اور کیونکہ اسے اپنی حیات کے ہر ہر لمحہ میں اپنی ان اندرونی صلاحیتوں سے سروکار رہتا ہے اس لئے ان صلاحیتوں کی پرورش و نمو کی اہمیت ان علوم و معارف سے کہیں زیادہ ہے جو وہ زندگی کے مختلف ادوار میں حاصل کرتا ہے۔

ہرچند عقل اپنی طبیعی روشنی کے ذریعہ میدانِ زندگی کو روشن کرتی ہے لیکن انسان کے بنیادی غرائز جو اس کی زندگی کے تمام تحرّکات کا سرچشمہ ہیں ممکن ہے عقل کی ماتحتی قبول نہ کریں اور اپنے اصل محور سے انحراف کے ذریعے عقل کے اثر و نفوذ کو اس قدر محدود کردیں کہ انسان بے سوچے سمجھے خلافِ عقل اور خود اپنے لئے نقصان دہ تمایلات کی پیروی شروع کردے۔

یہیں سے ہمیں انسانی زندگی میں اخلاق کی اہمیت اور ان بزرگ ہستیوں کی سنگین ذمہ داری کا علم ہوتا ہے جن کو تربیتی امور سپرد کئے جاتے ہیں۔

دوسری جانب اخلاقی اصولوں پر کاربند ہونے کے سلسلے میں بہت سی

Marfat.com

سختیوں اور محرومیوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور اکثر ایسے موقعوں پر انسان کے اپنے تمایلات و خواہشات اور ان اخلاقی اصولوں کے درمیان ٹکراؤ اور تضاد کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اس صورت میں اگر انسان اپنی خواہشات پر عمل کرے تو اخلاقی اصول پامال ہوجاتے ہیں۔ ایسے موقعوں پر بغیر کسی روحانی سہارے کے اخلاقی تربیت ممکن نہیں رہتی اور منہ زور خواہشات کو دبانا آسان نہیں رہتا۔

جن لوگوں کو یہ روحانی سہارا میسّر نہیں ہوتا وہ بہت جلد تمایلات و خواہشات کے دباؤ کا شکار ہوجاتے ہیں کیونکہ محض اخلاقی تربیت اتنی راسخ اور پائیدار نہیں ہوتی کہ انسان کو ہر حال میں خواہشات کی بے لگامی اور خود سری سے محفوظ رکھ سکے۔

اخلاقی اصولوں کو جامہ عمل پہنانے کا اہم ترین ضامن اور اخلاقی فضائل کا سب سے بڑا سہارا "مذہبی ایمان" ہے۔ یہ ایمان ہی ہے جو احساسات و جذبات اور نفسانی خواہشات کے خلاف جنگ کے میدان میں انسان کو کامیابی اور فتح یابی کی ضمانت دیتا ہے۔

اس خدا پر ایمان جو خالقِ کائنات ہے، جس کا فرمان پوری کائنات پر جاری و ساری ہے، جو ہر شخص کی اندرونی حالت سے واقف و آگاہ ہے اور آخرکار سب کو اسی کی بارگاہ میں حاضری دینی ہے انسان کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ نفسانی خواہشات کے پنجوں سے اپنا دامن چھڑا سکے۔

انبیاء کرامؑ خصوصاً پیغمبرِ اسلامؐ ایک ارفع مقصد تک رسائی کے سلسلے میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی اور ان کے افکار کی تطہیر کے لئے مبعوث کئے گئے۔

Marfat.com

اسلامی اخلاق کی جس تحریک کی بنیاد پیغمبرِ عالی قدرؐ نے رکھی وہ اپنے تعمیری پہلو، گہرائی و گیرائی اور احساسات کے لحاظ سے یگانہ و بے مثل ہے۔ اور اس پہلو میں بھی یکتا ہے کہ اس میں انسانی نفس کی تمام باریکیوں اور گہرائیوں کو مدِ نظر رکھا گیا ہے اور ہر اس جنبش و حرکت اور فکر و ادراک جس کا سرچشمہ انسانی نفس کے اندر موجود ہے، پر خاص توجہ دی گئی ہے۔

اس تحریک کا بے مثل نتیجہ یہ نکلا کہ ایک بے مایہ اور زبوں حال قوم قعرِ مذلّت سے بلند ہو کر اوجِ آسمانی پر جا پہنچی۔ اس منحط معاشرہ نے ایمان و ہدایت کی مشعل کو ہاتھ میں لے کر ایک نئی حیات کی بنیاد رکھی اور ترقی و کمال کے میدان میں اس قدر آگے نکل گیا کہ اخلاق و انسانیت کا نمونہ قرار پایا، ایک ایسا نمونہ جس کی مثال آج تک تاریخ میں نہیں ملتی۔

آج بیسویں صدی میں بھی مغربی دنیا اخلاق سے بے بہرہ ہے۔ آج بھی جب اس معاشرہ کے پروردہ افراد آغوشِ اسلام میں پناہ لیتے ہیں تو ان کے جذبات و احساسات یکسر تبدیل ہو جاتے ہیں۔ خود امریکی دانشوروں کا اعتراف ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد امریکی سیاہ فاموں میں ایک گہری اور تعمیری تبدیلی رونما ہوئی ہے۔ یہ تبدیلی ان کی زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہے۔ اس کے باوجود کہ ہم جانتے ہیں کہ ان کا قبول کیا ہوا اسلام نقائص سے خالی نہیں۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں مذہبی معاشروں پر ریسرچ کے شعبے کے سربراہ پروفیسر آئزک لنکن اپنی ایک تقریر میں (جس کا موضوع "امریکہ میں اسلام کے اثرات" تھا) کہتے ہیں۔

"امریکی سیاہ فاموں پر اسلام کے اثرات غیر معمولی ہیں۔ اسلام قبول

Marfat.com

کرنے سے قبل یہ لوگ بد ترین حالات میں زندگی گزارتے تھے۔ لیکن اب اقتصادی اور معاشرتی لحاظ سے وہ بہت بلند معیار پر ہیں۔ سیاہ فام مسلمانوں کے گھرانوں میں وہ انحرافات اور نشہ آور اشیاء کے استعمال کی وہ حالت سرے سے نہیں پائی جاتی جس میں آج امریکی معاشرہ وحشت ناک حد تک مبتلا ہے۔ اسی طرح نشے کے عادی غیر مسلم افراد جب دینِ اسلام قبول کرتے ہیں تو ان کی کچھ اس انداز سے تربیت ہوتی ہے کہ وہ نشے کی عادت ترک کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ایسے افراد میں سے بہت سے لوگ اب معاشرے کے مفید شہری بن چکے ہیں۔ امریکہ کے سیاہ فام مسلمان کبھی دوسروں کو تکلیف دینے کے درپے نہیں ہوتے اور صرف اس صورت میں کہ جب انہیں کسی کی طرف سے خطرہ محسوس ہوتا ہے یا کوئی ان پر حملہ آور ہوتا ہے تو وہ تمام قوت اور شدّت کے ساتھ اپنا موثر دفاع کرتے ہیں۔ (روزنامہ اطلاعات شمارہ ۱۴۸۱۲-۱۷ر ستمبر۱۹۷۶ء)

انسان کا باطن اور اس کی روح ہی اس کی تمام حرکات و سکنات اور اعمال و افعال کا سرچشمہ ہوتی ہے اور کیوں کہ آج کی دنیا میں رائج نظام و قوانین انسانی روح اور اس کی معنویات پر کوئی اثر نہیں رکھتے اس بناء پر ایک صحت مند معاشرہ کی تعمیر میں ان قوتوں سے استفادہ اور انسانوں کو وسیع افق کی حامل آسمانی صفات سے متصف نہیں کرپاتے۔

انسان دو مختلف اور متفاوت قوتوں یعنی روح اور جسم کا مرکب ہے لہٰذا وہ آسمانی پہلو کا حامل بھی ہے زمینی پہلو کا مالک بھی' ابدی اور جاویدانی بھی ہے فانی

اور ناپائیدار بھی۔

مفکرین اور دانشور بخوبی آگاہ ہیں کہ روح اور جسم باہم اس قدر پیوستہ و وابستہ ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کے انحراف کا اثر دوسرے پر باآسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے کوئی ایسا تربیتی پروگرام جو انسان کے محض ایک پہلو (یعنی جسمانی یا روحانی) پر توجہ دیتا ہو انسان کی تمام شعبہ حیات میں ترقی و خوش بختی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔

آج کے تمام معاشرے فکری نظام کے حوالے سے بے اعتدالی کا شکار ہیں اور سب ہی افراط و تفریط کی انحرافی راہوں پر گامزن ہیں۔ کیونکہ ان کی نظریا تو محسوس اور مادّی پہلو پر ہے یا پھر معقول اور نفسیاتی پہلو پر۔ ان کے خیال میں یا تو انسان کو اصالت حاصل ہے یا کائنات کو۔ لیکن اسلام کے تربیتی مکتب میں انسان کو اس کی ازلی اور پیدائشی فطرت کے حوالے سے دیکھا جاتا ہے اور ہر اخلاقی اور تربیتی مکتب سے زیادہ اُسے اس کے وظائف و ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔

یہ جامع اخلاقی اور اصولی مکتب "اسلام" فردی اور اجتماعی زندگی کے لئے کُلّی و جزئی اور مادّی و معنوی پہلوؤں پر محیط ایسے قوانین کا مجموعہ ہے جو بشریّت کی کامیابی، کمال اور نجات کے ضامن ہیں اور افرادِ معاشرہ ان قوانین کی پیروی کے ذریعہ قیمتی اور خوش بخت انسان بن سکتے ہیں۔

اصلاحِ معاشرہ کا آغاز انسان کو خود اپنی ذات سے کرنا چاہئے۔ بے شک اگر ہر فرد جو معاشرہ کے پیکر کے ایک عضو کی حیثیت رکھتا ہے اپنی اصلاح کا بیڑہ اٹھا لے اور نہایت صبر و جرات کے ساتھ اپنے اندر نیک اور اچھے فضائل کی

Marfat.com

افزائش اور اپنی نفسیاتی قوتوں میں اضافے کے لئے کوشاں ہو جائے تو ان افراد میں شامل ہو جائے گا جو نوعِ بشر کی فلاح و بہبود کے لئے حالتِ جہاد میں ہیں کیونکہ معاشرہ کی اصلاح کا بڑا ذریعہ خود افرادِ معاشرہ کا انفرادی تکامل ہے۔

امید ہے زیرِ نظر کتاب کے مطالب جو اسلامی تعلیمات کے لبریز مصادر سے ماخوذ ہیں، اور اسلامی تعلیمات کی روح کے مُعرّف ہیں اور ضمنی طور پر جن میں تربیتی و نفسیاتی مسائل کے بارے میں مغربی دانشوروں کی آراء و نظریات کو بھی شامل کیا گیا ہے، اخلاقی و اجتماعی رہنمائی کے لئے سود مند ثابت ہوں گے۔ نیز امید ہے یہ کتاب تربیت کے حقیقی مقصد کی نشاندہی میں معاون و مفید ثابت ہوگی۔ اگر خداوندِ عالم کی توفیق شاملِ حال رہی اور میں اس مجموعہ میں ان عظیم حقائق کے ایک گوشہ کو بھی منعکس کر سکا جو رہبرانِ اخلاق و انسانیت کے ذریعہ ہم تک پہنچے ہیں تو میرے لئے خوشی و مسرّت کا باعث ہوگا۔

یہاں یہ تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا ایک خلاصہ (جو اس کتاب کے ایک تہائی سے بھی کم ہے) حوزۂ علمیہ قم سے شائع ہونے والے دینی و علمی مجلّے "مکتبِ اسلام" میں چھپ چکا ہے۔ وہی باتیں کتابِ ہذا میں زیادہ جامع اور کامل صورت میں محترم قارئین کے سامنے پیش کی جا رہی ہیں۔

خداوندِ متعال سے دعا ہے کہ وہ اسلام کی سعادت بخش تعلیمات کے سائے میں سب کو نجات حاصل کرنے اور کمال و ترقی کی منزلیں طے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ جو کچھ بھی ہمارے پاس ہے وہ اسی کی جانب سے ہے اور ہماری حیثیت اس کے سامنے محض نقشِ دیوار کی سی ہے۔

سید مجتبیٰ موسوی لاری

قم المقدس

Marfat.com

Marfat.com

پہلا باب

فطرت اور انسانی قوتیں

انسان کمال کا شیفتہ ہے ______ ۲۲
تزکیۂ نفس کمال کا ذریعہ ہے ______ ۲۵
جرائم کے اسباب ______ ۳۱
انسان کی اہم ترین ذمہ داری ______ ۳۳
کیا پیدائشی مجرم بھی پائے جاتے ہیں؟ ______ ۳۸
پاک و بے آلائش فطرت ______ ۴۳
قید اور آزادی ______ ۵۳
عادت اور اس کے مثبت و منفی اثرات ______ ۵۵
اسلام کی اختیار کردہ رَوِش ______ ۶۰
بچپن کی عادتیں ______ ۶۵

Marfat.com

انسان کمال کا شیفتہ ہے

ہر انسان جو اس وسیع و عریض کائنات میں آنکھ کھولتا ہے خواہ وہ کسی بھی معاشرے اور ماحول کا پروردہ ہو' اپنی فطرت کے حکم اور عقل کے تقاضے کے زیرِ اثر کمال کا خواہاں ہے۔ اور اس کمال کے حصول کے لئے ہر طرح کی مشکلات و مصائب برداشت کرتا ہے' اپنے ابتدائی نقص سے سفر کا آغاز کرتا ہے اور ہر ہر قدم پر اپنے کمال میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔ روح اور تفکر و تعقل کا حامل ہونے کی بناء پر اس کا کمال اس قدر سریع' قوی اور گہرا ہوتا ہے کہ وہ ابدیت تک جا پہنچتا ہے۔

کمال سے عشق کی یہ جبلّت صرف انسانوں ہی میں نہیں پائی جاتی بلکہ حیوانات بھی اس کے حامل ہوتے ہیں اور اس راہ میں حائل ہر رکاوٹ کو پیروں تلے روندتے ہوئے' ہر ضرر رساں چیز سے گریز کرتے ہوئے اپنے ہدف کی جانب تیز رفتاری سے سفر جاری رکھتے ہیں۔

یہی نہیں بلکہ بے انتہا چھوٹے ذرّات "ایٹم" سے لے کر بڑے بڑے اجرام تک تمام مظاہرِ قدرت' سب اسی کارواں کے شریک ہیں۔

ایک دانشور لکھتا ہے :

~~+1249~~ ۶۵۶۱۵

Marfat.com

"گندم کا دانہ بھی حرکت رکھتا ہے جس کے ذریعہ اس کی نشوونما ہوتی ہے۔ گلاب کے پھول میں بھی حرکت ہوتی ہے جس کی بدولت وہ خوبصورت اور خوشبودار بن جاتا ہے اور انسان بھی ایک حرکت کا حامل ہے جس کی طاقت سے وہ عقل و محبت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ پس اگر ہمیں گندم کی نشوونما' گلاب کی خوبصورتی اور خوشبو اور روحِ بشر کی پاکیزگی میں خلل اور کمی نظر آئے تو یہ حرکت کا قصور نہیں ہے بلکہ اس کا سبب وہ رکاوٹ ہے جو اس حرکت کی راہ میں حائل ہوجاتی ہے۔

اب ہم یہ جان سکتے ہیں کہ صحیح فکر کی تشکیل میں ہدف ہماری کس قدر مدد کرسکتا ہے اور ہمیں بتا سکتا ہے کہ یہ دنیا جس کا ہم ایک چھوٹا سا وجود ہیں ایک ذی شعور کائنات ہے اور ہم ہرگز ایک آشفتہ' مضمحل اور تاریک دنیا کے باسی نہیں۔ اور یہیں سے ہمیں یہ بھی جاننا چاہئے کہ کائنات میں پائی جانے والی ان حرکتوں کی پشت پر مسلّمہ طور پر ایک محرّک موجود ہے اور تمام اشیاء کی خلقت میں ایک عظیم شعور کارفرما ہے۔ اور ہمارے لئے یہ اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ زندگی ایک عظیم شعور اور پرشکوہ چیز کا نام ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ہم اپنے آپ کو کم از کم اس بات پر آمادہ کرسکتے ہیں کہ خود کو کائنات کی اس فکری روح کے ساتھ ہم آہنگ کرلیں اور جان لیں کہ اس سے روگردانی ہماری زندگی کا زیاں ہے۔"

(انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا)

Marfat.com

انسان کی مادّی نشوونما اس کے اختیار کی حدود سے باہر ہے لیکن روحانی کمال اس کے اختیار میں ہے۔ اس بناء پر مناسب نہیں کہ انسان حصولِ کمال کے فطری طریقے سے انحراف کرے اور کائنات کے تکامل پذیر نظام میں ناقص رہ جائے۔ ظاہر ہے کہ انسان کا اندرونی کمال ایک غیر مادّی چیز ہے۔ انسان مسلسل تحقیق اور پیہم تجربات کی مرہونِ منّت مادّی انکشافات میں تو کامیاب ہو جاتا ہے لیکن وہ اس مادّی روش پر چلتے ہوئے کمال کی منزلوں کو طے نہیں کر سکتا اور روح کو اوجِ کمال پر نہیں پہنچا سکتا۔

بالکل اسی طرح جیسے ایک درخت کو حصولِ کمال کے لئے مختلف مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ وہ نباتی بیماریوں، کیڑے مکوڑوں، زیرِ زمین پتھروں اور دوسری رکاوٹوں کا مقابلہ کرتا ہے اور حصولِ کمال میں معاون قوتوں جیسے دھوپ، پانی، روشنی اور ہوا وغیرہ سے مستفید ہوتا ہے۔ اسی طرح انسان کو بھی ترقی و کمال کے لئے ایسے طاقتور عوامل سے لیس ہونا چاہئے جو ابدیت تک رسائی میں اس کے معاون ثابت ہوں اور ایسے عوامل و عناصر سے جنگ کرنی چاہئے جو کمال کی جانب سفر میں اس کے مانع ہوں۔

انسانی وجود کے گوناگوں پہلوؤں کو مختلف جہتوں سے اس طرح منظم ہونا چاہئے کہ وہ اپنی تمام مادّی اور معنوی خواہشات و احتیاجات کا جواب دے سکے اور ایک نظم و ترتیب سے استفادہ کے ذریعہ نہایت مناسب طور پر زندگی گزار سکے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آجائے جو ہر قسم کے تضاد، ظلم، زیادتی، جہل اور گناہ سے پاک ہو تاکہ انسان انسانیت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچ سکے۔

انسانی وجود مختلف پُرہیجان خواہشات کا مجموعہ ہے یہ خواہشات اپنی فطری

Marfat.com

شکل اور حدِّ اعتدال میں ہوتے ہوئے نہ صرف یہ کہ بے سود اور ضرر رساں نہیں ہوتیں بلکہ انسان کی روح کی بالیدگی کا سبب بنتی ہیں لیکن اگر یہی خواہشات و میلانات بے مہار ہوجائیں تو حصولِ کمال کی راہ میں مانع ہوجاتی ہیں' اور انسان خواہشات کا غلام بن کر رہ جاتا ہے اور انسانیت کی بلند چوٹی سے قعرِ مذّلت کی اتھاہ گہرائیوں میں جا پڑتا ہے۔

حیوان اپنی خواہشات و میلانات کی پیروی کرتا ہے۔ لیکن انسان مطیع مصلحت اور پیروِ عقل ہے' اس میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ زیاں بار خواہشات کو کچل دے اور سود مند خواہشات کا مثبت جواب دے۔ کیونکہ جس طرح انسان کی سرشت میں مادّی خواہشات پائی جاتی ہیں اسی طرح اس میں حقیقت جوئی اور مفید و مثبت چیزوں کو اپنانے کی لگن بھی ہوتی ہے اور یہی لگن انسان کو اعلیٰ ترین روحانی مقام پر فائز کردیتی ہے اور اسی کی وجہ سے انسان اپنے اندر پاکیزگی' جرات' شرافت اور سچائی کی روح کی پرورش پر قادر ہوتا ہے۔

تزکیہ نفس کمال کا ذریعہ ہے

یہ بات بلاشک و تردید کہی جاسکتی ہے کہ انسان اگر اپنی زندگی میں کسی اصول اور ضابطے کی پیروی کرنا چاہے' خواہ وضوابط مذہبی ہوں یا غیرمذہبی تو یقینی طور پر وہ اپنی زندگی کی ایک راہ و روش اور منزل کا تعین کرلے گا۔ اور ایسی چیزوں سے پرہیز کرے گا جو اس راہ کو طے کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہوں۔ جلد ختم ہوجانے والی لذّات اور ہوا و ہوس کو اگر زندگی کے مقصد اور اصول و ضوابط کا مخالف پائے گا تو ان سے دوری اختیار کرے گا' اپنے نفس پر

Marfat.com

قابو حاصل کرے گا اور اس کی پاکیزگی کا خیال رکھے گا۔

نفس کا تزکیہ یعنی اسے برائیوں سے پاک رکھنا' ہر اُس انسان پر لازم ہے جو انسانیت سے بھرپور اور معقول زندگی گزارنا چاہتا ہو۔ انسان لامتناہی خواہشات اور قوتِ فکر کا حامل ایک وجود ہے اگر وہ کسی ضابطہءحیات کو نہ پہچانے اور اس پر کاربند نہ ہو تو اپنی درندگی اور خون آشامی سے کائنات کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔

انسان کی ترقی اور عظمت صرف مادّی امور سے وابستہ نہیں۔ مادّی ترقی کا فائدہ محض اتنا ہوتا ہے کہ سہولتوں کے اعتبار سے کچھ پیشرفت ہو جاتی ہے جن کا تعلق صرف جسم سے ہوتا ہے لیکن اس طرح انسان حقیقی کمال کو نہیں پا سکتا۔ سائنسی ترقی انسان کے تمام پہلوؤں کو کمال نہیں بخش سکتی۔

انسان کا حقیقی کمال یہ ہے کہ خود کو منہ زور شہوانی لذّتوں کے پنجے سے آزاد رکھے' انسانیت کی سمت اور اپنے شعور کو بلند کرنے اور اپنی فطرت کو پاکیزگی بخشنے کے لئے قدم بڑھائے اور بلند افکار اور وسیع افق سے آشنا ہو۔

انسانی روح میں کمالِ مطلوب کے حصول کی بہت گہری خواہش پائی جاتی ہے۔ اگر یہ خواہش نہ ہوتی تو انسان اپنے بچپن کی حدود سے آگے نہ بڑھ پاتا اور ایک نہایت وسیع افق پر پرواز کے قابل نہ ہوتا۔ اعلیٰ اقدار میں اتنی کشش اور جذّابیت پائی جاتی ہے کہ انسان نہایت شوق و رغبت کے ساتھ ان کی جانب بڑھتا ہے۔ ان کے حصول کے لئے اس کے جذبات میں بہت گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے جو اسے سخت جدوجہد پر اکساتی ہے۔

یہ تمام باتیں اس حقیقت کی نشاندہی کرتی ہیں کہ انسانی روح میں کمال

سے عشق پنہاں ہے اور جوں ہی مناسب مواقع میسّر آتے ہیں اس کی تجلیاں ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

انسانی بدن کے عضلات ورزش کے نتیجے میں طاقتور اور توانا ہو جاتے ہیں۔ روحانی صفات کا بھی یہی حال ہے' اگر ہم انہیں پختہ کرنا چاہیں تو ہمیں روحانی ریاضت کی ضرورت ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ انسانی جسم کی طاقت محدود ہوتی ہے اور یہ محدودیت جسم کی ساخت اور اس کے خلیوں کی توانائی کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ جو ہم انسانی تاریخوں میں غیر معمولی اور حیرت انگیز کارناموں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو یہ تمام کے تمام طاقتور روح کی کرشمہ سازیاں ہوتی ہیں۔ اور روح کو یہ قوت مادّی رُکاوٹوں کو عبور کرنے اور معرفت کے افق کو وسعت دینے کے ساتھ ساتھ حاصل ہوتی رہتی ہے۔

انسانی روح درحقیقت خلقت کا ایک عجیب و غریب شاہکار ہے۔ ایک ایسی شے ہے جو اپنی قدرت نمائی' فعالیت' مادّیات پر تسلط کے ذریعے اور خصوصاً اس توانائی کے ذریعہ جو انسان کو انحطاط' ضعف اور نارسائی سے اوجِ کمال پر پہنچانے کا سبب ہے اپنا تعارف کرواتی ہے۔

جس طرح انسانی جسم کو بعض کاموں کی انجام دہی کے لئے سختی اور مشقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے' اسی طرح روح کو بھی اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار اپنانے کے لئے کچھ رنج و مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ تربیت کے حوالے سے تمام افکار و نظریات روح ہی کے محور کے گرد گھومتے ہیں' روح تربیت اور تہذیب کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مراتب کی بلندی کا سبب روح ہی ہے' روح ہی انسانیت کی اعلیٰ صفات اور فضیلت کی بنیادوں کو کسب کرتی اور

Excellent

Marfat.com

معنوی کمال سے عشق رکھتی ہے' اور یہ روح ہی ہے جو انسان کے لئے اخلاقی اصول مرتب کرتی ہے جن سے تمام حیوانات بے بہرہ اور بے نیاز ہیں۔

فرانسیسی دانشور ڈاکٹر "کارل" کہتا ہے :

"ہمیں نور کو ظلمت اور صدا کو سکوت سے تمیز دینے کی عادت ہونی چاہئے۔ خوبی اور بدی میں فرق کرنا چاہئے۔ ایسی عادت کے بعد ہی ہم برائیوں سے پرہیز کرسکیں گے اور اچھائیوں کو اپنا سکیں گے۔ لیکن بدی سے پرہیز کے لئے ایک عمدہ جسمانی اور روحانی بنیاد کی ضرورت ہے۔ روح اور جسم کا انتہائی کمال تزکیہ نفس کے بغیر ممکن نہیں۔ جو لوگ روح کو اعلیٰ اور پاکیزہ بنانا چاہتے ہیں ان کے لئے کسی قسم کا افراط جائز نہیں۔ روحانی اعتدال ہمیشہ نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے۔ ح اور جسم کی یہ کیفیت انسانی شخصیت کی بنیادی ضروریات کو تشکیل دیتی ہے اور اس رن وے کی مانند ہے جس سے روح اوجِ کمال کی جانب پرواز کرتی ہے۔

ترقی اور سربلندی کا راستہ صدیوں کی طولانی مسافت کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا۔ دورانِ سفر اکثر مسافر سبز کائی پر پھسل جاتے ہیں' گہری کھائیوں میں گر پڑتے ہیں یا پھر لبِ دریا خوشنما باغات کی رونقیں ان کے قدم روک لیتی ہیں اور وہ وہیں پڑ کر ہمیشہ کے لئے سو رہتے ہیں۔ انسان کو چاہئے کہ غم ہو یا خوشی' فارغ البالی ہو یا تنگدستی' سلامتی ہو یا بیماری ہر حال میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہے اور اگر ناکامی کا تلخ گھونٹ پینا پڑے تو ہر ناکامی کے بعد دوبارہ کھڑا ہو جائے اور کمرِ

Marfat.com

ہمت باندھ کر ایک بار پھر کمال کی شاہراہ پر سفر کا آغاز کردے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ اس میں حصولِ کمال کا شوق اور اس کی جانب بڑھنے کا ارادہ قوی سے قوی تر ہوتا چلا جائے گا' اسی طرح اپنے مقصد پر ایمان پختہ ہوگا' اسی طرح روح بدن کی اور بدن روح کی مدد کے لئے زیادہ سے زیادہ آمادہ ہوں گے اور آخرکار اسے ہر مرحلے پر کامیابیاں نصیب ہوں گی۔" (راہ و رسمِ زندگی۔ ص۹۹۔۱۰۰)

آج دنیا بدنظمی اور بے اعتدالی کا شکار ہے۔ اجتماعی و انفرادی' جسمانی اور روحانی زندگی میں نظم و ضبط اور اعتدال کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ جب انسان اپنی انسانی خصوصیات کو فراموش کردیتا ہے اور جب اپنی ان خصوصیات کو جو زمین پر خلیفۂ خدا کی حیثیت سے اس کی ذات کا لازمہ ہیں' کچل دیتا ہے اور اس کے باوجود کہ اسے انسان خلق کیا گیا ہے اپنی عظمت و شرف کی نفی کرتا ہے اور اپنی سرشت و طینت کو پامال کردیتا ہے اور بالآخر اس کی زندگی ہوا و ہوس کی پرستش پر مبنی ہوجاتی ہے تو ان حالات میں جب کہ اس کی ہستی اس قدر پستی و ذلالت سے آلودہ ہوجاتی ہے اور وہ اپنے وجود کے فطری مقصد سے منحرف ہوجاتا ہے' فطرت اسے اس کے غیر اصولی اور بچکانہ طرزِ عمل کی سزا دیتی ہے اور اس سے سخت انتقام لیتی ہے۔

آج بھی انسانیت اپنے کیے کی سزا بھگتنے میں مصروف ہے اور اپنی ناہنجاریوں کا تاوان وہ آرام و سکون' سعادت و خوش بختی اور اپنی انسانی خصوصیات سے محروم ہوجانے کی صورت میں ادا کررہی ہے' جس کے نتیجے میں معاشرے میں طرح طرح کے انحرافات اور مظالم و جرائم میں مسلسل اضافہ

Marfat.com

ہو رہا ہے۔ کوئی ایک منٹ ایسا نہیں گزرتا جس میں دنیا کے کسی حصّہ میں کوئی بڑا جرم' ظلم و تعدی' گناہ' عزت و عصمت کی پامالی' دوسروں کے حقوق پر ڈاکہ اور قتل و غارت کا کوئی واقعہ رونما نہ ہوتا ہو۔ یہ مسئلہ اقوامِ عالم کو درپیش بڑے مسائل میں سے ہے اور اسے بشریّت کی ایک ایسی عظیم مشکل قرار دیا جاسکتا ہے جس نے پورے روئے زمین کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے۔

دنیا کی حکومتیں ہر سال اپنے بجٹ کا ایک بڑا حصّہ جرائم' مظالم' بے راہ روی اور فحاشی کی روک تھام یا مجرموں کی تلاش اور انہیں سزا دینے کے لئے مخصوص کرتی ہیں' یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ جسے جان کر انسان دم بخود رہ جاتا ہے۔

مغربی معاشروں میں حد درجہ بڑھی ہوئی سنگدلی' درندگی اور انسانی روابط سے بے اعتنائی کا ایک سبب مغربی فلاسفہ کے نظریات میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً جرمنی کے معروف فلسفی "نطشے" نے اپنے طرزِ فکر کی بنیاد بے رحمی اور نسلی برتری پر رکھی ہے۔ جس کے نتیجے میں ہم دیکھتے ہیں کہ گزشتہ صدی میں کس قدر وحشیانہ خونریزی اور تباہ کن جنگیں وقوع پذیر ہوئیں۔

"نطشے" کہتا ہے :

"نرمی اور نرم دلی کو دور پھینک دینا چاہئے' نرمی عاجزی کی علامت ہے' فروتنی اور فرمانبرداری کا سبب فرومائیگی کا احساس ہے' حلم' برداشت' عفو و اغماض بے ہمتی اور سستی کی دلیل ہیں۔"

"آخر اپنے نفس کو کیوں مارا جائے؟ نفس کو تو پروان چڑھانا چاہئے۔ خود خواہی اور خود پرستی کوئی بُری چیز نہیں' ضعیف و ناتوان کو زندگی

Marfat.com

کی قید سے آزاد کر دینا چاہیے۔"

(ماخوذ از "سیر حکمت در اروپا" جلد سوم)

جرائم کے اسباب

جرائم کے اسباب اور مجرموں کی نفسیات پر تحقیق کرتے ہوئے دیکھنا چاہیے کہ آیا یہ پیدائشی طور پر مجرمانہ فطرت کے حامل ہیں؟ طرح طرح کی اخلاقی خرابیوں میں مبتلا اور قسم قسم کے جرائم و مظالم کا ارتکاب کرنے والے یہ لوگ آیا پیدائشی مجرم ہیں؟ یا ان کے جرائم کا سبب وہ نفسیاتی عوارض ہیں جن کا یہ شکار ہیں؟ ان لوگوں کے علاج کی کیا صورت ہے؟

بعض ماہرین کا خیال ہے کہ مجرم اور فتنہ پرور افراد پیدائشی طور پر ایسے ہوتے ہیں اور ارتکابِ جرم کی صفت ان کی فطرت کا حصّہ ہوتی ہے۔ بالفاظِ دیگر مجرم فطرتاً مجرم ہوتا ہے۔ ایسے افراد میں کچھ ایسی غیر معمولی علامات بھی پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے انہیں دیگر لوگوں کے درمیان بخوبی پہچانا جا سکتا ہے۔

اٹلی کے معروف جُرم شناس "لومبروز" کا یہی نظریہ تھا۔ وہ اپنے اس نظریہ پر بہت زور دیتا تھا اور اس سلسلہ میں اس کے بہت سے طرفدار بھی پائے جاتے تھے۔ بلکہ اس نے اپنے زمانہ کے بہت سے مصنّفین کی توجہ بھی اپنے نظریات کی جانب مبذول کرلی تھی۔

بے شک انسان پند و نصیحت قبول کرنے والا ایک موجود ہے۔ وہ اپنے ارادے سے بعض امور انجام دیتا ہے اور ارادے ہی کے زور پر بعض دیگر امور سے پرہیز کرتا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ وہ اختیار و آزادی کا حامل ہو ورنہ

Marfat.com

ایسی ہستی کو جو مجبور و لاچار ہو' خود سے کسی ارادے و اختیار کی مالک نہ ہو پند و نصیحت اور رہنمائی کرنا ایک لغو و بے ہودہ عمل ہو گا۔ علماء و دانشور انسان کو عملاً آزاد اور اپنے افعال و اعمال کا ذمہ دار سمجھتے ہیں۔

علمائے اخلاق کی وہ تمام کاوشیں جو وہ انسانوں کو سعادت سے ہمکنار کرنے کی غرض سے انجام دیتے ہیں اور ان کی تمام اخلاقی تعلیمات کی اساس اسی اصول پر رکھی گئی ہے کہ انسان کچھ امور کو انجام دے اور کچھ سے پرہیز کرے۔ یہ علما حصول سعادت کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں کہ انسان کچھ چیزوں کو اپنائے اور کچھ سے اجتناب برتے۔

اگر ایسے بچّوں کا جائزہ لیا جائے جو دماغی امراض کے اسپتالوں میں زیرِ علاج ہیں۔ یا زندانوں میں قید ہیں تو معلوم ہو گا کہ انہوں نے غیر صالح خاندانوں یا تربیت کی ضرورت سے غافل گھرانوں میں پرورش پائی ہے اور ذاتی طور پر انہوں نے پاکیزہ زندگی کو دیکھا ہی نہیں ہے۔

ایسے لوگ جو کسی قسم کے جرائم سے نہیں چُوکتے اور جن کے ہاتھ ہر قسم کے گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں ان کی غالب تعداد ایسے افراد پر مشتمل ہوتی ہے جنہوں نے ایسے کنبُوں میں آنکھ کھولی ہوتی ہے جو اخلاقی فضائل اور مہرو محبت کی گرمی سے عاری اور مختلف قسم کے مفاسد کا شکار ہوتے ہیں۔ یا پھر ایسے لوگوں کی پرورش انحطاط پذیر معاشروں میں ہوئی ہوتی ہے اور یہ خاندانی اور معاشرتی اسباب اس بات کا سبب بنتے ہیں کہ یہ لوگ اچھائی پر بُرائی کو ترجیح دینے لگتے ہیں اور امن و راحت کی جگہ فتنہ و فساد پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔

Marfat.com

انسان کی اہم ترین ذمہ داری : تربیت

انسان کی اہم ترین ذمہ داری تربیت ہے۔ بشریت نے اپنی حیات کی صبح طلوع ہوتے ہی تربیت کی اہمیت کو جان لیا تھا اسی بناء پر جوں جوں اسے اپنی حقیقت کا ادراک ہوا اور جس قدر اپنے فرائض و ذمہ داریوں کا علم ہوا اسی تناسب سے اس نے اپنے ماحول کے مطابق قواعد و اہداف وضع کیے۔ ہرچند کہ یہ اہداف اور ان کی بنیادیں کبھی درست ہوتی تھیں اور بعض مواقع پر نادرست بھی۔

ہم انسانی تاریخ میں مختلف مکاتبِ فکر کے پیدا کردہ ان تغیّرات کا بخوبی مشاہدہ کرسکتے ہیں جن کے نتیجے میں انسانی زندگی کی کایا یکسر پلٹ گئی۔ نیز تاریخ کے مطالعے سے یہ حقیقت پوری طرح آشکار ہوجاتی ہے کہ انسان ذاتی طور پر شیطانی فطرت لے کر پیدا نہیں ہوا ہے۔ اگر انسان پیدائشی طور پر شریر اور شرپسند ہوتا تو اس کی تعلیم و تربیت کے سلسلے میں کی جانے والی تمام مساعی لغو اور بے فائدہ ہوتیں اور تمام پیغمبرانِ الٰہی کی کوششیں نقش بر آب ثابت ہوتیں۔

اگر جزیرہ نمائے عرب کے لوگوں کی فطرت میں قتل و غارت اور جرم و جنایت کی صفات شامل ہوتیں تو ممکن نہ تھا کہ پیغمبرِ اسلامؐ ان لوگوں میں اس قدر وسیع اور مختلف پہلوؤں پر محیط انقلاب پیدا کردیتے اور ان کی شخصیت و ماہیت کو بدل کر رکھ دیتے۔

یہ درست ہے کہ انسان ابتداً مادّی قوتوں اور رجحانات سے سروکار رکھتا

Marfat.com

ہے اور دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد اس کے قویٰ یکے بعد دیگرے ظاہر ہو کر اپنی فعالیت کا آغاز کرتے ہیں۔ البتہ مادّی طاقتوں کے مقابلے میں انسان میں روحانی ترقی کے لئے بکثرت صلاحیتیں اور قوتیں پائی جاتی ہیں اور اس سلسلے میں اس کے وجود میں حد سے زیادہ شوق و امکانات موجود ہیں۔ یہ قوتیں اپنے استعمال سے مختلف رنگ اختیار کر سکتی ہیں اور مختلف میدانوں میں کام آتی ہے۔ ہرچند یہ مرحلہ انسان کے طبیعی مراحل کے بہت بعد آشکارا ہوتا ہے۔

بلند آرزوؤں میں یہ قوت ہوتی ہے کہ دوسری صلاحیتوں کو اپنے اہداف کے حصول کے لئے استعمال کریں۔ لیکن یہ کام موثر خارجی مدد اور توجہ و رہبری کا متقاضی ہے۔ کیونکہ اگر یہ مدد میسر نہ ہو تو خواہشات انحراف و کج رَوی کا شکار ہو جائیں گی۔ البتہ یہ ذہن نشین رہے کہ خارجی مدد کوئی غیر فطری بات نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک حصّہ ہے۔ جیسے کہ بچّے میں پیدائش کے دن سے ہی بات کرنے کی فطری استعداد پائی جاتی ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دوسروں کی رہبری اور تعلیم کے ذریعہ بات کرنا سیکھتا ہے۔

قرآنِ کریم اصولِ تکامل کی ان الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے کہ :

"یا ایها الانسان انک کادح الی ربک کدحا فملاقیه"

"اے انسان تو اپنے پروردگار کی جانب جانے کی کوشش کر رہا ہے تو ایک دن اس کا سامنا کرے گا۔" (سورۂ انشقاق ۸۴۔آیت ۶)

اور یہ بھی ارشاد ہے کہ

"وان الی ربک المنتهی"

Marfat.com

"اور بے شک سب کی آخری منزل پروردگار کی بارگاہ ہے۔"

(سورۂ نجم ۵۳۔ آیت ۴۲)

انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ کائنات کی وسعتوں میں لامحدودیت کی جانب پرواز کے لئے پیغمبرانِ الٰہی کے عطا کردہ لائحہ عمل سے (کہ جو جامع تعلیمات کا حامل ایک محکم مکتب ہے) الہام حاصل کرے تاکہ اس کے اندر خدا کی صفات جھلکنے لگیں اور اپنے ہدفِ مطلوب کمال، نجات اور کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

"گستاف لوبون" لکھتا ہے کہ۔

"فلسفہ مسلسل آزمائشوں کے بعد اس نکتہ کو سمجھ چکا ہے کہ ماوراء مادہ تک اس کی رسائی نہیں۔ لہٰذا ایسے روحانی معالجوں کے متعیّن کردہ اصولوں کی پیروی ناگزیر ہے جو انسان کی روحانی خصوصیات سے آگاہ اور اس کے معنوی کمال کے ضامن ہیں۔

یہ روحانی معالج انبیاء الٰہی اور خداوندِ عالم کے منتخب بندے ہیں۔ یہی ہستیاں انسانی روح کی اصلاح کے واسطے ایسے پروگرام پیش کرتی ہیں جو منبعِ وحی سے حاصل کئے گئے ہیں تاکہ انسان کو اس کے حقیقی کمال تک پہنچادیں۔"

قرآنِ کریم انسان کی ذات کا تعارف کراتے ہوئے انسانی فطرت کے ان دونوں پہلوؤں کی نشاندہی کرتا ہے۔(ملاحظہ کیجئے سورۂ زخرف ۴۳ آیت ۱۴، سورۂ ابراہیم ۱۴ آیت ۳۴، سورۂ تین ۹۵ آیت ۴، سورۂ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۲۹)

قرآنِ کریم نے اس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اگر آدمی کی بنیادی تربیت نہ ہو تو اس کی طوفان سے بھی زیادہ سرکش مادّی قوتیں آگے بڑھ کر عقل و ضمیر کا گلا گھونٹ دیتی ہیں اور یوں نفسانی احساسات کو مادّی اغراض و مقاصد کی راہ پر لگا دیتی ہیں۔

انسان کی خلقت کا سب سے بڑا اعجاز یہی ہے کہ اس کی فطرت دو مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا اس بات سے غافل نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مختلف رنگ قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا ایک خاص راہ پر اس کی رہنمائی سے چشم پوشی نہیں برتنی چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ۔

"ان بذوی العقول من الحاجة الی الادب کما یظمأ الزرع الی المطر"

"عقل مند انسان کو ادب سیکھنے اور تربیت کے حصول کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی کہ کھیتی کو بارش کے پانی کی ضرورت ہوتی ہے۔" (غرر الحکم جلد ۲ ص ۵۱۳ حدیث نمبر ۳۴۷۵)

اگر تربیت کے قواعد و اصول ایسے عناصر پر استوار نہ ہوں جو انسانی صلاحیتوں کو اعتدال عطا کر سکیں بلکہ انسانی قوتوں کو اس کی ابتدائی اور بے رنگ سطح ہی پر چھوڑ دیا جائے تو انسان ہمیشہ کے لئے ابتدائی اور مادّی مرحلے (یعنی محض اپنے حیوانی غرائز) ہی میں پڑا رہ جائے گا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں انسان کے افعال و اعمال کو اچھے یا برے اور نیک و بد کے خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ان پر سزا و جزا کا تعین ہوتا ہے۔

Marfat.com

قرآنِ کریم کہتا ہے کہ۔

"قدافلح من زکٰیھا و قدخاب من دسّٰھا"

"بے شک وہ کامیاب ہوگیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنا لیا اور وہ نامراد ہوا جس نے اسے آلودہ کرلیا۔(سورۂ شمس ۹۱۔آیت ۹-۱۰)

سزا و جزا کا دار و مدار انسان میں پائی جانے والی خیر و شر کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیتوں پر ہے۔ لٰہذا ذہنی و جسمانی لحاظ سے ناقص شخص کو ذمہ داریوں سے بری قرار دیا جاسکتا ہے۔

بعض جدید مکاتبِ فکر کے اس نظریہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں کہ۔

"جرائم پیشہ افراد بے قصور ہیں کیونکہ انہیں معاشرے میں پائی جانے والی خرابیاں یا صحیح رہبری کا فقدان جرائم پیشہ بنا دیتا ہے اور گو کہ انسان خیر و شر میں تمیز کی فطری صلاحیت رکھتا ہے پھر بھی وہ ایک کمزور و ناتواں مخلوق ہے۔"

البتہ کوئی بھی تربیت کی اہمیت کا منکر نہیں اور اس سلسلہ میں معاشرہ پر جو عظیم و خطیر ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی۔ درست ہے کہ جرم کی ذمہ داری ارتکابِ جرم پر ابھارنے والے مختلف عوامل پر تقسیم کی جاسکتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ارتکابِ جرم کرنے والا بری الذمّہ قرار دے دیا جائے۔

بے شک بعض مجرموں کی اصلاح معمولی سی پندو نصیحت کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ دراصل یہ لوگ ایک طرح کی روحانی سستی کا شکار ہوتے ہیں اور یہی مرض ان کے جرائم کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ یا پھر یہ لوگ غیر صالح

Marfat.com

افراد کی صحبت اختیار کرنے کی وجہ سے اس حال کو پہنچتے ہیں۔ پس اس قسم کی بیماریوں کی جلد تشخیص کرکے ان کی دوا کرنی چاہئے۔

جرائم کو محض سختی اور دباؤ کے ذریعے جڑ سے ختم کرنا ممکن نہیں۔ مجرم کو سزا دینا ضروری ہے کیونکہ بہرحال یہ اس کے کئے کا بدلہ ہے۔ نیز سماج میں توازن و عدالت کے قیام اور سماجی زندگی کو خطروں سے محفوظ رکھنے کے لئے بھی سزا ضروری ہے لیکن تنہا سزا دینا ہی کافی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ضروری مجرموں کی از سرِنو تربیت ہے۔ تاکہ انہیں راہ راست پر لگایا جاسکے اور قانون شکنی کی روح تمام افرادِ معاشرہ میں سرایت نہ کرجائے۔

کیا پیدائشی مجرم بھی پائے جاتے ہیں؟

"لومبروزو" اور اس کے ہم خیال دانشوروں کے اس نظریہ کو کہ "مجرموں میں یہ صفت فطرتاً پائی جاتی ہے" آج ماہرین اور اس فن کے صاحبِ نظر حضرات مسترد کرچکے ہیں۔

"لومبروزو" نے اطالوی فوج میں ڈاکٹر کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے ہوئے یہ مشاہدہ کیا کہ اکثر مجرموں کو اپنے جسم پر نقش و نگار گدوانے کی عادت ہوتی ہے----- یہیں سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کرلیا کہ عام لوگوں کی نسبت مجرموں کے بدن کم حساس ہوتے ہیں اور ان کی اخلاقی حس میں نقص کی وجہ بھی یہی ہے۔ اس کے بعد ایک راہزن کے دماغ کے آپریشن کے دوران وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ بعض پہلوؤں سے اس کا دماغ پست فطرت اور بدنامِ زمانہ افراد کے دماغوں سے مشابہ ہے۔ اور یہی بات "پوشیدہ موروثی صفات کے ظہور"

Marfat.com

کے نظریہ کا مقدمہ بن گئی۔

"لومبروزو" بعض خصوصیات کو کسی کے جرائم پیشہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔ ان خصوصیات میں گھونگریالے بال' آنکھوں کا ترچھا پن' جبڑوں کا ٹیڑھا ہونا' چہرے کا کرخت ہونا' ابروؤں کا کمانی دار ہونا' سر کا غیر معمولی طور پر بڑا یا چھوٹا ہونا' کانوں کا بڑا ہونا' چہرے کا جسم کے ساتھ ناموزوں ہونا' پیشانی کا پچکا ہوا ہونا شامل ہیں۔ لومبروزو کے مطابق جس وقت کسی شخص کے اندر ان صفات میں سے چند یا ایک پائی جائے تو قطعی طور پر اس کے جرائم پیشہ ہونے کا حکم لگایا جاسکتا ہے اور ان خصائص کو وہ "پستی کے داغ" کا نام دیتا ہے۔

فرانسیسی دانشور ڈاکٹر "کارل" کہتا ہے۔

"لومبروزو جس "پیدائشی مجرم" کا معتقد ہے اس کا کوئی وجود نہیں۔ درحقیقت اکثر جرائم پیشہ افراد عام آدمیوں ہی کی مانند ہوتے ہیں اور ان میں سے بعض غیر معمولی حد تک ذہین ہوتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے ماہرین یہ طے نہیں کرسکے ہیں کہ ان سے زندانوں میں کیسا سلوک کیا جائے۔ ایسے راہزن اور سرمایہ دار' جن کے جرائم کی تفصیلات سے اخبارات و جرائد بھرے رہتے ہیں۔ نہایت ذہین اور بسا اوقات ظاہری حسن سے مالامال ہونے کے باوجود اخلاق کی نعمت سے تہی دست ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہمارے درمیان ایسے لوگوں کی کوئی کمی نہیں کہ جن میں محض بعض نفسیاتی تجلیات نمایاں ہوتی ہیں۔ آج کی دنیا کی یہ بے اعتدالی اور آشفتگی ہمارے زمانے کی

نمایاں خصوصیت ہے۔ اس کے باوجود کہ ہماری شہری زندگی مادّی آسائشوں سے پُر ہے پھر بھی تعلیم و تربیت کے امور پر خطیر رقوم صرف ہونے کے باوجود فکری و اخلاقی تربیت ممکن نہیں ہو پائی ہے۔ حتیٰ آج کے معاشروں میں موجود نمایاں افراد تک سے ظاہر ہونے والی شعوری حرکات و سکنات ہم آہنگی اور قدرت سے خالی ہوتی ہیں۔ ان کے اعمال پر بدی چھا چکی ہے اور اچھائیاں کمزور پڑ چکی ہیں اور کبھی کبھی تو ان میں سے بعض اچھائیوں سے یکسر ہی سے محروم ہیں۔

مفید ترین اور خوش بخت ترین افراد وہ ہیں جن کی فکری اور اخلاقی سرگرمیاں ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور مبنی بر اعتدال ہوں۔ جو چیز ان لوگوں کی دوسروں پر فوقیت و برتری کا سبب ہوتی ہے وہ ان کی سرگرمیوں کی کیفیت اور ان کے تکامل کا معیار ہے۔

تعلیم و تربیت کے سلسلے میں ہماری مساعی کا اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ معاشرے کو اعلیٰ صفات کے حامل افراد فراہم کئے جائیں کیونکہ ایک عظیم و مستحکم تمدّن ان ہی افراد کے ہاتھوں وجود میں آسکتا ہے۔" (انسان موجودِ ناشناختہ ص ۱۵۰)

عصرِ حاضر کا ایک ماہرِ نفسیات لکھتا ہے کہ

"آج یہ بات فلسفی و علمی طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اس میں معمولی سی تردید کی گنجائش بھی نہیں رہی کہ (فطرتاً) کوئی آدمی بُرا نہیں ہوتا۔ محض بیمار آدمی پائے جاتے ہیں۔ اس مفہوم کو جان لینا اس

قدر اہمیت کا حامل ہے کہ بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ اپنی خلقت کی ابتداء سے اب تک اور آئندہ بھی سعادتِ بشر کے لئے کوئی اختراع و اکتشاف اس سے زیادہ موثر و مفید نہیں۔ یعنی جس روز لوگ واقعاً اس حقیقت کو درک کرلیں گے اور جب معاشرہ اور اس کو چلانے والے اداروں کی بنیاد اس مسلّمہ حقیقت پر رکھ دی جائے گی تو انسانی سماج سے رنج و مصائب اور باہمی دشمنی و عداوت کا بڑی حد تک خاتمہ ہوجائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب یہ بات سب کے علم میں ہوگی کہ خود غرضی' حسد' خوف' چالبازی' دھوکا دہی' منافقت' بے انصافی اور ایسے ہی دوسرے سینکڑوں معائب روحانی بیماریوں کا نتیجہ ہیں اور بالکل اسی طرح قابلِ علاج ہیں جیسے نزلہ' زکام' گلے کا درد اور بدہضمی وغیرہ جیسے جسمانی امراض' تو ہم بُرے آدمیوں کو روحانی مریض سمجھنے لگیں گے اور اسی روز سے ہمیں دو قطعی اور مفید نتائج حاصل ہوں گے۔ ایک یہ کہ خود یہ مریض آج جنہیں "بُرے" نام سے پکارا جارہا ہے امید و آرزو کے ساتھ اپنے علاج کی جانب متوجہ ہوں گے' جس کے نتیجہ میں یہ بھی اچھے اور صحت مند افراد میں تبدیل ہوجائیں گے۔ دوسرے یہ کہ عام لوگ انہیں بُری نگاہ سے دیکھنا چھوڑ دیں گے بلکہ ان سے ایک قابلِ رحم مریض کی مانند برتاؤ کریں گے۔ لہٰذا یہ کہنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ ان دو نظریات اور ان کے نتائج میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آج کی ترقی یافتہ اقوام کے اکثر مدارس میں یہاں تک کہ وہاں کی جیلوں میں بھی

Marfat.com

یہی اصول لاگو ہے اور رفتہ رفتہ یہی رویہ اختیار کیا جارہا ہے اور اس سے نہایت مفید نتائج ر ل ہورہے ہیں۔ انسان دوست مصنفین کا فرض ہے کہ وہ غیر معمولی حد تک مفید ان حقائق کو زیادہ سے زیادہ منظرِعام پر لائیں تاکہ پوری دنیا ان سے استفادہ کرسکے۔"

(روانکاوی۔ص ۷)

یہ علمی و فلسفی نظریہ جسے آج کی سائنسی دنیا کی ایجاد قرار دیا جارہا ہے چودہ سو سال قبل اسلامی متون و مصادر میں پیش کیا جاچکا ہے۔

قرآنِ کریم منافقین کو ان کے نفاق، دو رخی، کینہ توزی اور ایذا رسانی کی صفات کے سبب "بیمار" قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

"فی قلوبھم مرض"

"ان کے دلوں میں ایک طرح کی بیماری پائی جاتی ہے۔"

(سورۂ بقرہ ۲۔آیت ۱۰)

بعض ماہرینِ اخلاق اور مذاہبِ باطن کے پیروکار انسان کو ناپاک و آلودہ وجود کے بطور متعارف کرواتے ہیں۔

"جان دیوی" کہتا ہے۔

"ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ کتے کو پہلے بدنام کرو پھر اسے مار ڈالو تو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ اخلاقیون انسانی صفات کو اسی مانند بدنام کرکے مسلسل ملامت کا نشانہ بنا رہے ہیں اور کوئی ان پر اعتراض نہیں کرتا۔ اگر آپ انسانی اخلاق کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ انسانی صفات کو ہمیشہ شک و تردد اور بد اعتمادی کی

نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ابتداء ہی سے اسے قبیح اور بدنام صورت میں ظاہر کیا گیا ہے۔

اخلاق کا کام محض یہی قرار دے دیا گیا ہے کہ وہ ان سرکش صفات پر قابو پائے۔ یہاں تک کہ بعض افراد کا عقیدہ ہے کہ اگر کہیں انسانی صفات میں یہ نقص، ضعف اور انحطاط کے دیگر عوامل نہ پائے جائیں تو وہاں سرے سے اخلاق کا تصور ہی نہ ہوتا۔

بعض متدینین جو کسی حد تک گہری فکر کے حامل ہیں انسان کو اس حد تک پست ظاہر کرنے کی ذمہ داری پیروانِ مذہب اور مومنانِ متعصب پر ڈالتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی زیادہ سے زیادہ عظمت ظاہر کرنے کے لئے انسان کا مقام حد سے زیادہ گرا دیتے ہیں۔ انصاف کی بات ہے کہ ان کا یہ کہنا ایک حد تک درست ہے کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ دیندار لوگ کفار اور بے دین افراد سے زیادہ انسان کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ بدبینی مناسب نہیں۔ کیونکہ اگر آدمی اس حد تک بُرا ہے تو کس طرح وہ خود اپنے دعوے کے مطابق اپنا تزکیہ نفس کرتے ہیں اور دوسروں کو وعظ و نصیحت کرتے ہیں۔" (اخلاق و شخصیت۔ ص ۴۷)

پاک و بے آلائش فطرت

پیغمبرِ اسلامؐ کا ارشاد ہے۔

"کل مولود یولد علی الفطرة حتی یکون ابواه

Marfat.com

یھودانہاو ینصرانہ"

"ہر نومولود پاک و بے آلائش فطرت کے ساتھ پیدا ہوتا ہے اور اِس پر اُس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اُس کے والدین اُسے یہودی یا نصرانی نہ بنادیں۔" (بحار الانوار ج ۲ ص ۸۷)

حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند سے فرماتے ہیں کہ۔

"و انما قلب الحدث کالارض الخالیہ ما القی فیھا من شئی قبلتہ،فبادرتک بالادب قبل ان یقسو قلبک و یشتغل لبک"

"جوان آدمی کا دل ایسی زمین کی مانند ہے جس پر کچھ کاشت نہ ہوا ہو جو بیج بھی اس میں ڈالا جائے گا وہ اسے قبول کرے گی۔ اے میرے بیٹے! میں نے تمہاری تربیت کے لئے تمہاری کم سنی ہی میں اقدام کیا' قبل اس کے کہ تمہارا نقش پذیر قلب سخت ہوجائے اور اس سے پہلے کہ تمہاری عقل مختلف مسائل میں الجھ جائے۔"

(نہج البلاغہ فیض ص ۹۳)

کوئی شخص فطری طور پر مجرم نہیں ہوتا بلکہ اس کے برعکس ہر انسان کے وجود میں ایسی قوتیں پوشیدہ ہوتی ہیں جو اسے مسلسل نیکی کی جانب مائل کرتی ہیں اور جوں ہی انسان اپنی فطری روش سے منحرف ہونے لگتا ہے تو یہ قوتیں اسے سرزنش کرتی ہیں اور اسے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرتی ہیں۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں ہر طبیعت جب کج روی میں مبتلا ہوتی ہے تو اس میں اپنے طبیعی حالات کی طرف لوٹنے کا رجحان و میلان پیدا ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

نہایت قدیم زمانے ہی سے بعض فلاسفہ کا یہ نظریہ رہا ہے کہ عقلِ نظری انسان میں موجود اعلیٰ ترین طاقت ہے۔ اگرچہ اس طاقت کے ادراک کا پیمانہ محدود ہوتا ہے اور اس کے اجراء کی ضمانت غیر معمولی طور پر زیادہ نہیں۔ منصفانہ فیصلے کرنے' مجرموں کو سرزنش کرنے اور سعادت آفرین اوامر کے صدور جیسے معاملات میں عقلِ نظری ناقص ثابت ہوتی ہے اور اسی بناء پر انسان میں ایک ایسی مستقل طاقت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جو تمام نیکیوں' فداکاریوں اور راہِ کمال کی جانب کوششوں کا سرچشمہ ہو۔ تاکہ انسانی اخلاق کو سنوارا جاسکے۔

قرآنِ مجید کا اعلان ہے کہ ایمان کی جانب میلان و رغبت اور گناہ و سرکشی سے نفرت و کراہت کے جذبات انسانی سرشت میں رکھے گئے ہیں اور نہ صرف یہ کہ انسانی طینت میں سرچشمۂ ہستی پر عقیدہ اور حسِ خداشناسی ودیعت کی گئی ہے بلکہ انسانی قلب کو خوبیوں سے بھی آراستہ کیا گیا ہے اور اسے گناہ و عصیان سے پرہیز و برائت کے فطری ہونے کی بھی یاد دہانی فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ روحِ انسان خود بخود فضائل و عمدہ خصائل کی جانب بڑھنے لگتی ہے۔

"ولکن الله حبب الیکم الایمان و زینه فی قلوبکم وکره الیکم الکفر و الفسوق والعصیان"

"اللہ نے تمہارے لئے ایمان کو محبوب بنادیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کردیا ہے اور کفر' فسق اور معصیت کو تمہارے لئے ناپسندیدہ قرار دے دیا ہے۔" (سورہ حجرات ۴۹ آیت ۷)

خواجہ شیرازی کے بقول۔

Marfat.com

این ہمہ مہر و وفا کہ میان من و توست
باخود آوردم از آنجانہ بہ خود بر بستم

(میرے اور تیرے درمیان یہ جو اس قدر مہر و وفا ہے یہ یہاں تک خود بخود پہنچی ہے۔ میں نے اس سلسلہ میں خود کچھ نہیں کیا۔)

"برٹرینڈ رسل" کہتا ہے کہ۔

"قدیم خیال یہ تھا کہ بنیادی طور پر فضیلت ۔ ے پر مبنی ہے اور یہ فرض کیا جاتا تھا کہ ہمارا وجود خواہشاتِ بد سے لبریز ہے ،ور ہم اس کی ایک مجرد (غیرمادّی و غیر مرکب) طاقت یعنی ارادے کے ذریعہ نگرانی کرتے رہتے ہیں۔ اور ظاہراً ان بری خواہشات کو جڑ سے ختم کرنا ناممکن نظر آتا تھا اور محض ان کی نگرانی کئے جانا ہی ممکن معلوم ہوتا تھا۔

یہ بالکل مجرم اور سپاہی کا سا حال محسوس ہوتا تھا۔ کسی کے تصوّر میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ معاشرہ مجرموں سے خالی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان حالات میں، بہترین کام جو ممکن تھا وہ یہ کہ امن و امان کے قیام کے لئے زیادہ سے زیادہ طاقتیں سرگرمِ عمل رہیں تاکہ لوگ ارتکابِ جرم سے خوف کھائیں اور استثنائی صورت میں اگر جرم عمل میں آئے بھی تو اس کا مرتکب فوراً گرفتار ہو کر سزا کا سامنا کرے۔

لیکن مجرموں کے متعلق جدید نفسیاتی ماہرین نے اس نظریہ پر قناعت نہ کی، ان کا عقیدہ ہے کہ اکثر مواقع پر مناسب تربیت کے ذریعہ جرائم کے بڑھتے ہوئے رجحان کو روکا جاسکتا ہے اور جس چیز کا اطلاق

Marfat.com

معاشرہ پر ہو سکتا ہے اس کا اطلاق فرد پر بھی ہو سکتا ہے۔"

(در تربیت۔ ص ۲۵)

روسو (Jean Jacques Rousseau) کہتا ہے کہ۔

"ایک ایسا نوجوان جس کی پرورش ایک اچھے اور پاکیزہ ماحول میں ہوئی ہو وہ فطرتاً نرم و نازک احساسات اور پسندیدہ صفات کی جانب مائل ہوتا ہے۔ اس کا قلب اپنے ہم نوعوں کے دکھ درد پر رقت بار ہوجاتا ہے' اپنے دوست احباب میل و ملاقات پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور کسی صورت اس بات پر آمادہ نہیں ہوتا کہ اس کے ہاتھوں دوسروں کو دکھ پہنچے۔ ممکن ہے کبھی اسے غصّہ آجائے لیکن یہ غصّہ جلد ہی ٹھنڈا ہوجاتا ہے اور وہ فوراً اس کی تلافی کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے۔ جیسے اپنی غلطیوں کی تلافی میں سرگرمی دکھاتا ہے بالکل اسی طرح دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے میں تاخیر نہیں کرتا۔

نوجوانی انتقام و نفرت کا دور نہیں' بلکہ ہمدردی' عفو و درگزر اور سخاوت کا زمانہ ہے۔ ہاں میں اس بات کی تاکید کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ تجربہ بھی اس کی تائید کرے گا کہ کوئی بچّہ پیدائشی طور پر شر و فساد لے کر پیدا نہیں ہوتا۔ اگر بیس سال کی عمر تک اس کی اپنی پاک فطرت محفوظ رہے تو وہ بہترین' سب سے زیادہ سخی' محبوب ترین اور سب سے زیادہ مہربان انسان ثابت ہوگا۔

یقیناً ایسی باتیں آج تک آپ سے کسی نے نہیں کی ہوں گی۔ یہ

Marfat.com

فلسفیوں کا قصور نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے مکتبِ فکر کے مطابق پرورش پائی ہے اور دنیا کو اسی طرح فساد کے ہمراہ دیکھا ہے اس لئے یہ کیونکر اس کے برخلاف سوچ سکتے ہیں۔"

(امیل Emile (روسو کا مشہور ناول) ۔ ص۲۹)

"والڈو امرسن" بھی یہ لکھتا ہے کہ۔

"یہ فضائل ایک طاقتور روح میں پائے جاتے ہیں اور وہ ان تمام پر محیط ہوتی ہے۔ روحِ پاکیزگی' عدالت اور نیکی کی خواہاں ہوتی ہے لیکن خود ان سب سے برتر و بالاتر ہے۔ لہٰذا اگر ہم روح کی سرشت کو نظر انداز کرکے اس کے فرائض کی تبلیغ کریں (جو انسانی فضائل ہیں) تو یہ گویا ایک طرح کا تنزّل اور جلد بازی کا مظاہرہ ہوگا۔

ایک نومولود میں طبیعی طور پر تمام فضائل پائے جاتے ہیں۔ ان فضائل کے حصول کے لئے اسے مشقتوں اور آزمائشوں سے نہیں گزرنا پڑتا۔ انسان کے دل سے بات کرکے دیکھئے آپ دیکھیں گے کہ وہ یک بیک صاحبِ فضیلت ہو جائے گا۔" (فلسفۂ اجتماعی ۔ ص ۳۵۰)

بنابرایں اسلام اور آج کے حقیقت بین دانشوروں کے نظریہ کے مطابق انسان پاکیزہ فطرت اور صحیح و سالم روح کے ساتھ دنیا میں قدم رکھتا ہے اور اس کے اندر پائے جانے والے نقائص عارضی اور غیر اصلی ہوتے ہیں۔ طبیعی راہوں سے ہٹ جانا یا فطری میلانات کا منحرف ہوجانا' نہ صرف روحانی بیماریوں کا سبب بنتا ہے بلکہ روح کی پاکیزہ راہ کے راستے میں رکاوٹیں بھی کھڑی کردیتا ہے۔ وگرنہ انسان اپنے حقیقی تمایلات کے مطابق اس بات کی صلاحیت

Marfat.com

رکھتا ہے کہ تیز رفتاری کے ساتھ کمال کی جانب سفر جاری رکھ سکے۔

البتہ یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہئے کہ جس طرح ایک ہی ماحول میں نشو ونما پانے والے پودے یکساں نہیں ہوتے اسی طرح ایک ہی ماحول میں رہنے والے افراد کے دماغی خلئے مختلف اثرات کے حامل ہوتے ہیں۔ ہر فرد ان مخصوص دماغی خلیوں کا حامل ہوتا ہے جو موروثی طور پر اسے ملتے ہیں۔

دنیا کے کسی فرد کے دماغی خلیات اور مخصوص ترتیب یکساں نہیں ہوتی۔ فزیالوجی (Physiology) کے مطابق یہ اختلاف مکمل طور پر محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جس طرح ماحول کا اثر ہر پودے کے بیج پر مختلف ہوتا ہے اسی طرح ہر انسان کے دماغ میں موجود خلیوں پر زندگی کے ماحول کا ایک خاص اور جداگانہ اثر ہوتا ہے۔ اسی لئے ہر آدمی کی شخصیت دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ ہر آدمی ایک مخصوص مزاج رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد کو مشترک ماحول اور ایک ہی نسل سے تعلق کی بنا پر اصولی طور پر بظاہر ایک ہی جیسی صفات کا حامل ہونا چاہئے لیکن اس کے باوجود انکے درمیان ایک حیرت انگیز تباین پایا جاتا ہے۔

انبیاء الٰہی کی دعوت کی بنیاد فطرتِ توحید اور فطرتِ اخلاق ہی پر تکیہ کرتی ہے۔ یہ فطری اصول عقل کی مدد سے انسانی تربیت کی بنیادوں کی تشکیل کرتے ہیں۔ اپنی دعوت کی تبلیغ اور دینِ الٰہی کی ترویج کے سلسلہ میں پیغمبرانِ خدا کا سب سے بڑا کام انسانی فطرت کو بیدار کرنا تھا۔

ممکن ہے گوناگوں عوامل کی وجہ سے بعض افراد کی فطرت کچھ دیر سے بیدار ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت ختم اور نیست و نابود نہیں

ہوتی۔ طویل تاریخ میں متعدد رکاوٹوں اور موانع کے باوجود فطرت کی بنیادیں استوار و پائیدار رہیں اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ فطرت کی راہ سے انحراف میں فطرت و طبیعت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔

ہمارے لئے یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ ہم فطرت کا سہارا لے کر اپنی تربیت اور تزکیہ نفس کرسکتے ہیں۔ البتہ ہمیں یہ فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہمارے اندر موجود منہ زور خواہشات اپنے زور اور دباؤ سے فطری قوت کو کمزور کرتی رہتی ہیں۔ اگر ہم ان توانائیوں کو اعتدال کے ساتھ بروئے کار نہ لائیں تو ہم خود ان کی تند روی اور شدّت کا شکار ہو جائیں گے جس کے نتیجے میں ہماری فطری قوت رفتہ رفتہ کمزور پڑنے لگے گی۔ یہاں تک کہ ایک موقع ایسا آئے گا کہ فطرت اپنا زور کھو بیٹھے گی اور پھر ہم اپنے باطن میں پوشیدہ اس طاقت سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہ رہیں گے۔

احساس و عمل میں تعادل و توازن پیدا کرنے کے لئے نقطۂ اعتدال کو جاننے اور مسلسل قربانی و ریاضت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ارسطو کہتا ہے۔

"فضیلت دو رذیلتوں کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ ایک افراط اور دوسری تفریط اور اس کی علّت یہی ہے کہ فضیلت حدِّ اوسط کا ہاتھ آجانا ہے خواہ بات جذبات کی ہو یا افعال کی۔ لہٰذا نیک ہو جانا آسان کام نہیں۔ کیونکہ ہر چیز کی حدِّ اوسط کو پالینا آسان کام نہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی دائرہ کا مرکز معلوم کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں صرف وہی شخص اس مرکز کو تلاش کرسکتا ہے جو اس فن سے واقف ہو۔ غصّہ کرنا اور پیسہ خرچ کرنا اگرچہ بظاہر ہر کسی کو آسان

Marfat.com

نظر آتا ہے لیکن اپنی مناسبت سے' مناسب انداز سے' مناسب وقت پر' مناسب وجہ سے اور مناسب طریقہ سے ایسا کرنا نہ تو ہر کس و ناکس کے بس کی بات ہے اور نہ ہی ذاتاً آسان ہے۔ اسی لئے نیکی کمیاب اور قابل تعریف ہے۔

حدِّ اعتدال کو پالینے کے خواہش مند شخص کو سب سے پہلے ایسی چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو اس کی فطرت سے تضاد رکھتی ہوں۔ جیسے کہ کالیپسو نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ "کشتی کو جھاگ اڑاتی ہوئی زوردار موجوں سے دور رکھو۔" پس ہمیں بھی سب سے پہلے ان ہی امور پر توجہ دینی چاہئے جن کی جانب ہم باآسانی مائل ہوسکتے ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ فطرت میں جو خرابی پیدا ہوگئی ہے اس کے برعکس صفات کو اپنائیں اور اس وقت تک انہیں اپنائے رکھیں جب تک خرابی پوری طرح دور نہ ہوجائے اور ہم واپس حدِّ اعتدال میں نہ آجائیں۔ ایک خمیدہ لکڑی کو سیدھا کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اسے مخالف سمت میں موڑا جائے یہاں تک کہ وہ سیدھی ہوجائے۔ ہمیں چاہئے کہ لذّتوں اور لذّت بخش چیزوں سے ہر ممکن پرہیز کریں' احتیاط کریں۔ اس لئے کہ ایسی چیزوں کے بارے میں ہم عام طور پر غیر جانب دار ہوکر فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اگر ہم لذّتوں سے دوری اختیار کریں گے تو ہماری گمراہی کا احتمال کم ہوگا۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے بل بوتے پر ہم حدِّ اعتدال کو بہتر طور پر اپنا سکتے ہیں۔"

(فلسفہ اجتماعی - ص ۴۷-۴۸)

ہماری زندگی کا سب سے اہم ہدف روح کی پرورش اور اسے منزلِ کمال تک پہنچانا ہونا چاہئے۔ قلب و عقل کے دریچوں کو نیکی و راستی اور مہر و محبت کے قبول کرنے کے لئے کھولنا ہمارے فرائض میں سے ہے۔ یہی چیزیں ہمارے قلب کو منور کرنے اور جِلا بخشنے کا سبب اور خالقِ کائنات کو ہم سے راضی کرنے کا ذریعہ بنیں گی۔

اکثر لوگ زندگی کی آسائشوں سے متمتع ہونے کے لئے مادّی ذرائع کے حصول کی غرض سے سخت محنت و جدوجہد کرتے ہیں اور مرتے دم تک زحمتیں اٹھاتے ہیں۔ حتیٰ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن آسائشوں کے حصول کے لئے سرگرداں ہوتے ہیں خود انہیں بھی اپنے اوپر حرام کرلیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ خوش بختی تک پہنچنے کا وسیلہ ہے۔ جب کہ یہ ایک غلط طرزِ تفکر ہے اور ان کی ناکامی کی ایک وجہ یہ بھی ہے۔

ان لوگوں کو جان لینا چاہئے کہ انہوں نے اپنا راستہ گم کردیا ہے اور وہ سعادت و کامرانی کے جادے سے بھٹک گئے ہیں۔

جلد ختم ہوجانے والی مادّی لذتوں اور بے حساب مال و دولت حاصل کرلینے کے باوجود کوئی مطمئن' آسودہ اور خالی از اضطراب زندگی نہیں گزار سکتا۔ اس طرزِ عمل کے ذریعہ انسانی حیات نمو نہیں پاسکتی اور پھل پھول نہیں سکتی بلکہ اس کے برعکس انتہائی سرعت کے ساتھ پژمردگی اور نابودی کا شکار ہوجائے گی۔

جو شخص خوش بختی کو ان لذّتوں میں تلاش کرتا ہے اسے پریشانی و اضطراب کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہمارے وجود میں ہر لمحہ سر اٹھانے والی

Marfat.com

خانماں برباد خواہشات اور بچکانہ رجحانات کو اگر عقل و متانت کی زنجیروں میں جکڑ نہ دیا جائے تو ہماری روح پر حاوی ہو جائیں گے اور ہمیں اپنا اسیر و غلام بنا لیں گے اس کے برعکس جوں جوں ہم اپنی ہوس آلود خواہشات کو کم کریں گے اسی قدر سعادت و خوش بختی سے قریب ہوتے چلے جائیں گے۔ مختصر یہ کہ بدبختیاں، رنج و مصائب اور وہ تمام چیزیں جو زندگی کے افق کو تاریک کر دیتی ہیں ہمارے وجود پر ہوا و ہوس کے تسلط کا نتیجہ ہیں۔

قید اور آزادی

یہاں قید یا آزادی کی برتری کا مسئلہ زیرِ بحث نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ دو قسم کی قیدوں میں سے کس قسم کی قید کو ترجیح دی جائے۔ بالفاظ دیگر یہاں ایک پلڑے میں قید اور ایک میں آزادی نہیں بلکہ موضوع "آزادی سے آزادی کا موازنہ" ہے۔

انسان صاحبِ اختیار ہے، وہ چاہے تو انسانوں جیسی آزادی کا انتخاب کرے اور چاہے تو جانوروں کی سی آزادی منتخب کرے۔ انسان عقیدے، اخلاق اور فضیلت کا پابند ہوتا ہے اس کے برخلاف حیوان نا ختم ہونے والے غرائز و شہوات کا اسیر۔ جو شخص نفسانی خواہشات کی آواز پر لبیک کہتا ہے اور بِلا سوچے سمجھے ان کا مطیع ہو جاتا ہے اس نے آزادی حاصل کر لی ہے۔ یعنی اس نے انسانی ضوابط کی پابندیوں سے باہر قدم نکال لئے ہیں اور انسانیت، اخلاق اور مذہب کی قیود سے آزاد ہو گیا ہے۔ اس نے نفس کے فریب سے مقابلے کی قوت کھو دی ہے اور خواہشاتِ نفس کی قوتوں کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔

یہ فریبی منطق یعنی غریزی خواہشات کو جامہ عمل پہنانے کے لئے تمام قیود سے آزاد ہو جانے کی منطق، حقیقی منطق نہیں۔ انسان اس بناء پر بے سوچے سمجھے اپنی ہستی کی نفی کر رہا ہے اور اپنے وجود کے فلسفہ سے منحرف ہو رہا ہے اور اس کا مستقبل یقینی نابودی و زوال سے دوچار ہو چکا ہے۔

لیکن ایسا شخص جس نے خدا کے ساتھ مضبوط عہد و پیمان باندھا ہے اور زندگی بھر اس کو توڑنے کا تصور بھی نہیں کرتا تو وہ اپنی صلاحیتوں اور طاقتوں کو ایک عزمِ راسخ اور قلبِ قوی کے ساتھ مناسب راہ پر کام میں لاتا ہے۔ جوں جوں اس کے ایمان میں پختگی پیدا ہوتی ہے ویسے ویسے وہ اپنے عہد و پیمان کا پکّا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ایسا شخص حقیقی معنوں میں خود کو اپنی خواہشات اور ہوس سے آزاد محسوس کرتا ہے۔ یعنی وہ ہوا و ہوس کے دباو اور ان کے جاذبہ و کشش کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے سے آزاد ہے۔

جب انسان یہ چاہتا ہے کہ اپنی شرافت مندانہ جہد و کاوش کو آزادی کے حصول کے لئے کام میں لائے یہاں تک کہ کائنات کی ایک فعال قوت بن جائے اور جادۂ کمال پر چلتے ہوئے ایک ایسی منزل پر جا پہنچے جو اس کے شایانِ شان ہو تو وہ کسی صورت بھی ایسی منطق قبول نہیں کرتا جو اس کے حقیقی مقام کے ساتھ ناسازگار ہو۔

مذہبی احکام کے ایک اہم حصّہ کا تعلق خواہشاتِ نفس پر کنٹرول، انہیں حدِّ اعتدال میں رکھنے اور ایک اعلیٰ روح کی پرورش کرنے سے ہے۔ ایک دیندار شخص کے دل میں موجزن ایمان کی قوت کے سوا وہ کونسی قوت ہے جو خواہشات کو اعتدال میں رکھے اور اپنے معنوی اثرات کے زور پر انسان کو کج

Marfat.com

روی سے باز رکھے؟

معاشرہ کو بگاڑ سے محفوظ رکھنے اور جرائم و مظالم کے پھیلاؤ کو کم سے کم کرنے کے لئے سب سے اہم چیز لوگوں میں احساسِ ذمہ داری کا پیدا کرنا ہے۔ اور احساس ذمہ داری کا سرچشمہ ایمان ہے۔ ایمان ہی انسان کے افکار و عمل کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسلام لوگوں کے دلوں میں خدا پر ایمان پیدا کرکے اور اجتماعی و اقتصادی زندگی کی اصلاح کرکے جرائم و بے اعتدالیوں کی روک تھام کرتا ہے اور اس سلسلے میں بہترین طریقہ کار کا حامل ہے۔ یہ ایک طرف تو نیک عمل انجام دینے والوں کو بہترین جزا کی نوید سناتا ہے اور دوسری طرف ان لوگوں کو جو خواہشاتِ نفس کی زہر اثر آلودگیوں کا شکار ہو جائیں عذاب کی خبر دیتا ہے۔ اسلام کا یہی طریقہ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ لوگ نہایت ذوق و شوق سے اخلاقی کمالات کے حصول کی جانب بڑھتے ہیں اور سزا و عذاب کے ڈر سے قبیح صفات اختیار کرنے سے باز رہتے ہیں۔

عادت اور اس کے مثبت و منفی اثرات

خود عادت کے مثبت اور منفی پہلو انسانی ترقی و کمال اور اسی طرح اس کے انحراف و انحطاط میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ قوموں اور انسانی معاشروں کی قسمت بنانے یا بگاڑنے کے سلسلے میں عادت نے اہم اور موثر کردار ادا کیا ہے۔

ناگوار حوادث کا سامنا کرنے کے لئے مضبوط قوتِ ارادی کی فراہمی اور ان سے محفوظ رہنا اور انہیں ناکام بنانا' روحانی عادت کا مثبت پہلو ہے۔ اس کے

Marfat.com

برعکس منفی عادات نہایت ضرر رساں اور وسیع و ناقابلِ تلافی نقصانات کا موجب ہیں۔ پس عادت جس طرح مصائب و مشکلات کو برداشت کرنے اور ان کے منفی اثرات کو زائل کرنے کے سلسلے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اسی طرح روح کے مثبت، مفید اور مسلّم اثرات کو نابود کرنے میں بھی اس کی کارفرمائیوں کا دخل ہوتا ہے۔

منفی عادت حقیقی اقدار، مادّی و معنوی کائنات کے بہت سے اصول و قوانین اور مفید و رہنما نکات کو درک کرنے میں مانع ہے۔ اس عادت کے زیرِ اثر انسان حقائق کا بصیرت کے ساتھ مشاہدہ نہیں کرسکتا اور ان کی اہمیت کا احساس نہیں کرپاتا۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے کسی لمبی چوڑی بحث اور زبردست علمی تحقیق کی ضرورت نہیں۔ انسان صدیوں سے فطرت کے جو حیرت انگیز قوانین اور اہم ترین مظاہر اپنی لگی بندھی عادت پر چلتے رہنے کی وجہ سے دریافت نہیں کرپاتا تھا انہیں اکثر اوقات صرف ایک لمحہ کے لئے اپنی عادت کے برخلاف غور و فکر کرنے کی بناء پر دریافت کرنے میں کامیاب ہوا۔ جس کے نتیجہ میں انسانیت پر ترقی و پیش رفت کی نئی نئی راہیں کھلیں۔

ممکن ہے کبھی علم بھی روحانی موانع کی صف میں شامل ہوجائے اور اپنی قدر و قیمت سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اپنے اثرات کے لحاظ سے جہالت ہی کی مساوی سطح پر آجائے۔ اس لئے کہ منفی عادت کردار میں انحراف کا باعث ہوتی ہے اور روحانی اثرات کی پیشرفت روک دیتی ہے اور عمل کے مرحلہ میں علم کے اجراء کی ضمانت کے اثر کو زائل کردیتی ہے۔ اسی لئے بہت سے ایسے دانا

Marfat.com

ملتے ہیں جو اپنی کسی پوشیدہ خو عادت کے اسیر رہتے ہیں اور ان کا علم و دانش ان کے کردار و عمل میں نہیں جھلکتا اور نہ ہی وہ اسے دوسروں کی اصلاح اور بہبود کے لئے استعمال میں لاپاتے ہیں اور نہ ہی ایسے عوامل کی روک تھام کرتے نظر آتے ہیں جن کے ضرر سے وہ بخوبی آگاہ ہیں۔ اس تاریکی اور غفلت کا سبب وہ نفسیاتی عادت ہے جو عقل و دانش کے خلاف نبرد آزما ہونے کے نتیجے میں ان کے اندر پیدا ہو گئی ہے اور جو انسان کو روحانی کمال کی منزلیں طے کرنے سے باز رکھنے کا موجب ہے۔

بہت سے ماہرین اور طبیب اس کے باوجود کہ انہوں نے اپنے اپنے شعبوں میں کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں لیکن معنوی قوتوں کے لحاظ سے ان کا علم بے اثر رہا اور مقامِ عمل پر ان کے اعمال کی اصلاح کے میدان میں یہ علم اجراء سے محروم رہا۔

اسلامی نقطہ نظر سے تمام فضیلتوں کا انحصار علم پر نہیں ہے بلکہ علم و دانش معرفت کی بنیاد ہے' علم کمال اور روحانی ارتقاء کا ایک وسیلہ ہے' کیونکہ یہ غیر فعال اور صامت فضیلت مراحلِ کمال اور اس کے معرفتی مراتب کے بغیر از خود اس بات پر قادر نہیں کہ روحانی میدان میں موثر و فعال حالت اپنا لے۔

قرآنِ کریم بے کردار دانشوں پر ان الفاظ میں تنقید کرتا ہے کہ۔

"یا ایھاالذین امنوا لم تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عنداللہ ان تقولوا مالا تفعلون"

"اے اہلِ ایمان! آخر وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے ہو۔ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ تم وہ کہو

Marfat.com

جس پر عمل نہیں کرتے ہو۔" (سورۂ صف ۶۱۔ آیت ۲۔۳)

اسلام بُری عادتوں میں مبتلا ہونے کے احتمال سے بھی محفوظ رہنے کی خاطر ہر موقع پر غور و فکر اور عقل کے استعمال پر زور دیتا ہے۔ غور و فکر کے نتیجے میں بُری عادتوں کے خلاف ڈٹ جانے کی طاقت بڑھ جاتی ہے اور آدمی میں ثابت قدمی پیدا ہوتی ہے۔ انسان غور و فکر کے باعث بُری عادتوں کے منفی اثرات سے آگاہ ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی بصیرت میں اضافہ ہوتا ہے اور یہ غور و فکر ارادے کو قوی کرنے کے سلسلے میں ایک موثر عامل ثابت ہوتا ہے۔

دنیا میں نظر آنے والے طرح طرح کے انحرافات صحیح و منطقی طرزِ تفکر سے روگردانی کا نتیجہ ہیں۔ لوگوں کے راہِ راست سے بھٹک جانے اور گمراہی و ضلالت کی راہوں پر گامزن ہو جانے کا بنیادی سبب غور و فکر سے پہلوتہی اور اس سلسلے میں سہل انگاری ہے۔ یہیں سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے تنہائی میں غور و فکر کرنے کو عبادت سے کیوں تعبیر کیا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ساعت صحیح غور و فکر کو ستر سال کی عبادات پر ترجیح دی ہے۔

یہ طرزِ تفکر غفلت و جہالت کی جڑوں کو کاٹ دینے کے سلسلے میں بنیادی عامل ہے آدمی کی روح اور حق و حقیقت کے درمیان پڑے ہوئے پردوں کو ہٹا دینے کا سبب اور دل میں ایمانِ راسخ پیدا کر دینے کا وسیلہ ہے۔ اور اسی سے انسان بدعتوں اور غلط رسوم و رواج اپنانے سے محفوظ رہتا ہے۔

جب غور و فکر کے نتیجے میں آدمی ایک ٹھوس حقیقت دریافت کر لیتا ہے تو صحیح طرزِ تفکر کے نتیجے میں حاصل ہونے والے محکم عزم و ارادے کے بل بوتے پر وہ اپنے کردار و عمل کو کنٹرول کرتا ہے۔

Marfat.com

تفکر کے ذریعہ غیر فعال علم فعال علم میں تبدیل ہو جاتا ہے اور موثر مفاہیم و معانی کی صورت میں اسے حیاتِ نو ملتی ہے اور اس طرح اس کے اثرات نہایت بڑھ جاتے ہیں۔

ناپسندیدہ صفات یا نمایاں اخلاقی خوبیاں جو مسلسل مشق و ریاضت کے بعد انسان کے باطن میں جڑ پکڑتی ہیں' اکتسابی ہونے کے باوجود ذاتی و طبیعی صفات کی مانند پُرنفوذ ہیں۔ جب یہ مصنوعی عادات مستقل اور ثابت خلق و خو کا روپ دھار لیتی ہیں تو رفتہ رفتہ انسان کو اپنی راہ پر لے آتی ہیں۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"ردالمعتادعن عادته کالمعجز"

"کسی سے اس کی عادت ترک کروا دینا معجزہ کی مانند ہے۔"

(بحار الانوار۔ج ۱۷۔ ص ۲۱)

"مان" اپنی کتاب اصولِ نفسیات میں لکھتا ہے کہ۔

"ایسی عادات جو کسی وجہ سے پیدا ہو گئی ہوں ممکن ہے اس وجہ کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہیں۔ اس موقع پر کہنا چاہئے کہ عادت اپنے محرّک کی صورت میں ڈھل گئی ہے۔ اس بات کو ایک طرح کی خود مختاری کہا جاتا ہے۔ ان مواقع پر بجائے یہ کہ عادات انسانی احتیاجات اور رجحانات کے تابع ہو جائیں' ان سے جدا ہو کر ایک طرح کی خود مختاری حاصل کر لیتی ہیں۔

اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے ہم کچھ خاص راستے اختیار کرنا سیکھتے ہیں۔ ممکن ہے یہ خاص راہیں ہمارے اندر اس قدر پختہ ہو جائیں کہ

Marfat.com

امکان کے باوجود ہم اپنی ضروریات کو کسی اور راستے سے رفع نہ کرسکیں۔ ایسے ہی وقت کہتے ہیں کہ "اس راہ کا عادی ہو چکا ہوں"۔ عادت ہمیں ایک معیّن و مقرّر راہ پر ڈال دیتی ہے اور اسی راستے کا اسیر کردیتی ہے اور ہم نہ چاہتے ہوئے بھی اسی راہ پر گامزن رہتے ہیں اور عام طور پر اسے تَرک کرنا ایک مشکل کام بن جاتا ہے۔ اس مظہر کو عادت کی قوت کہا جاتا ہے اور عادت خود ایک ثانوی محرّک بن جاتی ہے۔

کبھی لوگ اپنی عادت بدل ڈالتے ہیں اور کبھی پیش آنے والے حوادث ان کی زندگی کو یکسر تبدیل کردیتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان نئی چیزوں کے خلاف مزاحمت کرتا ہے اور تغیّر و تبدیلی سے خوفزدہ رہتا ہے۔ وہ لوگ جو عمر رسیدہ افراد کی عادات و اطوار کو بدلنا چاہتے ہیں انہیں اس نکتہ سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔" (اصولِ روان شناسی۔ ص۱۳۹۔۱۴۰)

اسلام کی اختیار کردہ روش

عادت انسانی فطرت میں ایک نعمت کی حیثیت رکھتی ہے جو اس کی (محنت و جدوجہد) کے ایک بڑے حصّے کو ایجاد و تخلیق کی راہوں پر لگادیتی ہے۔ لیکن اس عظمت کے باوجود جس کی یہ حامل ہے اگر یہ کامل آگاہی کے ساتھ نہ ہو اور محض ایک گمراہ کن اور فریبی کشش کی صورت اختیار کرلے تو روح کی تباہی و بربادی کا سبب بن جاتی ہے۔

جب اسلام کا سورج دنیائے جاہلیت پر طلوع ہوا تو اس وقت کا معاشرہ ایسی ضرر رساں عادات و اطوار میں مبتلا تھا جن میں کوئی ایک بھی کسی ملّت کے زوال و تباہی کے لئے کافی ہے۔

اس تاریک زمانہ میں کہ جب انسانی شعور ناروا عادات اور بُری خصلتوں کے اثرات سے مسخ ہوگیا تھا' اسلام نے ایک عظیم انقلاب برپا کیا جو ہر لحاظ سے دلچسپ اور اپنی نوع کے اعتبار سے بے مثال تھا۔ اس انقلاب نے غفلت زدہ اور خواب آلودہ معاشرہ کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا اور لوگوں کو غلط عادات و رسوم اور عقل و ضمیر کے خلاف رائج بدعتوں کو ترک کرنے پر آمادہ کیا۔

وہ معاشرہ جو طرح طرح کی توہّمات اور جاہلانہ طور طریقوں میں بُری طرح گھرا ہوا تھا پیغمبرِ اسلامؐ کی گرانقدر تعلیمات کے نتیجے میں بے بنیاد طور طریقوں اور فساد زدہ ماحول کی قید سے آزاد ہوگیا۔ اس نے اپنے اسلاف کی تمام لغو رسومات کو ترک کردیا اور ان رسومات کے پنجہ سے رہائی کے بعد ایسی نئی راہ و رسم اختیار کی جو سعادت و نیک بختی کی ضامن تھی۔

عالی قدر رہبرِ اسلامؐ کے شیوۂ تبلیغ نے اپنی سادہ زبانی کے ذریعہ روحوں پر پڑے ہوئے پردوں کو اٹھا دیا۔ انسانیت غلط رسوم' رواج کی قید میں تھی' لوگوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور ان بُری عادتوں نے ان کے باطنی حواس اور ان کی عقل و بصیرت کو مسخ کردیا تھا' کمال کی راہ میں بہت سی رکاوٹیں ان کے سامنے حائل تھیں۔ آنحضرتؐ نے مشاہدات اور لوگوں کو محسوس ہونے والے معاملات ہی سے کچھ دلائل اخذ کرکے لوگوں کی توجہات حقیقت کی جانب موڑ دیں جس کے نتیجے میں عمومی افکار میں ہلچل مچ گئی' گہری نیند سوئی ہوئی فکریں

بیدار ہوگئیں' آنحضرتؐ کے پیش کئے ہوئے ٹھوس دلائل نے لوگوں کو اپنی جانب مائل کرلیا اور لوگ حقائق اور عقلی طور پر مسلّمہ باتوں کو درک اور محسوس کرنے لگے اور مزید حقائق کشف کرنے کی راہ پر گامزن ہوگئے۔

بالآخر اس عظیم اور تاریخی انقلاب کے ذریعہ معاشرہ کے دامن سے توہّمات اور خرافات کے شرمناک داغ مٹ گئے اور انسان ضلالت و جہالت سے نجات پاگیا۔

اس تاریک دور میں ضرر رساں بدعتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کوئی ایسا موثر عامل نظر نہیں آتا تھا جو توہّمات کے اس سلسلہ کو ختم کرے اور لوگوں کی عقل و بصیرت کو بیدار کرکے انہیں موجودہ طور طریقوں سے آگے دیکھنے اور سوچنے پر آمادہ کرے اور انسان کی عقل و بصیرت کو حقائق سے منسلک کرے۔

اسلام نے سعادت مند اور خوش بخت معاشرہ وجود میں لانے سے قبل ایک خاص طریقہ ٔکار اپنایا۔ اس نے سب سے پہلے ہر قسم کی عادات کو خواہ ان کا تعلق عقیدے اور فکر سے ہو یا وہ عمل و کردار سے متعلق ہوں ختم کیا اور ان میں سے ہر ایک کے خلاف اس کے خطرات کے تناسب سے اقدامات بروئے کار لایا۔ مثلاً شرک اور غیر خدا سے وابستگی کی مختلف انواع پر کاری اور شدید ضرب لگائی۔ اور ایسی ناپسندیدہ عادات جو افکار و ادراک پر تسلط کے ساتھ ساتھ اقتصادی حالات سے بھی مربوط تھیں جیسے غلامی' سود خوری' شراب نوشی وغیرہ---- ان کو تدریجاً ختم کیا اور اس سلسلہ میں مرحلہ وار اقدامات اٹھائے۔ اس طرح لوگ خود اپنے نفس کے مالک ہوگئے اور تزکیہ ٔنفس اور نفسانی ارتقاء کے لئے ماحول سازگار ہوگیا۔ اور یہی وہ طریقہ ہے جو کسی معاشرہ

Marfat.com

کے افراد کی تعمیر کی بہترین اور ثمر بخش ترین روش ہے۔

معروف فرانسیسی دانشور پروفیسر "کارل" لکھتا ہے کہ۔

"ہمیں ہر چیز سے قبل ان موانع کو دور کرنا ہو گا جو ہماری روحانی و نفسیاتی نشوونما کی راہ میں حائل ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم ارتقاء کے سفر کا آغاز کریں' ہمیں ان عادات و عیوب کو ترک کرنا ہو گا جو روحانی ارتقاء کو مفلوج کرتے ہیں۔

جب یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں تو کیا کیا جائے؟ اس کے بعد روحانی ارتقاء کا زندگی کے طبیعی رجحانات کے مطابق آغاز کرنا چاہئے۔

آدمی اس حیرت انگیز امتیاز کا حامل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے شعور کی مدد سے اپنی روح کی تعمیر کر سکتا ہے۔ اس کے لئے ایک خاص تیکنک کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی حیات کی تنظیم کا طریقہ سیکھ سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک ایسا شخص جو اپنی ذات پر اختیار رکھتا ہو ایک ہوائی جہاز کو چلانا سیکھ سکتا ہے۔

روحانی ارتقاء کے لئے دانشمند یا ہوشمند ہونا ضروری نہیں' صرف یہ کافی ہے کہ وہ اس ارتقاء کا خواہشمند ہو۔ بے شک کوئی اس راہ کو تنہا طے کرنے پر قدرت نہیں رکھتا اور ہر انسان اپنی زندگی میں دوسروں کی رہنمائی و نصیحت کا محتاج ہے۔ لیکن اپنے فکر و جذبات (جو اس کی شخصیت کا جوہر ہیں) کی فعالیت کی تنظیم و پرورش کے لئے کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔

اوّلین اصول عقلانی قوتوں کی پرورش نہیں بلکہ اپنے اندر جذبات و

Marfat.com

احساسات کے تار و پود کی بنیاد رکھتا ہے جو دوسرے تمام روحانی عوامل کی تکیہ گاہ ہے۔ حسِ اخلاق کی ضرورت حسِ بصارت و سماعت سے کم نہیں۔" (راہ و رسمِ زندگی۔ ص۹۹۔۹۸)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"غالبوا انفسکم علی ترک المعاصی' یسھل لکم مقادتھا الی الطاعات"

"گناہوں اور آلودگیوں کو ترک کرنے کی ابتداء اپنے نفس پر غلبہ سے کرو۔ اس کے بعد ہی تم آسانی سے اپنے نفس کو اللہ کی بندگی و فرمانبرداری کی طرف لے جاسکو گے۔" (غرر الحکم۔ ص۵۰۸)

"غالبوا انفسکم علی ترک العادات و جاھدوا اھوائکم تملکوھا"

"ترکِ عادات کے ذریعہ اپنے نفس پر مُسلّط ہو جاؤ' اپنی ہوا و ہوس سے مقابلہ کرو یہاں تک کہ یہ تمہارے طاقت و ارادے کے زیرِ تسلّط آجائیں۔" (غرر الحکم۔ ص۵۰۸)

اسلام انسانی نفس کی تربیت اور اپنے سعادت بخش پروگرام کے اجراء کے لئے عادت کو ایک موثر وسیلہ کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ اور جب لوگوں کے قلوب اور اللہ کے درمیان ایک زندہ وسیلہ پیدا ہو جاتا ہے اور نیکی و فضیلت کا بیج ان کی سرشت میں پڑ جاتا ہے تو اسے عادت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

تمام مذہبی عادات باطنی خواہش و رغبت اور درونِ ذات سے پھوٹتی ہیں۔ پھر یہی قلبی میلان واضح خصوصیات کے حامل ایک معیّن و عملی کردار میں بدل

جاتا ہے جو بتدریج ایک شعوری اور کمالِ ادراک کی حامل عادت کی صورت میں ڈھل جاتا ہے۔ اس کے باوجود یہ تغیّر و انقلاب انسان پر طاقت فرسا اور ناقابلِ برداشت دباؤ نہیں ڈالتا۔

بچپن کی عادتیں

اسلام بچّوں میں عبادات کی انجام دہی' انسانی فضائل کے حصول اور گناہ کی آلودگیوں سے دور رکھنے کی عادات پیدا کرنے کی جو تاکید کرتا ہے وہ ان کی روح میں ایمان کے استحکام کا ایک طاقتور عامل ہے۔ اس عمل کے ذریعہ انہیں ان کی آئندہ زندگی میں معاشرہ و ماحول کے ضرر رساں اثرات سے محفوظ رکھا جاسکتا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔

"مروا صبیانکم بالصلوۃ اذا بلغوا سبعاً"

"جب تمہارا بچّہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائے تو اسے نماز کی تاکید کرو۔" (مستدرک۔ج ا۔ص ۱۷۱)

امام زین العابدین علیہ السلام اپنے بچّوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"اتقوا الکذب الصغیر منہ والکبیر فی کل جد و ھزل فان الرجل اذا کذب فی الصغیر اجترأ علی الکبیر"

"جھوٹ سے پرہیز کرو خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا' سنجیدگی سے بولا جائے یا مذاق سے۔ اس لئے کہ آدمی جب چھوٹا جھوٹ بولتا ہے تو اس میں

Marfat.com

بڑا جھوٹ بولنے کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔"

(وسائل الشیعہ۔ج ۳۔ص ۲۳۲)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"بادروا اولادکم بالحدیث قبل ان یسبقکم الیھم المرجئہ"

"جتنا جلد ہو سکے اپنے بچّوں کو مذہب سے آشنا کرو اس سے پہلے کہ مخالفین تم پر سبقت لے جائیں اور انہیں خلافِ حق باتوں کی تعلیم دینے لگیں۔" (کافی۔ج ٦۔ص ۴٧)

" برٹرینڈ رسل" کہتا ہے کہ۔

"ایامِ طفلی میں کسی بھی قسم کی بُری عادت کا اپنا لینا اچھی عادت کے حصول میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بچپنے میں عادات پیدا کرنا اس قدر اہم شمار کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر ابتدأ پیدا کردہ عادات نیک ہوں تو آئندہ زندگی میں بہت زیادہ شوق دلانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ انسان بچپن میں جو عادات اختیار کرلیتا ہے بعد کی زندگی میں اس کی خواہشات و میلانات بھی اسی مانند ہو جاتے ہیں اور اسی تناسب سے موثر و مُسلّط ہوتے ہیں۔ اور ان ابتدائی عادات کے منافی جو عادات بعد میں کسب کی جاتی ہیں ان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ اس قدر تاثیر و تسلّط پا سکیں۔ لہٰذا ابتدائی عادات کے موضوع پر مکمل توجہ دی جانی چاہئے۔" (در تربیت۔ص ۵۸)

دوسرا باب

عقل و ضمیر دو سعادت بخش سرمائے

انسان کا سب سے بڑا امتیاز ۶۸
عقل کی حدود ۷۲
کیا ضمیر دبی ہوئی خواہشات کا نام ہے؟ ۸۰
ضمیر کی قلم رو ۸۴
قرآن اور ندائے فطرت ۸۶
عقل و ضمیر کا سہارا ۹۷
بے بُنیاد دلیلیں ۱۰۱

انسان کا سب سے بڑا امتیاز

انسانی فطرت میں گوناگوں تمایلات و میلانات کے بیج پڑے ہوتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک اس کی سعادت و ترقی اور اوجِ کمال کی جانب سفر میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

انسانی حیات کے پہیوں کو حرکت میں لانے والا سب سے بڑا محرّک یہی فطری تمایلات ہیں۔

جب تک انسان زندہ رہتا ہے اس کے دل میں نئی نئی خواہشات جنم لیتی رہتی ہیں۔ اس کی مسلسل و پے در پے کوششوں کا مقصد انہی خواہشات کی تکمیل ہوتا ہے۔ جوں ہی اس کی ایک خواہش پوری ہوتی ہے فوراً دوسری خواہش سر ابھار لیتی ہے اور اس میں حرکت و جنبش کی روح ایجاد کر کے ایک نئی سمت میں جدوجہد پر لگا دیتی ہے۔

بشر طبیعی و فطری ہدایت کے ذریعہ سے اپنی خوش بختی کی راہ پہچاننے اور اس پر گامزن ہونے سے قاصر ہے۔ جبکہ حیوان ہدایتِ تکوینی کے ذریعہ اپنے کمال کی راہیں طے کرتا ہے۔ اپنے مناسب کمال تک پہنچنے کے لئے حیوان کی تکیہ گاہ اس کا غریزہ ہے جس کی مدد سے وہ اپنی زندگی کو نظم و ضبط عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

ہر گروہ کے وظائف و فرائض کی حدود قانونِ غریزہ کی بنیاد پر معیّن کی گئی ہیں۔ لہٰذا وہ اپنی زندگی کی راہ و روش جاننے کے لئے تعلیم و تربیت سے بے نیاز ہے۔

لیکن حیوان کی مانند انسان کی رہبری و رہنمائی اور اسے زوال و انحراف سے محفوظ رکھنا غریزہ کے بس کی بات نہیں۔ بلکہ انسان کی اوّلین رہنما جو اسے حیوانات کی صف سے جدا کرتی ہے وہ عقل و خرد ہے۔ اور یہی اسے زندگی کی راہ دکھاتی ہے۔ تعقل و تفکر کے ذریعہ راہِ سعادت کی تشخیص کی جاسکتی ہے اور حصولِ کمال کے لئے خوش بختی و سعادت کی راہ پر مضبوط قدموں سے آگے بڑھا جاسکتا ہے۔

کاروانِ بشرّیت عقل و فکر کے سائے میں مسلسل کمال کی جانب گامزن ہے اور عقل کی مدد سے زندگی کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو دور کرنے میں مصروف ہے اور ہر روز میدانِ کار زار میں مشکلات کے مورچے فتح کر رہا ہے۔

انسانی نفس کی وسعتوں میں ہمیشہ حرص و ہوس اور عقل و خرد کے مابین جنگ جاری ہے اور پیہم یہ مخالف قوتیں ایک دوسرے کو مغلوب کرنے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ معنوی قوتوں سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے اور ان کے نقصانات سے محفوظ رہنے کی غرض سے ہمیں خواہشات کی لگام عقل کے ہاتھوں میں دے دینی چاہئے اور اپنی تمام غرائز اور معنوی قوتوں کو عقل کی مکمل اطاعت کا خوگر بنانا چاہئے۔

تعقل و تفکر کا عظیم سرمایہ ہمیں حقیقی خطرات سے آگاہ کرتا ہے اور معنوی

Marfat.com

صلاحیتوں سے استفادہ کا صحیح طریقہ سکھا کر زندگی کو نظم و ضبط بخشتا ہے۔

البتہ خواہشات کا پیمانہ ہر عمر میں یکساں نہیں رہتا بلکہ تمایلات و غرائز زندگی کے مختلف ادوار اور گوناگوں حالات میں کاملاً متفاوت ہوتے ہیں۔

جیساکہ ممکن ہے انسان عقل اور مضبوط قوتِ ارادی کے زیرِ سایہ اپنی سعادت کی بنیاد تلاش کر لے اور اپنے داخلی دشمن کو روح پر مسلط ہونے کا موقع فراہم نہ ہونے دے۔ لیکن ممکن ہے غرائز کی تُند و تیز موجوں کے مقابل گھٹنے ٹیک دے اور فساد و تباہی کے خوفناک سیاہ گرداب میں جا پھنسے۔ لہٰذا اگر انسان حصولِ سعادت کا مشتاق ہے تو اسے چاہئے کہ فریبی خواہشات سے محفوظ رہنے کے واسطے روح کے لئے ایک محکم زرہ تیار کرے۔ نئے سرے سے اپنی راہ و روش کا تعین کرے اور جان لے کہ یہ پُر پیچ و خم راستہ اسے کہاں پہنچائے گا تاکہ اپنی فکر کو نظم و ضبط میں لا کے بہارِ زندگی کو تقویٰ و فضیلت کے سایہ میں گزار سکے۔ کیوں کہ فداکاری و سَرسُپردگی جو ضروریاتِ زندگی میں سے ہے اس کے بغیر پاکیزہ اور پر افتخار زندگی بسر کرنا ممکن نہیں۔

جو شخص اپنی عقلانی زندگی کی ابتداء ہی سے فضیلت و انسانیت کے اصولوں پر خاص توجہ مرکوز رکھتا ہے اور پستیوں سے پرہیز کی عادت اپنا لیتا ہے اس کی روحانی صلاحیتیں بہترین طریقے سے پروان چڑھتی ہیں۔ اور اس کے لئے آئندہ زندگی میں یہ روش جاری رکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسی روش پر چلتے ہوئے وہ جوانی کی سرحد عبور کر جائے تو پھر اس کے انحراف کا خطرہ بڑی حد تک کم رہ جاتا ہے۔ اور ایسا انسان ایک حد تک مفاسد سے محفوظ و مصئون ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

باطنی خواہشات کو بآسانی اور بغیر کسی محدودیت کے قبول کرتے چلے جانے سے نا صرف یہ کہ انسانی شخصیت میں ناپسند و ناگوار آثار باقی رہ جاتے ہیں بلکہ یہ اثرات معاشرتی تزلزل و اضمحلال پر منتج ہوتے ہیں۔ لہٰذا سعادت و خوش بختی کے حصول اور سماجی نظام کی بقاء کے لئے اپنی بعض خواہشات سے چشم پوشی برتنا ضروری ہے۔

پروفیسر "کارل" کہتا ہے کہ :

"ہم نے ابھی تک یہ نہیں سیکھا ہے کہ جس طرح ہم فزکس کے قوانین اور کششِ ثقل کے نظریہ کی اطاعت کرتے ہیں اسی طرح زندگی کے قوانین کے سامنے بھی سرِ تسلیم خم کرلیں۔ آج آزادیٔ انسان اور طبیعی قوانین کے مابین جنگ جاری ہے۔ انسان مطلق خودمختاری کا خواہاں ہے لیکن اس کے باوجود وہ بغیر کسی خطرے کے ممنوعہ مقامات سے باہر اپنی آزادی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

آزادی بھی ڈائنامائیٹ کی مانند ایک موثر لیکن خطرناک ذریعہ ہے جس کو چھونے سے پہلے اس کے استعمال کا طریقہ جاننا ضروری ہے۔ وہی شخص ڈائنامائٹ سے استفادہ کر سکتا ہے جو صاحبِ عقل اور ارادہ کا حامل ہو۔ یہی صورت آزادی کی بھی ہے۔ فطری قوانین کی پیروی کے لئے ضروری ہے کہ ارادے کی آزادی محدود رہے۔ معنوی نظم و ضبط کے بغیر زندگی میں کامیابی کا حصول ممکن نہیں۔

انسانی آزادی اور قوانینِ طبیعی کی پابندیوں کے درمیان پایا جانے والا تضاد تزکیہ نفس کے سلسلے میں مشق و ریاضت کی تائید کرتا ہے تاکہ

Marfat.com

خود کو اور اپنے بعد رہ جانے والوں کو خطرات سے محفوظ رکھ سکے۔ اپنی بہت سی تمناؤں اور خواہشات کے خلاف ڈٹ جانا چاہیے' فداکاری اور قربانی کے بغیر نظامِ کائنات سے توافق ممکن نہیں۔ ایثار خود زندگی کا ایک قانون ہے۔ اپنی بعض تمناؤں سے چشم پوشی کے ذریعہ ہی سلامتی و توانائی کا حصول ممکن ہے۔ فداکاری و قربانی کے بغیر عظمت و جمال و تقدس کا کوئی وجود نہیں۔

ہر شخص کو ایثار گر ہونا چاہیے کیوں کہ فداکاری و ایثار انسانی حیات کی ضروریات میں سے ہے۔ جب ہمارے اسلاف میں غریزہ کی جگہ آزاد عقل نے لی تو یہ ضرورت خود بخود ابھر کر سامنے آئی۔ انسان نے جب بھی اپنی آزادی سے استفادہ کیا ہے' طبیعی قوانین کو پامال کیا ہے اور سخت نتائج بھگتے ہیں۔" (راہ و رسمِ زندگی۔ ص۳۸۔۳۹)

عقل کی حدود

عقل ان عظیم نعمات میں سے ہے جن سے خدا نے انسان کو سرفراز فرمایا ہے۔

"قل ھوالذی انشا کم وجعل لکم السمع والابصار والافئدة قلیلا ماتشکرون"

"آپ کہہ دیجئے کہ خدا ہی نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی نے تمہارے لئے کان' آنکھ اور دل قرار دیئے ہیں۔ مگر تم میں سے بہت کم لوگ شکریہ ادا کرنے والے ہیں۔" (سورۂ ملک ۶۷۔ آیت ۲۳)

Marfat.com

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے :

"افضل حظ الرجل عقله ان ذل اعزه و ان سقط رفعه وان ضل ارشده وان تكلم سدده"

"آدمی کا افضل ترین سرمایہ اس کی عقل ہے' کیونکہ اگر وہ ذلّت سے دوچار ہوتا ہے تو عقل اسے عزت دلاتی ہے۔ اگر وہ گرنے لگتا ہے تو عقل اسے سنبھال لیتی ہے۔ اگر وہ گمراہ ہونے لگتا ہے تو عقل اسے راہِ راست کی ہدایت کرتی ہے اور اگر وہ کوئی بات کرتا ہے تو عقل اس بات کو ٹھوس بنا دیتی ہے۔" (غرر الحکم۔ ص ۲۱۲)

اسلام نے عقل کو باطنی حجّت قرار دیا ہے۔ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کا ارشاد ہے :

"ان لله على الناس حجتين حجة ظاهرة وحجة باطنة' فاء ما الظاهرة فالرسل والانبياء والائمة واما الباطنة فالعقول"۔

"خداوندِ عالم نے ہدایتِ بشر کے لئے دو راہنما قرار دیئے ہیں۔ ایک آشکار اور دوسرا پنہاں' خدا کی آشکارا حجّت انبیاء و اولیائے کرام ہیں اور باطنی حجّت عقل ہے۔" (اصولِ کافی۔ ج ۱۔ ص ۱۶)

کیونکہ تمام لوگوں کی عقلی استعداد یکساں نہیں ہوتی' مختلف لوگوں کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مختلف ہوتی ہے۔ اسی لئے روزِ قیامت ہر فرد سے اس کی عقل و فہم کے مطابق باز پرس ہوگی۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں :

Marfat.com

"انمایداق اللہ العباد فی الحساب یوم القیامۃ علی قدر ما اتاھم من العقول فی الدنیا"

"قیامت کے روز خداوندِ عالم اپنے ہر بندے سے اس کی عقل و خرد کے مطابق حساب لے گا۔" (اصولِ کافی' کتاب عقل و جہل)

عقل کے کرشموں نے دورِ حاضر کے انسان کی آنکھوں کو چکاچوند کر دیا ہے' وہ محض عقل کا شیفتہ و فریفتہ ہو گیا ہے۔ علمی انکشافات ہی کو اس نے زندگی کا ہدفِ نہائی سمجھ لیا ہے۔

اس طرزِ فکر کے نتیجے میں انسان نے عقل اور انسانی حیات میں اس کے کردار پر ناقابلِ تلافی ضرب لگائی ہے۔ یہ فریفتگی اس بات کا سبب بنی کہ انسان غیر محسوس امور اور مبداء ہستی سے براہِ راست پیوستہ استعداد و توانائیوں سے چشم پوشی برتنے لگا۔ اگر مغرور انسان کی نظر دور تر اور وسیع تر افق پر ہوتی اور وہ وسیع پھیلے ہوئے غیر محسوس میدانوں میں قدم بڑھاتا تو ہرگز محض عقل کی جلوہ آرائیوں پر اکتفا نہ کرتا۔ اسلام عقل کی حدود' حقیقی قدر و قیمت اور اس کے میدانِ عمل سے کاملاً آگاہ ہے اور اسی آگاہی کے مطابق اس کی پرورش و ہدایت کرتا ہے تاکہ انسان ہستی کے حقائق کو دقتِ نظر سے دیکھے۔

قرآنِ کریم عقل کو حکم دیتا ہے کہ جب تک کوئی چیز یقینی طور پر اس کے لئے ثابت نہ ہو' اس کی پیروی نہ کرے اور جب تک قطعی دلائل ہاتھ نہ آجائیں کسی چیز کو قبول کرنے سے احتراز کرے۔

"ولا تقف ما لیس لک بہ علم ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک کان عنہ مسؤلا"

"اور جس چیز کے بارے میں تمہیں علم و یقین نہ ہو اس پر بھروسہ نہ کرنا کہ روزِ قیامت سماعت' بصارت اور قوتِ قلب سب کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔" (سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۶)

آیتِ کریمہ کی تصریح ہر موضوع کو قبول کرنے کے لئے کافی و وافی تحقیق کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔ اور اسی طرح ایسے افراد کی کجی پر اشارہ کرتی ہے جن کا علم' یقین پر استوار نہیں ہوتا اور وہ محض ظن و گمان کی پیروی کرتے ہیں۔ پھر تاکید ہے کہ۔

"ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا"

"یہ صرف وہم و گمان کے پیچھے چلے جارہے ہیں اور گمان حق و حقیقت کی پہچان کے سلسلے میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا ہے۔" (سورۂ نجم ۵۳۔ آیت ۲۸)

پھر محکم دلائل کے ذریعہ ایسی فکری بنیادوں کو جو اندھی تقلید پر رکھی گئی ہیں' منہدم کرتے ہوئے فاقد العقل مقلدین کو خبردار کرتا ہے کہ آباؤاجداد کی بے دلیل اور اندھی تقلید سراسر گمراہی ہے۔

"قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولو کان اباوھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون" (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۱۷۰)

"کہتے ہیں کہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ کیا یہ ایسا ہی کریں گے چاہے ان کے باپ دادا بے عقل ہی رہے ہوں اور ہدایت یافتہ نہ رہے ہوں۔"

Marfat.com

یہ ہدایت و رہنمائی محققانہ طرزِ تفکر اور عقل کے صحیح استعمال کی تلقین اور ظن و گمان کو مسترد کرنے کے لئے ہے۔ اور اس طرح قرآنِ کریم عقل کو تدبر و تعقل اور گہری سوچ بچار کی ترغیب دیتا ہے تاکہ مختلف قوتوں اور افکار و نظریات کو عقل اپنے کنٹرول میں لے لے۔

اسلام جس قسم کے تفکر و تعقل' غور و فکر کی دعوت دیتا ہے وہ محض اپنی خام خیالی کے محور پر سوچنا اور محسوس حقیقتوں سے بے خبر رہتے ہوئے (ان ہی خیالات کو) فلسفی اندازِ فکر کا نام دینا نہیں۔ قرآنِ کریم تخلیق کے بارے میں آیات بیان کرتے ہوئے انسانی عقل کو بیدار کرتا ہے تاکہ انسان اپنی شعوری قوتوں کو کائنات میں حقِ تعالیٰ کی عظمت و حکمت کی نشانیوں پر گہرے غور و فکر کے لئے کام میں لائے۔ اپنی خام خیالیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے آزاد فکر کے ساتھ حقائق کو درک کرے اور اوہام و خرافات کے تاریک جنگلوں میں سرگرداں و پریشاں نہ ہو جائے۔ اور بالآخر اس کے حواس و ادراک ایک ایسی روحِ حق سے پیوست ہو جائیں جو پوری ہستی میں جاری ہے اور یہ عقل کی اعلیٰ ترین فضیلت ہے۔

یورپی فلسفی "اسپنوزا" کہتا ہے :

"ہمارا ذہن جس اعلیٰ ترین وجود کو سمجھنے پر قادر ہے' وہ خدا ہے یعنی ایک مطلق لامتناہی وجود' کہ جس کے بغیر نہ تو کوئی چیز ہو سکتی ہے اور نہ تصور میں آسکتی ہے۔ لہٰذا جو چیز خاص طور پر ذہن کے لئے سود مند ہے۔ یا یہ کہ جو چیز ذہن کے لئے عظیم ترین اچھائی ہے وہ وجودِ باری

Marfat.com

تعالیٰ کا علم ہے۔ نیز فکر جہاں تک سمجھتی ہے عمل کرتی ہے اور اس حد تک یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ اس نے فضیلت کے مطابق عمل کیا ہے۔ بنا برایں ذہن کی فضیلت یہی سمجھنا ہے۔ لیکن والا ترین امر جس تک ذہن پہنچ سکتا ہے جیساکہ اس سے قبل ثابت کیا "خدا" ہے۔ پس فکر کی عالی ترین فضیلت خداوندِ تعالیٰ کو جاننا یا اس کی شناخت ہے۔" (فلسفۂ نظری۔ ص ۹۷)

تفکر و تعقل کا مقصد' انسانی قلب کی اصلاح اور حق و عدالت کے اصولوں پر زندگی کی بنیاد رکھنا ہے۔ جب انسان غور و فکر کے بعد کسی نکتہ تک پہنچتا ہے اور اس سلسلہ میں گہری آگاہی کا حامل ہو جاتا ہے تو اسے چاہئے کہ اس علم کو عمل میں لائے اور اپنی عملی اور خارجی زندگی میں اس سے استفادہ کرے۔ ضروری ہے کہ یہ بڑھتا ہوا ایمان کُلّی طور پر اعمال و افکار کو اپنے حصار میں لے لے اور کامیابی کے لئے ہر اُس بیہودہ امر سے مقابلہ کرے جو انسانی اقدار کو تباہ و برباد کرنے کا باعث ہے۔

اس کے باوجود کہ عقل خود تشخیص کا سب سے بڑا منبع اور بہترین رہنما ہے لیکن کدورتوں کے غبار سے دھندلا بھی جاتی ہے' جب ہوا و ہوس عقل پر گہرے پردوں کی مانند کھنچ جاتے ہیں اور اس کی تابناکی میں رکاوٹ بن جاتے ہیں تو یہ عملی طور پر اپنی رہنمائی کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔ قرآنِ کریم ہوا و ہوس کے گمراہ کن کردار کے بارے میں یوں فرماتا ہے۔

Marfat.com

"فان لم یستجیبوا لک فاعلم انما یتبعون اھوائھم ومن اضل ممن اتبع ھوٰیہ بغیر ھدی من اللّٰہ ان اللّٰہ لا یھدی القوم الظالمین"

"اگر انہوں نے آپ کی دعوت کا مثبت جواب نہ دیا تو جان لیجئے کہ یہ لوگ اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرنے والے ہیں اور اس سے زیادہ گمراہ اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشات کی پیروی کرے۔ بے شک خدا ظالموں کی ہدایت نہیں کرتا۔" (سورۂ قصص ۲۸۔ آیت ۵۰)

"بل اتبع الذین ظلموا اھواءھم بغیر علم"

"حقیقت یہ ہے کہ ظالموں نے بغیر جانے بوجھے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا ہے۔" (سورۂ روم ۳۰۔ آیت ۲۹)

"ولو اتبع الحق اھواء ھم لفسدت السماوات والارض ومن فیھن"

"اگر حق ان لوگوں کی خواہشات کے تابع ہو جاتا تو بے شک زمین اور آسمان اور جو کچھ اس کے درمیان ہے تباہ ہو جاتا۔"

(سورۂ مومنون ۲۳۔ آیت ۷۱)

"افرءیت من اتخذ الھہ ھوٰیہ واضلہ اللہ علی علم"

"کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش ہی کو خدا بنا لیا ہے اور خدا نے اسی حالت کو دیکھ کر اسے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے۔" (سورۂ جاثیہ ۴۵۔ آیت ۲۳)

بے شک نفسانی خواہشات کو لگام دینا اور ان پر اپنا تسلط برقرار رکھنا بہت سخت اور دشوار کام ہے۔ احساسات کی تند و تیز موجوں اور سرکشی کو مسلسل ضبطِ نفس اور پیہم کوشش کے ذریعہ ہی قابو کیا جاسکتا ہے اور ان کو عقل کے تابع بنایا جاسکتا ہے۔ یہی وہ راہ ہے جسے اختیار کرکے نفسانی خواہشات اور رجحانات اعتدال کی راہ پر لگائے جاسکتے ہیں۔ اور اسی طرح ان سے صحیح اور مناسب طریقے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت رسولِ مقبولؐ میدانِ جنگ سے پلٹنے والے مجاہدوں سے فرماتے ہیں۔

"مرحبا بقوم قضوا الجهاد الاصغر وبقى عليهم الجهاد الاكبر، قيل يا رسول الله وما الجهاد الاكبر، قال جهاد النفس"

"آفرین ہو ان مجاہدین پر جنھوں نے چھوٹے جہاد سے فراغت پالی، اب ان کے ذمّہ جہادِ اکبر باقی ہے۔ پوچھا گیا یا رسول اللہؐ! جہادِ اکبر کیا ہے؟

فرمایا! نفس کے خلاف جہاد۔" (معانی الاخبار۔ ص۱۶)

وہی شخص قرب و جوارِ رحمتِ حق حاصل کر پاتا ہے جو اپنی سرکش خواہشات کو کنٹرول کرلے اور ہوائے نفس کو عقل پر مسلط نہ ہونے دے اور اسے ناپاکی و انحراف کی راہ سے پرے رکھے۔

"واما من خاف مقام ربه ونهى النفس عن الهوى فان الجنة هى الماوى"

Marfat.com

"اور جو کوئی خدا کے مقامِ ربوبیت سے ڈرے اور خواہشاتِ نفس کی پیروی سے اجتناب برتے تو یقیناً اس کا ٹھکانہ جنت ہے۔"

(سورۂ نازعات ۷۹ - آیت ۴۰-۴۱)

کیا ضمیر دبی ہوئی خواہشات کا نام ہے؟

تمایلات و نفسانی خواہشات کو حدِّ اعتدال میں رکھنے کا ایک بڑا عامل ضمیر ہے۔ اس اوّل روز سے جبکہ انسان نے خاک کی اس وادی (زمین) پر قدم رکھا اور اپنی زندگی کا آغاز کیا آج تک کہ جس کے درمیان برسہا برس کا طولانی زمانہ پایا جاتا ہے' انسان ہمیشہ ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اچھائی اور خوبی کی جانب مائل اور بُرائی و بدی سے متنفر رہا ہے۔ اور سفرِ حیات میں عقل و ضمیر دوش بدوش' قدم بقدم رہے ہیں۔

جب انسان خار اور گُل میں تمیز کر لیتا ہے' ایک کو پرے پھینکتا اور دوسرے کی خوشبو سے مشامِ جان معطر کرتا ہے' جب پاکی و ناپاکی میں فرق کا قائل ہو جاتا ہے تو یقیناً خُوبی اور بَدی کے معاملہ میں بھی خطا کا شکار نہیں ہوتا۔

ضمیر کی خصوصیات جہانِ خلقت کے دلچسپ ترین مظاہر میں سے ہیں۔ معتدل روح کا حامل انسان عدل و امانت سے شادمانی اور خیانت و ظلم سے ناگواری محسوس کرتا ہے۔

گو عقل حقیقت کے ادراک کے سلسلے میں ایک خاص امتیاز کی حامل ہے پھر بھی کسی چیز کے بارے میں ضمیر کا یقین عقل کے یقین سے زیادہ واضح اور موثر ہوتا ہے۔ اس لئے کہ وہ موضوعات جنہیں انسان اپنے وجود کے باہر سے

درک کرتا ہے وہ اس کے ذہن کے آئینے پر منعکس ہو کر عقل کے وسیلے سے یقین میں ڈھلتے ہیں۔ اور وہ بخوبی جانتا ہے کہ یہ موضوع ایک جداگانہ حقیقت اور ذہن سے باہر ایک چیز ہے۔ حالانکہ یہی یقین جب ضمیر کے وسیلے سے پیدا ہوتا ہے تو اس کی منزل مشاہدے اور دیکھنے کی حدود سے بالا تر ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگر یوں کہیں تو بے جا نہ ہو گا کہ انسان اس موضوع کو خود اپنے وجود کا حصّہ تصور کرنے لگتا ہے۔

فرائڈ اور اس کے ہم خیال دانشور اور نفسیات کے بعض ماہرین ضمیر کے فطری ہونے کے منکر ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ سماجی پابندیوں اور زندگی کے دوران دبی ہوئی خواہشات جو انسان کے باطن میں اکٹھی ہو جاتی ہیں انہیں ضمیر کا نام دے دیا گیا ہے۔ وگرنہ انسانی روح میں اس کی کوئی گہری بنیاد نہیں پائی جاتی۔

فرائڈ نے نفسیات پر اپنی گوناگوں تحقیقات کے ضمن میں جنسی مسائل کا زیادہ تجزیہ کیا ہے۔ اس نے ان دوسرے باطنی عوامل پر توجہ نہیں دی ہے جو اچھے اور برُے اعمال کا سبب بنتے ہیں۔

آج تک دنیا میں کوئی ایسی قوم دریافت نہیں ہوئی ہے جو خیانت' وعدہ خلافی' پیمان شکنی اور ظلم و ستم کو شرافت و پاکیزگی قرار دیتی ہو اور امانتداری' عہد و پیمان کی وفا اور عدل و انصاف کو ناشائستہ سمجھتی ہو۔ اور جس کے نزدیک اعمالِ بد اور برُے اخلاق مایۂ سعادت و خوش بختی ہوں۔

فرائڈ کا نظریہ اس وقت درست مانا جا سکتا تھا جب انسان خوبی اور بدی کو اس کائنات کی درسگاہ سے سیکھتا۔ لیکن ان اچھائیوں اور برائیوں کو جنہیں

Marfat.com

کائنات پر بسنے والے تمام انسان خواہ وہ متمدّن ہوں یا غیر متمدن' حتیٰ وہ اقوام بھی جن میں انبیاءؑ و مصلحین بھی نہیں گزرے قبول کرتی ہیں۔ ان صفات کو ہرگز معاشرتی پابندیوں اور دبی ہوئی انسانی خواہشات کی پیداوار قرار نہیں دیا جا سکتا۔

جب فرائڈ ضمیر کا (ان معنوں میں جو علمِ اخلاق میں اسے حاصل ہیں) انکار کرتا ہے۔ اور انسان کو خواہشات و غرائز کا مجموعہ قرار دے کر اس کی تحقیر کرتا ہے تو لازماً اس طرح وہ تمام اخلاقی اقدار کا انکار کر رہا ہوتا ہے۔ اور کُلّی طور پر روح کی گہرائیوں میں عمل کرنے والی معنویات اور پاک و پاکیزہ تمایلات کی قدر و قیمت گھٹا رہا ہوتا ہے۔ اور اس طرح عدالت' تم' نیکی' باہمی تعاون جیسی چیزوں کو بے مفہوم اور کھوکھلا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

فرائڈ کے اس عقیدے کی رو سے کوئی بھی شخص فطری خواہشات کو پسِ پشت ڈالے بنا اور طبیعی محرکات کی سرکوبی کئے بغیر جہانِ مطلوب کی جانب ایک قدم بڑھانے پر بھی قادر نہیں اور نہ ہی وہ ا پ ذاتی ارادے کی بناء پر لذائذ سے چشم پوشی برتتا ہے بلکہ اس گریز کا واحد سبب خارجی دباؤ اور جبر ہے۔

اگر یہ سمجھا جائے کہ ضمیر بیرونی عوامل کی پیدا کردہ کوئی چیز ہے تو فرائڈ کا سطحی نظریہ ان اقدامات کی کیا توجیہ کرے گا جو انسان ذاتی نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر محض اعلیٰ مقاصد کے لئے بخوشی و رغبت اٹھاتا ہے' عالی ترین اہداف کے لئے مصائب و آلام جھیلتا ہے' مادّی لذّتوں سے چشم پوشی کرتا ہے..... اس طرح تو یہ مسئلہ ایک لاینحل اور پیچیدہ معمہ کی صورت باقی رہ جائے گا۔

تاریخ کے عظیم مصلحین اور رہنمایانِ بشریّت لوگوں کو ایک پاکیزہ انسانی

Marfat.com

کائنات کی تشکیل کی جانب دعوت دیتے تھے اور ان کے ماننے والے بھی ان کی اطاعت زور مندوں اور طاقتوروں کے دباؤ کی بناء پر نہیں کرتے تھے۔

انسان اپنے ارادہ و اختیار سے راہِ فضیلت طے کرتا ہے' اپنی بعض شہوانی خواہشات سے صرفِ نظر کرتا ہے اور کسی عقدۂ نفسانی (Complex) کے بغیر شوق و رغبت کے ساتھ پاک انسانی احساسات کا جواب دیتا ہے اور ایسے نیک کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے جن کی انجام دہی کے بارے میں اس کا دین یا سماج ہرگز اسے مجبور نہیں کرتے۔

یہ وہ حقیقتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان تاریکیوں کے مخزن خفیہ باطن' اور پست شہوانی خواہشات کا مجموعہ نہیں' بلکہ اس کی سرشت میں کمالِ مطلوب تک رسائی کی آرزو بھی رکھی گئی ہے اور اس کے اندر ایک ایسی حالت پائی جاتی ہے جو کسی بیرونی' عرفی' دینی یا معاشرتی دباؤ سے قطع نظر آزادانہ طور پر اسے نیکیوں کی دعوت دیتی ہے اور برائیوں سے روکتی ہے۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ملتے ہیں جو بے ضمیر زندگی کو ننگ اور غیر شریفانہ قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی صورت اپنے ضمیر کی مخالفت پر آمادہ نہیں ہوتے۔ بلکہ اگر یہ صورت آپڑے تو وہ اس طرح زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔

جب یہ لوگ کسی باطنی عامل کی پیروی کرتے ہوئے کوئی نیک عمل انجام دیتے ہیں تو انہیں اس قدر طمانیت کا احساس ہوتا ہے کہ اس ایک لمحہ کی قدر و قیمت کے مقابل انہیں اپنی پوری زندگی ہیچ نظر آتی ہے۔

اگر انسان کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور اسے تاکید کر دی جاتی کہ "محض ذاتی فوائد حاصل کرنے اور خود کو نقصان سے محفوظ رکھنے کے سوا کوئی

Marfat.com

دوسرا اصول مقدس نہیں" تو دنیا ہرگز ترقی و پیشرفت کے اس مرحلے پر نہیں پہنچ سکتی۔

ضمیر کی قلمرو

ضمیر کے فیصلوں میں خطا اور غلطی کی بہت کم گنجائش ہوتی ہے۔ انسان سے سرزد ہونے والی طرح طرح کی غلطیوں کا سبب موضوعات کی تشخیص میں عقل و حواس کا خطا کر جانا یا ضمیر کا سرکش خواہشات کے مقابلے کی سکت کھو دینا ہے۔

بنابراین انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں نظر آنے والی غلطیاں ضمیر کی ناتوانی یا خطا سے مربوط نہیں۔ کیونکہ یہ فطری طاقت اپنی قلمرو و عملداری سے باہر کوئی کام انجام نہیں دیتی۔ ضمیر عقل و حس سے حاصل ہونے والے قوانین اور موضوعات کا جائزہ لے کر ان کے بارے میں فیصلہ کرتا ہے۔

پاک اور سالم فطرت جرم و گناہ سے پرہیز کرتی ہے۔ لیکن عین ممکن ہے کہ بعض عوامل کی بناء پر جرم و گناہ سے آلودہ ہو جائے اور انسان کے دامن پر رسوائی کا داغ لگا دے۔ لیکن جوں ہی جرم سے فارغ ہو کر انسان خود سے راز و نیاز میں مشغول ہوتا ہے' اس پر اس حادثہ کا ناگوار ہونا ظاہر ہونے لگتا ہے اور پھر اس کے باطن میں ایک خلش سی پیدا ہو جاتی ہے اور شرمساری و ندامت کی کیفیت اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتی ہے۔ یہ ضمیر ہی کا اثر ہے جو جرم کے بعد اُسے ملامت کرتا ہے اور ہمیشہ اُس پر تازیانۂ حسرت برساتا رہتا ہے۔

ضمیر نہ صرف یہ کہ ایک قابلِ اعتماد رہنما ہے بلکہ ایک باوفا اور عادل گواہ

بھی ہے جو انسان کے اعمال پر نظر رکھتا ہے اور اسی کے مطابق گواہی دیتا ہے۔ ممکن ہے ایک شخص اپنے حقیقی جذبات کے برعکس کوئی بات کرے یا اپنی حرکات و سکنات سے اختیار و ارادے کو اس طرح سلب کر لے کہ ان کے وسیلہ سے اس کا باطن ظاہر نہ ہو سکے۔ لیکن انسان اس بات پر ہرگز قادر نہیں کہ ضمیر کی آواز کو ہمیشہ کے لئے خاموش کر دے اور اسے سرزنش و لعنت ملامت کرنے سے باز رکھے۔ انسان اپنے ضمیر کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ شاید اس کے لئے یہ تو ممکن ہو کہ دھوکہ و فریب سے اس کی فعالیت کی راہ روک دے اور اسے ایک مدّت کے لئے خوابِ غفلت سے دوچار کر دے۔ لیکن جوں ہی ضمیر سے یہ رکاوٹیں دور ہوں گی اور وہ بیدار ہو گا تو فوراً صراحت کے ساتھ اس کے قبیح اعمال پر اسے ملامت کرے گا اور تازیانۂ حسرت سے اسے سخت سزا دے گا۔

انسان کسی چیز کو "اپنی ذات" سے زیادہ محبوب نہیں رکھتا۔ درحقیقت اندر ہی اندر مضطرب ہونا سخت ترین روحانی ازیت ہے۔ اسے یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس کا وجود جس آگ کے شعلوں کی زد میں ہے وہ خود اس کے گناہوں کی بھڑکائی ہوئی ہے۔ لہٰذا انسان کو جرائم سے باز رکھنے والا سب سے بڑا عامل ضمیر ہے۔

اگر آدمی پر پڑنے والی روحانی ضربات اس کی قوتِ برداشت سے زیادہ ہوں تو تشویش و اضطراب ضمیر پر حاوی ہو جاتا ہے اور ضمیر پر پڑنے والا سخت جانکاہ دباؤ بعض نفسیاتی کارکردگیوں کو اپنے مخصوص راستوں سے ہٹا دیتا ہے اور اختلال و روحانی بیماریاں جنم لینے لگتی ہیں۔ بعض دیوانوں کا نفسیاتی مطالعہ بتاتا ہے کہ ارتکابِ گناہ کے نتیجے میں پڑنے والے ضمیر کے بے پناہ دباؤ نے انہیں

Marfat.com

pmph
mu14e-12-06
1-12
مہر 9/8/97

عقل و خرد سے بے گانہ کر دیا اور وہ حسرت و ندامت کی آگ میں جھلسنے لگے۔

کبھی کبھی تو خواہشاتِ نفسانی اس قدر طاقتور ہوتی ہیں کہ انسان سوچنے لگتا ہے کہ اپنے ضمیر کو دھوکہ دے دے اور اس کی تاثیر کے آڑے آجائے۔ لیکن یہ ضمیر کی حیرت انگیز خاصیت ہے کہ وہ طاقتور خواہشات کا بھی سختی کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے اور جب تک خواہشات کا دباؤ ختم نہیں ہو جاتا وہ ان کے مقابل ڈٹا رہتا ہے اور اپنی ذمہ داری ادا کرتا ہے۔

"ہنری بارودک" کہتا ہے :

"ضمیر نہایت ثابت قدم ہوتا ہے۔ حتیٰ جب روشنی اس درجہ کم ہوتی ہے کہ دیکھنا مشکل ہو جاتا ہے تب بھی وہ دل کی نگرانی کرتا رہتا ہے اور اس دم بھی جب اس کی روشنی انتہائی مدہم پڑ جاتی ہے وہ اتنی سکت رکھتا ہے کہ اپنی خیرہ کنندہ چمک کا پھر سے آغاز کر سکے۔" (بیمار یھائی روحی و عصبی۔ ص ۷۳)

جس نے بھی ضمیر کے فرمان سے روگردانی کی اور فطرت کی راہِ راست سے منحرف ہوا وہ اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے روحانی عذاب کا شکار ہو گیا۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے ضمیر کے سرور انگیز نغموں کو کان لگا کر سنا' اس کے فرمان کی پیروی کی' تو انہیں روحانی سکون و راحت نصیب ہوا۔ ایسا سکون جس کے حصول کے لئے گمراہ لوگ فضول راہوں اور سراب کی جانب دوڑتے رہتے ہیں۔

قرآن اور ندائے فطرت

آج اکثر دانشوروں نے فرائڈ کے نظریہ کو مسترد کر دیا ہے اور وہ ضمیر کو

Marfat.com

تمہارے خلاف زبان دراز کریں اور تم پر اتہام لگائیں .....اگر کسی ناتواں اور راستے میں ٹھوکر کھانے والے کو سہارا دو اور وہ تمہاری اس نیکی اور سپاس گزاری پر شکریہ ادا نہ کرے تو آزردہ خاطر نہ ہونا اور نیکی و احسان کے معاملہ میں ٹھنڈے نہ پڑ جانا کیونکہ خداوندِ عالم اس کے بدلے تمہیں عظیم اجروثواب سے نوازے گا اور تم پر اپنی بے پایاں نعمتوں کے خزانے کھول دے گا۔

یہ تو خود ایک نعمت ہے کہ خداوندِ عالم نے تمہیں نعمتوں سے بہرہ مند کیا اور ایک گروہ کو تمہارا نیاز مند و محتاج قرار دیا لہٰذا یہ روا نہیں کہ تم حرص و آز کا شکار ہو جاؤ۔

کیونکہ اگر تمہیں خداوندِعالم کی عطا کردہ نعمتیں میسّر ہوں لیکن تم مظلوموں، بیکسوں اور محتاجوں کی دستگیری کے لئے آگے نہ بڑھو تو خداوندِعالم ان نعمتوں کو رنج والم سے بدل دے گا اور تمہیں ذلّت وخواری سے دوچار کردے گا تاکہ تم بھی محروموں کے رنج و مصائب کا مزہ چکھو۔

کس قدر فرح افزا ہے ٹھوکر کھانے والے کا ہاتھ تھام لینا۔

اگر تم سخی ہو گے تو لوگوں میں تمہاری نیکی و نیک نامی کا چرچا ہو گا اور جب تم ان کے قریب سے گزرو گے تو وہ بجائے غصے و نفرت کے تمہیں شکرگزاری کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

چہ بسا کہ انہیں محتاجوں اور نیاز مندوں میں سے کوئی اپنے آسائش و خوشحالی کے ایام میں تمہیں بہترین بدلا دے۔

Marfat.com

اگر نیکی ایک آدمی کی صورت میں ظاہر ہو اور تم اس کے خوبصورت سراپے کو دیکھ سکو تو تم دیکھو گے کہ یہ ایک حسین و جمیل انسان کی مانند ہے جو تمہارے دل کو خوش و خرم کرتا ہے۔ اگر بُرائی اور بدکرداری کا مجسم ہونا ممکن ہوتا تو تم دیکھتے کہ وہ ایک ایسا کریہہ و نفرت انگیز چہرہ ہے کہ جسے دیکھنے سے تم اپنی آنکھیں بند کر لیتے۔

اے لوگو! عطاو بخشش کرنے والے بنو۔ سخاوت و فیاضی کو اپنا وطیرہ بناؤ تاکہ سیادت و سروری پاؤ کیونکہ بخیل و کنجوس شخص کی کوئی قدر وحیثیت نہیں ہوتی۔ سخی ترین شخص وہ ہے جو ایسے ضرورت مند کو مال دے جس سے کسی بدلے کی امید نہ ہو۔ سب سے زیادہ درگزر کرنے والا وہ ہے جو طاقت و قدرت اور امکان کے باوجود خطاکار کو معاف کر دے۔ اپنے اعزّہ و اقرباء میں بزرگی و کرامت اسے حاصل ہوتی ہے جو ان کی دل جوئی میں غفلت نہ برتے' ہرچند انہوں نے محبت والفت کے رشتہ کو توڑ ڈالا ہو۔

اگر تم ایسے قابلِ احترام اور فیاض ہو تو تمہاری مثال منافع سے بھرپور ایک درخت کی سی ہے۔ جس کی جڑیں خیروبرکت سے سیراب ہوں' جس کی شاخیں سعادت و نیک بختی سے سرشار دوسروں کو سایہ فراہم کریں اور جو ایسے پھل پیدا کرے جن کی مٹھاس تلخ کاموں کے بھی منہ شیریں کر دے۔

جو شخص خدمتِ خلق اور لوگوں سے نیک سلوک میں تیزی دکھائے گا' تو کل ایسی خیروبرکت پائے گا جس کی اسے ہرگز توقع نہ ہوگی اور

Marfat.com

اگر اس نے صرف اور صرف رضائے رب کے لئے حاجتمندوں کی دستگیری کی ہو گی تو خداوندِعالم ضرورت کے روز اس کی دستگیری کرے گا اور اسے ناگوار حوادث سے محفوظ رکھے گا۔

لوگو!۔تم میں سے جو کوئی غم واندوہ کے ماروں کے دل کا بوجھ کم کرے گا خداوندِعالم دنیا و آخرت کا غم واندوہ اس کے دل سے دور کر دے گا۔ نیک لوگوں کو ان کی نیکی کا صلہ دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔" (کشف الغمہ ج ۲-ص ۲۰۴-طبع جدید)

احسان و نیکی محض مال، دولت بخشنے اور دردمندوں کو آلام و مصائب سے نجات دلانے ہی کا نام نہیں۔ بلکہ معنوی معاملات میں مدد و تعاون اور اخلاق و کردار کی اصلاح مالی احسان سے کہیں زیادہ اجر و ثواب کا باعث ہے۔ لہٰذا اگر کوئی کسی کو گمراہی کے اندھیرے غار سے نکال باہر لائے تو یہ اس پر ایک عظیم احسان ہے۔ اسلام کی نظر میں عالی ترین اور نہایت بیش قدر نیکی و احسان منحرف اور گمراہی کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کی دستگیری ہے۔

پیغمبرِ اسلام ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا۔

"لئن یهدی الله علی یدیک رجلا خیر لک مماطلعت علیه الشمس۔"

"اگر تمہارے ہاتھوں ایک فرد بھی ہدایت پا جائے تو یہ ان تمام چیزوں سے بہتر اور قیمتی ہے جن پر آسمان اپنی روشنی ڈالتا ہے۔"

(سفینۃ البحار-جلد ۲-ص ۷۰۰)

Marfat.com

Marfat.com

ساتواں باب

قدر دانی' پیش رفت کا عظیم عامل

روح کی تشنگی ____ ۲۶۴
تعریف و تحسین کے گہرے اثرات ____ ۲۶۷
تعمیری تنقید حوصلہ شکنی نہیں ہے ____ ۲۷۱
چاپلوسی ____ ۲۷۵
پاکیزگی میں اضافہ کے لئے اسلام کا لائحہ عمل ____ ۲۷۹
ناقدری کے عظیم نقصانات ____ ۲۸۴
خرابیوں کے خلاف جہاد ____ ۲۹۵

روح کی تشنگی

جس طرح انسانی جسم اپنی بقاء کے لئے بعض اشیاء کا محتاج ہے اور انسان مسلسل ان ضروریات کی تکمیل کے لئے مصروفِ عمل رہتا ہے اسی طرح روح کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ دستِ قدرت نے روح کے ان تقاضوں و تمناؤں کے بیج انسانی سرشت میں بو دیئے ہیں۔

انسانی روح داد و تحسین' ستائش و تعریف کی پیاسی ہوتی ہے۔ اسی اندرونی تقاضے کی تسکین کے لئے ہر شخص ذوق و شوق کے ساتھ ایسے امور کی انجام دہی کی کوشش کرتا ہے جو معاشرہ کے نزدیک قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں اور جن کی انجام دہی پر اس کی لیاقت و قابلیت کو سراہا جائے' اس کی شخصیت کو مانا جائے اور اس کی روحانی تمناؤں کی کشتی ساحلِ مراد پر جا لگے۔

کیونکہ انسان خود خواہ ہوتا ہے اس لئے اپنی ایجادات و اختراعات اور اپنے کئے ہوئے کاموں کے ثمرات و نتائج سے بھی شدید عشق رکھتا ہے۔ لہٰذا حوصلہ افزائی اور تعریف و ستائش انسان کو کام پر لگانے کا بہترین محرّک ہے۔ قدر دانی سادہ اور ارزاں ترین دوا ہونے کے باوجود اس قدر معجزنما تاثیر کی حامل ہے کہ معاشرہ کے فرسودہ اور خفتہ نظام کو حیاتِ نو عطا کر سکتی ہے اور اس کے پہیوں کو

Marfat.com

ایک نئے ولولے کے ساتھ حرکت میں لا سکتی ہے۔

اس کے برعکس حوصلہ افزائی اور قدر دانی میں بُخل سے کام لینا یا اس سے قطعاً پرہیز کرنا ترقی و پیشرفت کی راہ کی ایک ایسی بڑی رکاوٹ ہے جس سے انسان میں پنہاں اس کی پوشیدہ صلاحیتیں ظاہر ہونے سے رہ جاتی ہیں اور اس کی اختراع و ایجاد کی صلاحیتوں میں ٹھہراؤ آجاتا ہے۔

عنفوانِ شباب کے حساس مرحلے میں جبکہ انسان اپنی مستقل اور خود مختار زندگی کا آغاز کرنے والا ہوتا ہے اسے اپنی جستجو اور جدوجہد میں اضافے کے لئے ہر چیز سے زیادہ قدر دانی اور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔

"برٹرینڈ رسل" کہتا ہے۔

"بچّے جب شجاعت یا کسی مہارت کا مظاہرہ کریں یا اپنی کسی چیز کے بارے میں خود اپنی تمنا کو پسِ پشت ڈال کر ایثار و قربانی ۔ مظاہرہ کریں تو ایسے موقع پر ان کی تعریف و تحسین سے دریغ نہیں کرنا چاہئے۔

بچّوں کی تربیت و نشو و نما کے تمام مراحل میں ان کے نمایاں کاموں پر ان کی تعریف و قدر دانی کرنا چاہئے۔

جوانی میں مشکل و دشوار کاموں کی انجام دہی پر ملنے والی داد و تحسین کا مزا ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ اس لطف و لذّت کی جانب اشتیاق و رغبت ایک مکمل حقیقت اور ایک اضافی خواہش کی مانند ہے ہرچند کہ اسے بنیادی محرک شمار کرنا چاہئے۔

اخلاقی ہدایت برَمحل اور سنجیدگی کے ساتھ کرنا چاہئے اور لازم ہے کہ انہی واقعات سے استفادہ کریں جو فطرتاً پیش آئے ہوں نیز اس

Marfat.com

مخصوص کیفیت کے تقاضے کے مطابق عمل کیا جائے' اس سے بڑھ کر نہیں۔ خود بچہ اس حالت کے نتائج کی اسی جیسے دوسرے مواقع پر تطبیق کر سکتا ہے۔

بچہ کلی قاعدہ کے ذریعہ نہیں بلکہ مثالوں اور مواقع کے ذریعہ نہایت آسانی سے بات سمجھ سکتا ہے۔ اس سے کلّی طور پر نہ کہئے کہ شجاع ہو جاؤ' بہادر بنو' دوسروں سے محبت و مہربانی سے پیش آؤ بلکہ اسے ایسے عمل کی ترغیب دیجئے جس میں جرات کی ضرورت ہے اور اس عمل کی انجام دہی پر اس سے کہئے کہ واہ' واہ آفرین تم کتنے بہادر ہو۔ اسی طرح اسے اس بات پر ابھارئے کہ اپنے کھلونے اپنی چھوٹی بہن کو دے دے اور جب وہ اپنی بہن کے خوش و خرم چہرے کو دیکھ رہا ہو تو اس سے کہئے کہ ــــ بہت خوب میرا بیٹا کتنا محبت کرنے والا اور مہربان ہے۔ اسی کلیہ کو قساوت اور دل کی سختی کے علاج کے لئے کام میں لائیے۔" (در تربیت۔ ص ۱۲۲۔ ۱۲۳)

نوجوانوں کی تحقیر کرنا یا ان کے نمایاں کاموں سے بے اعتنائی برتنا ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو کاری ضربات سے کچل دینے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جب کوئی جوان یہ محسوس کرتا ہے کہ لوگ اس کے کارہائے نمایاں اور گرانقدر خدمات کی طرف سے بے توجہ ہیں اور اس کی محنتیں و زحمتیں کسی حساب شمار میں نہیں آتیں تو اس پر سخت گراں گزرتا ہے اور اس کی تخلیقی صلاحیتوں کی نشوونما رک جاتی ہے اور مستقبل کے بارے میں اس کی امید و آرزوئیں دل ہی میں دم توڑ دیتی ہیں۔ اور چونکہ اس حوصلہ افزائی کا تعلق انسانی نفسیات سے

Marfat.com

ہے لہٰذا وہ نفسیاتی پیچیدگیوں کا شکار ہو جاتا ہے اور نتیجہ کے طور پر نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ جب صاحبانِ علم و فن پر یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس قدر زحمتوں اور مشقتوں کے باوجود معاشرہ میں ان کو سراہا نہیں جاتا تو ممکن ہے شکست خوردگی کا یہ احساس ان کی سرگرمیوں اور افکار کی سمت کو یکسر تبدیل کر دے اور وہ روحانی احتیاجات کی تسکین اور سماجی زندگی میں کامیابی وکامرانی کے حصول کی خاطر انحرافی راہوں کی جانب راغب ہو جائیں۔ اس کے نتیجے میں ان کے روحانی کمالات اور انسانی فضائل کی جگہ حیلہ و مکر و فریب کی خصوصیات لے لیتی ہیں۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کی تائید آج کا علمِ نفسیات بھی کرتا ہے۔

تعریف و تحسین کے گہرے اثرات

کبھی کبھی محض ایک تحسین آمیز جملہ انسان کی روح پر نہایت گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ممکن ہے یہ ایک جملہ انسان پر ایسا اثر انداز ہو کہ وہ اپنی ہمہ جہت جدو کاوش کامیابی کی راہ میں صرف کر دے۔ بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جو اپنی تمام کامیابیوں کو کسی بڑے انسان کی تعریف و توصیف اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور یہ اعتراف کرتے ہیں کہ اگر یہ حوصلہ افزائی شاملِ حال نہ ہوتی تو وہ آج کامرانیوں کی اس بلندی پر نظر نہیں آتے۔

ترقی یافتہ اقوام ممتاز اور نمایاں شخصیات کو غیر معمولی عزّت و مقام دینے کی

Marfat.com

قائل ہیں اور اس سلسلے میں گوناگوں طریقے اختیار کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان معاشروں میں نبوغ و استعداد کی شمع کبھی گل نہیں ہوتی بلکہ لوگوں میں استعداد کی نشوونما اور پنہاں صلاحیتوں کے ثمرات ظاہر ہونے کے لئے حالات ہمیشہ سازگار رہتے ہیں۔ وہاں کام اور علم کو حقیقی قدر و منزلت حاصل ہے اور لائق و شائستہ افراد کو بخوبی جانا پہچانا جاتا ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ مطبوعاتی ادارے جن کی ذمہ داری لوگوں کی ہدایت، تعلیم و تربیت، حقیقی مسائل کی طرف متوجہ کرنا اور ان کے افکار کو جِلا بخشنا ہے ہمارے یہاں ان میں سے اکثر عوام الناس کی توجہ ایسے امور کی جانب جلب کرتے نظر آتے ہیں جو ان کی سطح فکری کو کم کرنے کا سبب ہیں۔ ان کی توجہ زیادہ تر معمولی، فضول، لچر اور انحرافی امور کی ترویج پر مرکوز ہوتی ہے، ان میں صاحبانِ علم و فضل کی تشہیر اور حقیقی اقدار کا ذکر تک نہیں ملتا۔

ہمارے سماج کی اس بڑی اخلاقی و سماجی خرابی پر ایک معاصر مصنف یوں تنقید کرتا ہے۔

> "حوصلہ افزائی ہماری ایک بڑی نفسیاتی و سماجی ضرورت ہے۔ لیکن یہ حوصلہ افزائی حقیقی اور دل کی گہرائیوں سے ہونی چاہئے، مصنوعی اور دکھاوے کے لئے نہیں۔ آج ہماری سوسائٹی میں مفاد پرست اور تاجر حضرات نے حوصلہ افزائی کے بہت سے مصنوعی طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔
>
> مثلاً اگر کوئی مرد یا عورت یہ بتادے کہ "لوئی شانزدہم" کی پانچویں محبوبہ کا نام کیا تھا تو اسے کمپنی اپنے خرچ پر ایک ماہ کے لئے یورپ کی

Marfat.com

سیاحت کے لئے بھیجے گی۔ اسی طرح مقابلے میں شامل کوئی خاتون کسی خاص شیمپو کی خصوصیات اور فوائد بتادے تو اسے آرائش وزیبائش کا بہت سا سامان تحفہ میں دیا جائے گا۔ لیکن ہم نے اب تک بہترین تخلیقی ذہن رکھنے والے کے لئے کسی سالانہ انعام کا تعیّن نہیں کیا۔"

جوانی جو اخلاقی صفات کی بنیادوں کی تشکیل کا اہم ترین زمانہ ہوتی ہے اس دوران انسان دوسروں کے کارناموں کی تعریف و قدر دانی کے لئے بہت زیادہ آمادہ رہتا ہے اور جوں جوں اس کے سِن وسال میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اس میں دوسروں کی تعریف، حوصلہ افزائی اور ستائش کا جذبہ ماند پڑتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے عنفوانِ شباب میں جبکہ انسانی فطرت میں مختلف خُلق و خُو اپنانے کی صلاحیت پائی جاتی ہے اس کے اندر ستائش وقدردانی کی روح کو تقویت دی جائے اور اسے کارہائے نمایاں انجام دینے والے افراد کی قدرشناسی و حوصلہ افزائی پر ابھارا جائے۔

یہ طرزِ عمل نوجوانوں میں نفسیاتی اعتدال و توازن قائم رکھنے میں نہایت موثر ہے۔ کیونکہ قدرتی طور پر انسان اسی دورِ جوانی میں اپنے لئے آئیڈیل و نمونہء عمل کا انتخاب کرتا ہے۔ اس موقع پر اگر اس کی توجہات کا مرکز و محور پاک سیرت، اعلیٰ اخلاقی فضائل کی حامل ہستیاں نہ بن سکیں اور اس کی روح میں ان فضائل وکمالات کی ستائش وقدردانی کی حس پروان نہ چڑھ سکے تو ممکن ہے وہ منحرف اور غیر صالح افراد کو اپنا آئیڈیل بنالے اور ان کی رفتار و عمل، افکار و اقدار کی پیروی شروع کردے۔ ذرا سوچئے اس روش کو اپنانے کے نتیجے میں کس قدر ناگوار نتائج و عواقب ظہور میں آئیں گے۔

Marfat.com

جو لوگ ذوقِ سلیم، فکرِ رسا اور لطیف احساسات کے مالک ہوں وہ کسی سے بھی سرزد ہونے والے نیک اور قابلِ قدر اقدام کی تعریف و تمجید سے دریغ نہیں کرتے۔ عظیم لوگوں کی بلند فکر اور عالی ترین ادراک غیر معمولی درخشندگی کی مالک ہوتی ہے جو دوسروں میں فعالیت ایجاد کرتی اور ان میں بھی حرارت پیدا کر دیتی ہے۔ عمدہ اخلاق سے آراستہ ہونا انسان کی فکر کو بلند کرتا ہے، اس کے قدموں سے اصلاح میں سب سے بڑی رکاوٹ خود پرستی کی زنجیروں کو کاٹ دیتا ہے۔ جو افراد عظیم لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں اور ان کے سرچشمۂ افکار سے روشنی حاصل کرتے ہیں وہ اپنے لئے اوج و کمال کی راہوں کو ہموار کر لیتے ہیں۔

لیکن بعض لوگ اپنے نزدیک ترین دوستوں کی تعریف و حوصلہ افزائی میں بھی بخل سے کام لیتے ہیں اور کسی طور ان کے امتیازات اور عمدہ خصائل کا اعتراف نہیں کرتے اور ان کے کارہائے نمایاں دیکھ کر بے تعلقی اور چشم پوشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

پست فطرت اور اعلیٰ انسانی فضائل سے عاری لوگ ہر ناپسندیدہ صفت اور عادت اپنانے پر آمادہ رہتے ہیں۔ وہ ہر قابلِ قدر اور لائقِ تحسین کام یا چیز کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ دوسروں کی کامیابی انہیں سخت ناگوار گزرتی ہے۔ یہ لوگ نہ صرف یہ کہ کامیاب زندگی گزارنے والے اپنے ساتھیوں کی تعریف سننا پسند نہیں کرتے بلکہ اگر ان کے دوستوں کی راہ میں مشکلات حائل ہو جائیں تو انہیں ایک گونہ تسلی و اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ صد افسوس کہ جب وہ اپنے کسی ساتھی کو اپنے سے آگے بڑھتا ہوا دیکھتے ہیں تو ان میں غم و

غصہ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ ممکن ہے ان کی یہ حسد اور کوتاہ فکری اس بات پر منتہی ہو کہ وہ اپنے دوست کے خلاف کوئی نامناسب اقدام اٹھا بیٹھیں یا اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے کسی بھی بزدلانہ اقدام کے لئے مناسب وقت کی تاک میں رہیں۔

منحط اور محدود نفسیات کا حامل شخص جو پاک اخلاقی ملکات سے مانوس نہیں ہوتا اس کی کیفیت کی درجِ ذیل فارسی شعر کے مضمون کے ذریعہ بخوبی تشریح کی جاسکتی ہے۔

"خدا نے میرے رقیب پر لطف و کرم کی نظر ڈالی ہے اور اسے بے شمار نعمتیں عطا فرمائی ہیں کیا مجھے اتنا بھی حق نہیں کہ اسے غصّے کی نگاہ سے دیکھوں اور اس سے نفرت و بے زاری کا اظہار کروں۔"

عاقل اور باشعور افراد نادانوں کے کردار سے درسِ عبرت لیتے ہیں اور ان جیسی خطاؤں کے ارتکاب سے اجتناب برتتے ہیں۔ لیکن بے وقوف لوگ عقلا کی رَوِش اور ان کے فضائل و کمالات کو کبھی اپنے لئے نمونہ عمل قرار نہیں دیتے۔

تعمیری تنقید حوصلہ شکنی نہیں ہے

شخصیت کی نفی اور تنقید ہمارے معاشرے کا ایک بڑا عیب و نقص ہے یہ خرابی معاشرہ کے ہر طبقہ میں پائی جاتی ہے۔ جوں ہی کوئی شخص کوئی نیا کام کرتا ہے یا نئی ایجاد سامنے آتی ہے تو بلا توقف اس پر اعتراض و انتقاد کی بارش ہونے لگتی ہے اور ایسے ایسے لوگ زبانِ تنقید دراز کرتے ہیں جو خود کوئی فیصلہ یا

Marfat.com

اظہارِ نظر کرنے کی صلاحیت تک سے محروم ہوتے ہیں۔

امریکہ کی ایک معروف سماجی شخصیت "وانا میکر" کہتا ہے۔

"میں تیس سال قبل ہی اس حقیقت کو پاچکا تھا کہ دوسروں کو ہدفِ تنقید بنانا دراصل دیوانگی ہے۔ ہم کیونکر تنقید اور سرزنش کے ذریعہ دوسروں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہمیں خود اپنے عیوب و نقائص دور کرنے کے سلسلے میں بے شمار رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ آج مجھے اس حقیقت کا اقرار ہے کہ خداوندِ عالم نے ہر کسی کو یکساں علم و دانش عطا کرنا خلافِ مصلحت سمجھا۔"

(آئینِ دوست یابی۔ ص ۱۸)

بے شک اصولی اور صحیح تنقید اصلاحِ معاشرہ کے لئے ایک مفید اور سودمند ذریعہ ہے۔ لیکن بدبختی یہ ہے کہ تنقید اکثر بغیر جائزہ لئے اور بغیر تحقیق کئے کی جاتی ہے جو خود ایک طرح کی حق تلفی اور غیر عادلانہ روش ہے، یہ طریقہ اختراعات اور نئی نئی تبدیلیوں کی راہیں بند کر دیتا ہے اور ممکن ہے اس غیر مناسب صورتحال سے باصلاحیت ترین افراد کے جذبے بھی سرد پڑ جائیں اور وہ ناامیدی کا شکار ہو جائیں۔

نفسیات دانوں کے نزدیک دوسروں کی لغزشوں پر تنقید اکثر لوگوں کی اپنی خطاؤں و لغزشوں کا انعکاس ہوتی ہے جنہیں وہ دوسروں میں نظر آتی ہے۔ بقول شاعر۔

"یہ تصویریں ہیں تیری جن کو سمجھا ہے بُرا تو نے"

ماہرین اس بارے میں کہتے ہیں کہ۔

Marfat.com

"بطورِ کُلّی اکثر دوسروں پر انتقاد اور ان کی لغزشوں پر لعنت و ملامت کا سبب خود ہمارے اندر پائی جانے والی وہ خرابیاں ہیں جن سے ہم آگاہ نہیں ہوتے۔ ہم دوسروں میں وہ نقائص دیکھتے ہیں جو نادانستہ طور پر خود ہمارے اندر پائے جاتے ہیں۔ ذی شعور اور مثبت فکر و عمل رکھنے والے افراد اپنا وقت دوسروں پر تنقید کرنے میں ضائع نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ ہر وقت مفید اور مثبت کاموں میں مشغول رہتے ہیں۔ ندرت وجدّت پر تنقید کرنے والے لوگ خود موجدین و مخترعین ہوتے ہیں۔ ہنر پر تنقید کرنے والے دراصل دوسروں پر تنقید کے ضمن میں خود اپنے کام کے نقائص گنوا رہے ہوتے ہیں۔ محض نظریات میں غلطاں شکست خورہ لوگوں میں سے اکثر وہ ماہرین ہوتے ہیں جو صرف راہِ عمل کی نشاندہی ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

بے محل اور نامعقول تنقید اکثر دوسروں کی حق تلفی کا سبب بن جاتی ہے۔ اور اس طرح ہر چیز کی دائمی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے غیر عادلانہ اور غیر معقول تنقید کرنے والے حضرات میں ایسی ناگواری اور غیر آسودگی کے منبع کی نشاندہی کی جا سکے جس سے وہ خود بھی آگاہ نہ ہوں۔ یہ اندرونی ناگواری انسان کے باہر نمودار ہو کر ہر چیز کی قدر و قیمت اور تمام اقدار کو پامال کر کے رکھ دیتی ہے۔ اس طرزِ عمل کا خاص طور پر ان افراد میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے جن کی تمام عمر یاس و ناکامی کا شکار رہی ہو اور جن کی نظر میں پوری کائنات عبث، بے قدر و قیمت اور مصنوعی ہو۔

Marfat.com

اشیاء اور اشخاص پر ان کی تنقید سب ان کی بے اطمینانی کا نتیجہ ہے۔ یہ لوگ جس چیز کو ایک دن عزیز رکھتے ہیں اگلے دن اس سے متنفر نظر آتے ہیں اور انہیں محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اس نفرت کا خارجی حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اس کا سرچشمہ خود ان کی روح میں ہے۔ درحقیقت بدنیتی اور عداوت انسان کے اندر مہر و محبت کے سوتے خشک ہو جانے کا نتیجہ ہے۔"

(روان شناسی برای ہمہ۔ ص ۲۵۸ ۲۵۷)

حتیٰ اگر کوئی نیک کام کسی کی ذمہ داری اور فرائض میں شامل ہے تب بھی قابلِ تحسین وقدر دانی ہے اور ایسے فرض شناس افراد کی بھی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ تاکہ وہ اپنے فرائض کو مزید تندہی و خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیں۔

راقم الحروف چند سال قبل ایران کے ایک معروف شہر میں رہائش پذیر تھا۔ ایک روز کسی فنی نقص کی وجہ سے ہمارے محلہ کی بجلی فیل ہو گئی۔ میں نے ٹیلی فون کے ذریعہ بجلی کے محکمہ کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کیا اور ان سے مذکورہ نقص کو دور کرنے کے لئے اقدام کی گزارش کی۔ کافی دیر بعد نقص دور ہوا اور بجلی بحال ہو گئی۔ میں نے ایک مرتبہ پھر فون کیا اور بجلی بحال کرنے کے سلسلے میں اس اہلکار کے اقدام کو سراہا۔ یہ اہلکار شروع میں جس کا لہجہ روکھا سا تھا قدر دانی کے الفاظ سن کر نہایت خوشی اور حیرت سے پوچھنے لگا۔ آپ کون صاحب ہیں؟ میں نے جب سے یہاں کا چارج سنبھالا ہے یہ پہلی مرتبہ ہے کہ کسی نے میری حوصلہ افزائی کی ہے اور کام کو سراہا ہے۔ میں نے کہا کہ میں اس

Marfat.com

شہر کا باشندہ نہیں ہوں اور میں نے محض آپ کی فرض شناسی کی بناء پر آپ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔ اس کے بعد وہ محبت وعقیدت کا اظہار کرنے اور بالمشافہ ملاقات کی درخواست کرنے لگا۔

اس کے بعد جب کبھی ہمارے علاقے کی بجلی کی فراہمی میں خلل واقع ہوتا اور میں اس شخص سے رابطہ قائم کرتا تو وہ چٹکیوں میں نہایت محبت و عقیدت کے ساتھ اس کے نقص کو دور کر دیتا۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد اس نے ہمارے علاقے کے بجلی کے پُرانے تار ہی بدل ڈالے جو آئے دن بجلی کی فراہمی میں خلل کا سبب تھے۔

معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ مذکورہ شخص ایک طویل عرصہ سے اس عہدے پر فائز ہے اور اس پورے عرصے میں ایک مرتبہ بھی اس کی حوصلہ افزائی اور قدردانی نہیں کی گئی تھی۔

چاپلوسی

یاد رہے کہ ستائش و قدردانی سود مند نتائج اور گہرے اثرات کی حامل ہونے کے باوجود بعض حدود و قیود رکھتی ہے اور اسے معقول اور منطقی حد سے آگے نہیں بڑھنا چاہئے۔ اسی طرح جیسے مثبت اور تعمیری کام انجام دینے والے لوگوں سے لاتعلقی ان کی کارکردگی اور استعداد میں جمود ورکود پیدا کر دیتی ہے بالکل اسی طرح حد سے زیادہ تحسین و آفرین بھی مذموم و ضرررساں خوشامد و چاپلوسی شمار ہوتی ہے اور ایک طرح حقیقت سے عاری محسوس ہوتی ہے۔

ڈیل کارنیگی لکھتا ہے۔

"حساس اور صاحبِ شعور افراد پر چاپلوسی کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ چاپلوسی کھوکھلی اور لغو باتوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے خوشامد کرنے والے کی غرض مندی کو ظاہر کردیتی ہے اور قدرتی طور پر خوشامد سننے والے کو یہ باتیں بُری محسوس ہونے لگتی ہیں۔

دل کی گہرائیوں سے پھوٹنے والی تعریف و تحسین اور چاپلوسی و خوشامد کے درمیان بہت فرق ہے۔ خوشامد فوائد سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے۔ خوشامدی افراد اکثر بڑے نقصانات سے دوچار ہوتے ہیں۔ کیونکہ چاپلوسی ایک طرح کی چالبازی اور مضحکہ خیز حیلہ ہے جو آخرکار ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ البتہ صدقِ دل سے کی جانے والی تحسین و ستائش ایک دوسری چیز ہے۔ میں ہرگز آپ کو خوش آمد اور چاپلوسی کی ترغیب نہ کروں گا۔ میرا مقصد ایک مخصوص طرزِ فکر ایجاد کرنا ہے جو زندگی کو یکسر بدل کر رکھ دے۔

گفتگو و مکالمہ کے وقت تمام توجہات کا مرکز خود اپنی ذات کو نہیں بنانا چاہئے بلکہ کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے مخاطب کی صفات و اخلاق کو نظر میں رکھیں۔ اس صورت میں آپ اس شخص کی خوبیوں سے واقف ہو جائیں گے۔ پھر دل کی گہرائی سے اس کی اس خوبی کی تعریف کیجئے۔ کسی کی ایسی نامناسب تعریف سے گریز کیجئے جس کی گواہی خود آپ کا دل بھی نہ دے۔" (آئینِ دوست یابی۔ ص ۴۲)

عمر بن عبدالعزیز دوسرے اموی خلفاء کی نسبت زیادہ انسانی فضائل کا مالک تھا۔ اس کے عہدۂ خلافت سنبھالنے پر بہت سے لوگ مبارک باد کی غرض سے

Marfat.com

حاضر ہوئے۔ انہی میں عرب کا ایک معروف شخص "خالد ابنِ عبداللہ" بھی شامل تھا۔ جب حاضرین کی طرف سے خلیفہ کے لئے خیر مقدمی کلمات کہنے کا وقت آیا تو عبداللہ بھی ایک گروہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور یوں آغازِ سخن کیا۔

"اے خلیفہ مسلمین! بعض لوگوں کا افتخار ان مناصب سے وابستہ ہوتا ہے جو وہ زندگی میں حاصل کرتے ہیں۔ بسا اوقات ان کے شرف و فضیلت کی وجہ مقامِ خلافت اور مسلمانوں کی فرمانروائی ہوتی ہے ..... لیکن اے خلیفہ! آپ خلافت و فرمانروائی کے لئے باعثِ افتخار ہیں۔ تخت و تاج نے آپ کے وجود سے قدرو منزلت پائی ہے آپ ایک عرب شاعر کے اس قول کے مصداق ہیں۔"

اذالدر زان حسن وجوہ
کان للدر حسن وجھک زینا

"چہرہ کو حسن دینے کے لئے اسے موتیوں سے سجایا جاتا ہے۔ لیکن تیرے چہرے کا حسن موتی کے لئے زینت ہے۔"

خالد بن عبداللہ پُرجوش انداز میں مخاطب تھا' کبھی نثر اور کبھی نظم کے ذریعہ خلیفہ کی مدح و ستائش میں مصروف تھا۔ لیکن خلیفہ اس کی نامعقول خوشامد و چاپلوسی سے بے زار بیٹھا تھا۔ جب بے زاری ناگواری کی حدود کو چھو گئی تو خلیفہ نے یکلخت اس کی گفتگو قطع کی اور عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ بیٹھ جائے۔ پھر خلیفہ نے حاضرین کی طرف رخ کیا اور کہا۔

"تمہارے دوست کو عقل و خرد سے کام لینا چاہئے زبان دانی سے

Marfat.com

نہیں۔"

بے شمار دوسرے عیوب و نقائص کے ساتھ ساتھ چاپلوسی اور خوشامد بھی ہمارے معاشرہ کی ایک بیماری ہے' جو اپنی وحشت ناکیوں کے ذریعہ معاشرہ کے بہت سے شعبوں میں خلل کا موجب ہے۔ بہت کم ایسے افراد سے سابقہ پڑتا ہے جو محض حق و حقیقت کی بناء پر کسی کے اچھے کاموں کو سراہتے ہیں اور ان کی تعریف و ستائش کا مقصد واقعی کسی کے کام کی قدر و منزلت اور کارہائے نمایاں انجام دینے والے کی حوصلہ افزائی ہوتا ہے۔

ایران کے ایک مصنف اور سماجی شخصیت کہتے ہیں۔

"رفتہ رفتہ یہ بات میرے سامنے ایک کلّی اصول کے بطور واضح ہو گئی ہے کہ جو کوئی مجھ سے ملاقات کے لئے آتا ہے وہ پہلے تو میری تصانیف کی تعریف کرتا ہے اور پھر فوراً مجھ سے درخواست کرتا ہے کہ میرے فلاں الجھے ہوئے کام کا حل آپ کے ذریعہ ممکن ہے برائے مہربانی اس سلسلہ میں میری مدد فرمایئے۔ یا کسی اور مسئلہ میں مدد کی درخواست کرتا ہے ۔۔۔ کوئی بھی محض میری حوصلہ افزائی کی غرض سے مجھ سے ملاقات کے لئے نہیں آتا۔"

مزید کہتے ہیں کہ۔

"حقیقتاً کس قدر افسوس کی بات ہے کہ مُترقی کہی جانے والی دنیا میں خطیبوں' مصنفوں اور ادیبوں کو روزانہ دسیوں ایسے خطوط موصول ہوتے ہیں جن میں لکھنے والے بے لوث' بغیر کسی ذاتی غرض و مقصد کے' انتہائی صمیم قلب کے ساتھ محض حوصلہ افزائی کی غرض سے

Marfat.com

ان کی تعریف و قدر دانی کرتے ہیں۔ جبکہ ہمارے ملک میں بہت کم ایسے خطیب اور مصنف ہوں گے جن کی بغیر کسی غرض و مطلب کے تعریف و تشویق کی جاتی ہو۔"

پاکیزگی میں اضافہ کے لئے اسلام کالائحہ عمل

اسلام کی ایک گرانقدر اور تعمیری اثرات کی حامل تعلیم یہ ہے کہ مسلمان خداوندِ عالم کی بے پایاں نعمتوں کا شکر گزار رہے۔ درحقیقت قدر شناسی کی حس باطنی آزادی (یعنی وہ چیز جو اسرار آمیز طور پر انسانی شخصیت سے پیوستہ ہے) کی تسکین کا ذریعہ ہے۔

معاشرہ میں انسانی فضائل کو فروغ دینے کے لئے جذبات کی تحریک و تشویق ایک موثر ومفید عامل ہے۔ اگر لوگ نیکوکاروں کے لئے خوشگوار اور بدکاروں کے لئے ناگوار ردِّعمل کا مظاہرہ کریں تو معاشرہ سلامتی وکمال کی جانب راہ پر آگے ہی آگے بڑھے گا۔ کیونکہ جب افرادِ معاشرہ کے دلوں میں بروں کے لئے سخت اور تنفر آمیز جذبات پائے جائیں اور نیک و پرہیز گار لوگوں کے بارے میں قدر دانی وستائش کے جذبات موجود ہوں تو قدرتی طور پر معاشرہ کا رجحان فضیلت و تقویٰ کی جانب ہوگا اور پاکیزہ اہداف وخواہشات کو فروغ حاصل ہو گا۔ قدرو قیمت کا معیار و ملاک روشن ہونے کی وجہ سے اچھے اور برے افراد علیحدہ علیحدہ صفوں میں کھڑے نظر آئیں گے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام مالکِ اشتر کے نام اپنے تاریخی فرمان میں اس بارے میں یوں نصیحت فرماتے ہیں۔

Marfat.com

"ولا یکونن المحسن والمسیء عندک بمنزلہ سواءٍ فان فی ذلک تزھید لاھل الاحسان فی الاحسان وتدریبا لاھل الاسائۃ علی الاسائۃ والزم کلا منھم ماالزم نفسہ۔"

"تمہاری نظر میں نیکوکار اور بدکار کو ایک ہی مقام حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ طرزِ عمل نیکوکاروں کو نیکی و پرہیزگاری کے کاموں سے دور کردے گا اور بدکاروں کو بدی کی ترغیب دے گا۔ ان میں سے ہر ایک کو اس کی اختیار کردہ راہ و رَوِش کے مطابق اجرو پاداش دو۔" (نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵۳)

بعض ایسے افراد جو کمال کے اعلیٰ ترین مدارج پر فائز ہوتے ہیں ان کے لئے وظائف و فرائض کی بجا آوری کے بعد حاصل ہونے والا سکون و اطمینان ہی بہترین اجروپاداش اور ان کاموں کی انجام دہی کے لئے تحریص و تشویق کا سبب ہے۔ لیکن ایسے افراد کمیاب ہوتے ہیں اور اس آئیڈیل اخلاقی سطح تک رسائی معدودے چند ہی افراد کو میسّر ہوتی ہے۔ اکثر لوگ کمال کی اس منزل پر نہیں پہنچ پاتے کہ تحسین و ستائش سے بے نیاز ہوں۔ لہٰذا حوصلہ افزائی، تشویق اور قدر دانی کی اہمیت اور تاثیر سے کسی طور غفلت نہیں برتی جاسکتی۔

مشہور ماہرِ نفسیات "شاختر" کہتا ہے کہ۔

"اگر آپ کسی پر اعتراض کو ضروری سمجھیں اور اس کے کسی عمل پر تنقید کرنا چاہیں تو لازم ہے کہ پہلے اس کے کسی اچھے عمل کی تعریف کیجئے۔ تاکہ قدر دانی کے بارے میں اس کی احتیاج کی تسکین ہو

جائے۔ پھر اس کے بعد اگر آپ اس کے کام پر تنقیدی رائے پیش کریں گے تو اُسے یہ بات چنداں ناگوار نہ گزرے گی بلکہ وہ آپ کے اعتراض اور اصلاح کے بارے میں آپ کے نکتہ نظر کو نہایت ذوق و شوق سے قبول کرے گا۔"

اگر کوئی منیجر اپنے سکریٹری کے ٹائپ کئے ہوئے خط کو نامناسب سمجھتا ہو تو اُسے اس طرح اظہار کرنا چاہئے۔

"کل تمہارا ٹائپ کیا ہوا خط بہت واضح و عمدہ تھا لیکن یہ خط کچھ غیر واضح سا ہے۔ ذرا اس کی اصلاح کر کے دوبارہ ٹائپ کر دو۔ یقیناً آپ کا سکریٹری اس بات سے دل گرفتہ نہ ہو گا بلکہ وہ شکریہ کے ساتھ آپ کی جانب سے کی جانے والی قدر دانی اور توجہ کو قبول کرے گا اور اپنے کام کو زیادہ محنت اور توجہ کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کرے گا۔

جب آپ دیکھیں کہ ہوٹل کا بیرا نہایت تیزی سے اِدھر اُدھر مختلف میزوں پر اشیاء خوردونوش فراہم کر رہا ہے لیکن کافی دیر گزر جانے کے باوجود آپ کے پاس نہیں آیا تو اس پر ناراض نہ ہوئیے اور اس سے ترش روئی سے پیش نہ آیئے۔ بلکہ جب وہ آپ کے پاس آئے تو اس کے کام کی سختی کا ذکر کر کے اس کی محنت و تندہی کو سراہتے ہوئے اپنی بات کیجئے۔ یقین رکھئے وہ مزید لگن سے اپنے کام میں مشغول ہو جائے گا اور ساتھ ہی جتنا جلد ممکن ہو گا آپ کی میز کو بھی اشیاء خوردونوش سے سجادے گا۔"

Marfat.com

ہر شخص خواہ وہ کسی بھی سن و سال کا ہو اور کسی بھی مقام و مرتبہ پر فائز ہو دلی طور پر اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ لوگ اس کے کئے ہوئے کاموں پر توجہ دیں۔ حتیٰ اگر کوئی عُمر رسیدہ مُعلّم مدّتوں درس وتدریس کے فرائض انجام دینے اور برسوں اپنی تعریف و تمجید سننے کے بعد بھی اپنے کسی چھوٹے سے شاگرد سے یہ سنے کہ۔

"سر آج آپ نے بہت اچھا پڑھایا ہے۔" تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا۔

لوگ توجہ وقدردانی کے خواہشمند ہوتے ہیں، آپ ان کی یہ خواہش پوری کیجئے تاکہ زندگی کی سختیاں آسان وخوشگوار ہو جائیں۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی اور تعریف و تمجید کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیجئے تاکہ دوسرے بھی توجہ وقدردانی کے سلسلے میں آپ کی خواہش کو پورا کریں۔"

(رشدِ شخصیت۔ص۴۶،۴۵)

ہمیں یہ بات ہمیشہ ملحوظ رکھنی چاہئے کہ افرادِ بشر میں جس طرح نمایاں اخلاقی خوبیاں پائی جاتی ہیں اسی طرح ممکن ہے ان کے اندر بعض نقائص ومعائب بھی موجود ہوں۔ ہم خود اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں اور خرابیوں اور نقائص سے مبّرا نہیں۔ لہٰذا دوسروں کی کمزوریوں پر انگشت نمائی کی بجائے ان کی خوبیاں اور امتیازات پیشِ نظر رکھیں۔ حضرت علی علیہ السلام ایک نہایت عمدہ تعبیر کے ذریعہ اس جانب ہماری توجہ مبذول فرماتے ہیں۔

"کن کالنحلة اذا اکلت طیباً و اذا وضعت

وضعت طیبا وان وقعت علی عود لم تکسرہ"

"شہد کی مکھی کی مانند بنو جو بہترین چیز کو اپنی غذا بناتی ہے اور بہترین چیز (شہد) کو خود سے خارج کرتی ہے اور جب کسی شاخ پر بیٹھتی ہے تو اسے نقصان نہیں پہنچاتی۔" (غرر الحکم۔ ص ۵۶۹)

جب کبھی آپ کے دوست احباب آپ سے محبت اور حُسنِ سلوک کا برتاؤ کریں، جب آپ دیکھیں کہ وہ نہایت خلوصِ دل اور حُسنِ نیت کے ساتھ آپ کی خواہشات و تقاضوں کی تکمیل اور مشکلات رفع کرنے میں مصروف ہیں تو اخلاقی طور پر آپ کا فرض ہے کہ ان کا شکریہ ادا کیجئے، ان کے خلوص کو سراہیے اور بے دریغ ان کے ساتھ اپنی محبت و الفت کا اظہار کیجئے۔

قدردانی ممکن ہے کبھی آپ کے ایک مثبت، نیک، بے لوث اور ہر قسم کی ریا سے پاک اقدام سے ظاہر ہو جائے۔

"کروٹین" لکھتا ہے کہ میرا بیٹا جو میڈیکل کالج میں زیرِ تعلیم ہے یوں حکایت کرتا ہے۔

"اسپتال میں داخل ایک مریض کو خون کی ضرورت پڑی۔ اسے ایک شخص سے حاصل کیا ہوا خون چڑھا دیا گیا۔ صحت یابی کے بعد مریض نے کہا کہ جس شخص نے اسے خون دیا ہے وہ اس سے ملنا چاہتا ہے۔ اسے بتایا گیا کہ اسپتال میں خون دینے والوں کے نام ظاہر نہیں کیے جاتے۔ الغرض یہ مریض مکمل طور پر صحت یاب ہو کر اپنے گھر منتقل ہو گیا۔ چند ہفتہ بعد وہی صحت یاب ہونے والا مریض خود بھی اسپتال خون دینے آیا اور پھر مسلسل وہ خون دینے آنے لگا۔ ایک روز ڈاکٹر

Marfat.com

نے اس سے دریافت کیا کہ تم کیوں مسلسل خون دینے آتے ہو' آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ اس نے نہایت سادہ سا جواب دیا کہ۔ "ایک اجنبی شخص نے اپنا خون دے کر میری جان بچائی تھی میں اس طرح خون دے کر اُس کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔"

(دانستنیہائی جہانِ علم۔ص۱۵۹)

نیکی واحسان پر کم از کم زبانی اظہارِ تشکر و قدردانی بھی نہ کرنا مردانگی اور مروّت کے خلاف ہے اور یہ عمل ایک طرح کی حق تلفی کے زُمرہ میں آئے گا۔

ناقدری کے عظیم نقصانات

ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ جس قدر بھی آپ ان کے ساتھ اچھائی اور نیک سلوک کریں' ان کی معاونت کریں لیکن پھر بھی زبانی تو درکنار وہ دل میں بھی آپ کے اس عمل کی قدر نہیں کرتے۔ گویا ان سے نیک برتاؤ اور ان کی مدد دوسروں کے فرائض و ذمہ داریوں میں سے ہے اور خود ان کا فرض محض ناشکری اور احسان فراموشی ہے۔ ہم سب ہی کا کبھی نہ کبھی ایسے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ ان کا یہ سلوک' عقل' انسانیت اور کسی بھی منطق سے سازگار نہیں۔

حضرت علی علیہ السلام ان ناقدر لوگوں کو حیوانات کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

"من لم یشکر الانعام فلیعد من الانعام"

"جو شخص دوسروں کا شکریہ ادا نہ کرے اس کو جانوروں میں شمار کرنا

Marfat.com

چاہیے۔" (غرر الحکم۔ص ۶۷۲)

حتیٰ اگر کوئی حسنِ نیت اور خلوصِ دل کے ساتھ آپ کی مدد کرنا چاہتا ہو لیکن عملاً اس میں کامیاب نہ ہو سکے تب بھی اس کی نیک نیتی اور خلوص کو سراہنا چاہیے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"من لم یحمد اخاہ علی حسن النیة لم یحمدہ علی الصنیعة"

"جو شخص اپنے دوست کی نیک نیتی اور خلوصِ دل پر اس کا شکریہ ادا نہ کرے تو وہ اس کے نیک عمل اور خدمت پر بھی اس کا مشکور نہ ہو گا۔"

امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا۔

"خیر اخوانک من نسی ذنبک وذکر احسانک الیہ"

"تمہارا بہترین دوست وہ ہے جو تمہاری لغزشوں کو فراموش کر دے اور تمہارے احسانات کو یاد رکھے۔"

انسان کو ناشکری کے ناقابلِ تلافی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص دوسروں کی مہربانیوں اور خدمات کا یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ انہیں اس سلسلہ میں کافی زحمتیں اور مشقتیں جھیلنا پڑیں ہیں شکریہ ادا نہیں کرتا' انہیں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تو دوسرے بھی آئندہ اس کی مشکلات کے حل کے سلسلہ میں رغبت کا اظہار نہیں کرتے۔ حضرت علی علیہ السلام

ایک مختصر جملہ میں اس زیاں اور محرومیت کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"من لم یشکر الاحسان لم یعدہ الا الحرمان"

"جو شخص نیکی و احسان پر شکریہ ادا نہ کرے وہ محرومی کے سوا کچھ نہیں پائے گا۔" (غرر الحکم۔ص ۷۰۴)

مالکِ اشترؒ کو اپنے فرمان میں قدردانی کی اہمیت اور اس کے پُرثمر نتائج کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"لا تدع تفقد لطیف امورھم اتکالا علی جسیمھا فان للیسیر من لطفک موضعاً ینتفعون به وللجسیم موقعاً لا یستغنون عنه....."

"اس خیال سے کہ تم نے ان کی بڑی ضرورتوں کو پورا کر دیا ہے' کہیں ان کی چھوٹی ضرورتوں سے آنکھ بند نہ کر لینا۔ کیونکہ یہ چھوٹی قسم کی مہربانی بھی اپنی جگہ فائدہ بخش ہوتی ہے اور وہ بڑی ضرورت اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہے۔"

"فافسح فی آمالھم وواصل فی حسن الثناء علیھم و تعدید ما ابلی ذووا البلاء منھم فان کثرة الذکر الحسن افعالھم تھز الشجاع و تحرض الناکل....."

"لہذا لوگوں کی امیدوں میں وسعت و کشائش رکھنا' انہیں اچھے

Marfat.com

لفظوں سے سراہتے رہنا اور ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا۔ اس لئے کہ انُ کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لے آتا ہے اور پست ہمتوں کو ابُھارتا ہے۔"

(نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵۳)

حوصلہ افزائی اور قدردانی کے سلسلہ میں کئے گئے بعض تجربات کا حاصل ملاحظہ فرمایئے۔

"اگر ماں باپ اور اولاد ایک دوسرے کے اچھے کاموں کی تعریف و تمجید کریں تو نفسیاتی کلینک پر جمع ہونے والے احساسِ کمتری کے مریضوں کی تعداد بڑی حد تک کم ہوسکتی ہے۔"

"دوسروں کی طرف سے کی جانے والی تعریف و ستائش کی حرارت سے انسان خود کو گرم رکھتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ شدّت کے ساتھ احساسِ کمتری کا شکار ہو جاتا ہے۔"

"اگر آپ اپنی اٹھائی گئی زحمتوں اور مشقتوں کے جواب میں کلمہ تشکر نہ سنیں تو آپ کی زندگی سخت دشوار ہو جائے۔"

"بسا اوقات میں اپنے آپ کو اس عورت کی مانند سمجھنے لگتا ہوں جس نے اپنی زندگی کے انتہائی قیمتی بیس سال چرواہوں کی خدمت میں گزار دیئے اور ہمیشہ ان کی طرف سے صرف ایک کلمہ تحسین کی منتظر رہی۔ لیکن ایک دن اس نے سنا کہ وہ اس کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ یہ عورت تو بے وقوف ہے۔ اس عورت نے پلٹ کر جواب دیا کہ آج تک میں نے تم سے کوئی ایک بھی ایسی بات نہیں

Marfat.com

سُنی جس سے مجھے معلوم ہو کہ تم دیوانوں اور غیر دیوانوں میں تمیز کر سکتے ہو۔"

ڈاکٹر "وائل" جو بچّوں کے پیچیدہ امراض کے علاج کا کافی وسیع تجربہ رکھتے ہیں ایک دن ایک ایسے ہی بچّے کا علاج کرتے ہوئے جس کی بیماری قابلِ توجہ حد تک شدید تھی مجھ سے کہنے لگے کہ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کبھی کبھی تعریف و توصیف کو بھی ڈاکٹری ہدایات میں شامل ہونا چاہئے۔ بتانے لگے کہ یہ قصّہ میرے زیرِ علاج دو جڑواں بچّوں کا ہے۔ ان میں سے ایک غیر معمولی طور پر ذہین جبکہ دو سرا ذرا کند ذہن نظر آتا تھا..... ان بچّوں کے والدین میرے پاس اسی ثانی الذکر بچّے کے علاج کے سلسلے میں آئے۔ دورانِ علاج جب اس بچّے کو مجھ پر اعتماد ہو گیا تو وہ اس مرض میں مبتلا اکثر بچّوں کی مانند مجھ سے پوچھنے لگا۔ لوگ میرے بھائی کی طرح مجھ سے محبت کیوں نہیں کرتے؟ جب وہ کوئی غلط کام کرتا ہے تو مسکرا کے اسے نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن جب وہی بات مجھ سے سرزد ہوتی ہے تو سختی سے پیش آتے ہیں۔ میں ہرگز اس خوبی سے کام انجام نہیں دے سکتا جس قدر خوبی سے میرا بھائی کام کرتا ہے۔

ڈاکٹر وائل گفتگو جاری رکھتے ہوئے مزید کہنے لگے۔ میں نے ان دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا حتیٰ اسکول میں بھی علیحدہ علیحدہ کلاسوں میں بٹھایا۔ ان کے ماں باپ سے درخواست کی کہ کند ذہن بچّے کا اپنے بھائی سے مقابلہ نہ کروائیں اور کوشش

Marfat.com

کریں کہ اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں کی بھی تعریف کریں۔۔۔۔ اس کوشش کے نتیجہ میں یہ بچّہ کچھ ہی عرصے میں خود اپنے پیروں پہ کھڑا ہونے کے قابل ہو گیا۔"

"میرے ایک واقف کار جو خاصے صاحبِ ثروت ہیں اکثر اس بات پر فخر کا اظہار کیا کرتے تھے کہ انہوں نے کبھی اپنے خدمتگاروں کو ایک دینار بھی بخشش نہیں دی۔ ایک روز جبکہ سال کا پہلا ہی دن تھا اطلاع موصول ہوئی کہ ان کے اکاؤنٹنٹ نے خودکشی کرلی ہے۔ گو حساب کتاب بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ اکاؤنٹنٹ غیر شادی شدہ اور خوشگوار زندگی بسر کر رہا تھا اس لئے خودکشی کی کوئی ظاہری وجہ سمجھ سے بالاتر تھی۔ ہاں اس نے اپنے مالک کے نام ایک مختصر نوٹ چھوڑا تھا جو اس کی خودکشی کی وجہ بیان کرتا تھا۔ اس نوٹ کا مضمون کچھ یوں تھا کہ۔

"میں نے تقریباً تیس سال سے حوصلہ افزائی کا ایک کلمہ بھی نہیں سنا اب یہ بات میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو چکی ہے اور میں اپنی زندگی سے سیر ہو چکا ہوں۔"

(کلید ھائی خوش بختی۔ص ۳۳۵، ۳۳۷)

خود اعتماد اور صحت مند شخصیت رکھنے والا فرد ہی حوصلہ افزائی اور تشکر کی روح سے سرشار ہوتا ہے۔ جبکہ بے جا مدح و ثناء احساسِ حقارت، شخصیت کی فرومائیگی، خوف و تزلزل کی علامت ہے۔ بے موقع تحسین و آفرین ان لوگوں کا شیوہ ہے جو اس کے ذریعہ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ایسی ستائش جو طمع ولالچ

Marfat.com

کی غرض سے کی جائے کیونکہ خلوصِ نیت کے ساتھ نہیں بلکہ کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے اس لئے ہر قسم کی قدروقیمت سے عاری ہوتی ہے۔ یہ مفاد پرست ستائش کرنے والے ان ماہر شکاریوں کی مانند ہیں جو مدح و ستائش کا جال پھیلائے بیٹھے ہوں۔

"ولٹر" کہتا ہے۔

"جو لوگ چرب زبانی میں ماہر ہوں اکثر ان کے دل میں کوئی ناپاک ارادہ ہوتا ہے۔"

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا۔

"الثناء باکثر من الاستحقاق ملق والتقصیر عن الاستحقاق عی او حسد"

"کسی کے استحقاق سے زیادہ تعریف کرنا چاپلوسی اور استحقاق سے کم تعریف کرنا عاجزی و حسد ہے۔" (سفینۃ البحار جلد ۲۔ ص ۵۲۸)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"لیس من خلق المؤمن الملق"

"چاپلوسی مومن کی صفت نہیں ہوتی۔"

بے جا مدح و ثناء غرور کا سبب بن جاتی ہے اور مغرور شخص اگر صاحبِ قدرت و نفوذ ہو جائے تو دوسروں کی پندونصیحت قبول نہیں کرتا اور حق و حقیقت پر انحصار کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

حضرت علی علیہ السلام مالکِ اشترؓ کے نام اپنے فرمان میں فرماتے ہیں کہ۔

"ثم رضهم علی ان لا یطروک ولا یبحوک بباطل لم

Marfat.com

تفعلہٗ فان کثرۃ الاطراء تحدث الزھوٗ وتدنی من الغرۃ"

"لوگوں کی اس طرح تربیت کرو کہ وہ تمہاری بے جا مدح و ثناء نہ کریں۔ چاپلوسی نہ کریں اور ایسے کاموں پر تمہیں نہ سراہیں جو تم نے انجام ہی نہ دیئے ہوں۔ کیونکہ حد سے زیادہ ستائش انسان کو خود پسند بنا دیتی ہے اور آدمی کو غرور و نخوت میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

(نہج البلاغہ مکتوب نمبر ۵۳)

لہٰذا اگر کسی کی حد سے زیادہ تجلیل کی جائے اور اس کے قد سے بڑھ کر اسے بتایا جائے تو نہ صرف یہ کہ ایسے شخص کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا' وہ جہاں ہوتا ہے وہیں رہتا ہے بلکہ خوش آمد و چاپلوسی کرنے والا اپنی شخصیت گرا بیٹھتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے استحقاق سے کم اس کی تعریف و توصیف کی جائے تب بھی یہ شخصیت کو گھٹا کر پیش کرنے والے کے نفسیاتی عدم توازن اور حسد کی علامت ہے۔

چنانچہ جو جس حد تک احترام و ستائش کے قابل ہے اسے اسی سطح پر رکھا جائے۔ اس طرح آپ اور اُس دوسرے' دونوں کی شخصیت محفوظ رہے گی۔ اِس طرح نہ وہ کبر و نخوت کے دام میں پھنسے گا اور نہ آپ حقیر و بے مایا شمار ہوں گے۔

دوسری طرف کیونکہ چاپلوس آدمی کی باتیں حق و حقیقت پر مبنی نہیں ہوتیں اور وہ انسان کے باطن سے نہیں پھوٹتیں اس لئے اس ریاکارانہ تحسین و ستائش پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جو شخص ایک خاص مقصد کے تحت

Marfat.com

آپ کی تعریف کر رہا ہے ممکن ہے آپ کے غیاب میں اپنی کسی اور مصلحت کے لئے آپ پر اعتراض اور آپ کی بدگوئی سے پرہیز نہ کرے اور آپ کو ملامت و استہزاء کا ہدف قرار دے۔

حضرت علی علیہ السلام چاپلوسوں کی اس نفرت انگیز خصوصیت کے بارے میں یوں فرماتے ہیں۔

"من مدحک بما لیس فیک فھو خلیق ان یذمک بما لیس فیک"

"جو شخص تمہیں ایسے فضائل و خصوصیات کی وجہ سے سراہے جو تم میں موجود نہ ہوں' تو وہ ایسی برائیوں پر بھی تمہاری مذمت کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کرے گا جو تم میں نہیں پائی جاتیں۔"

جس طرح تشویق و تحسین انسان کی ایک نفسیاتی احتیاج اور اس کے تکامل و تعالی کا موجب ہے اسی طرح بے جا اور مسلسل سرزنش و ملامت انسانی نفسیات پر نامطلوب اثرات کا سبب بنتی ہے اور ممکن ہے انسان کو ناپاکی اور مفاسد کی راہ پر کھینچ لے جائے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"ایاک ان تکرر العتب فان ذلک یغری بالذنب ویھون العتب"

"بار بار سرزنش و ملامت سے پرہیز کرو کیونکہ یہ طریقہ گناہوں میں آلودہ ہو جانے اور ملامت کے بے اثر بن جانے کا سبب بنتا ہے۔" (فہرست غرر الحکم۔ ص ۳۵۹)

Marfat.com

بچّوں کو خوش کرنا خود ایک طرح کی موثر تشویق ہے' جو ان کی محبت حاصل کرنے اور ان سے قلبی تعلق استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"اذا نظر الوالد الی ولده فسره کان للوالد عتق نسمة"

"اگر باپ اپنی پیار بھری نظروں سے بچّے کو خوش کردے تو بارگاہِ خدا میں اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔"

(مستدرک جلد ۲۔ص ۶۲۶)

"برٹرینڈرسل" کہتا ہے۔

"ضروری ہے کہ سرزنش و ملامت کے مقابلہ میں تعریف و ستائش زیادہ کی جائے۔ تنبیہہ و تہدید کا پہلو محدود ہونا چاہئے۔ اسے صرف ان مواقع پر کام میں لانا چاہئے جب بچّہ خلافِ توقع کوئی بُرا عمل انجام دے۔ اور جب یہ ڈانٹ پھٹکار اپنا اثر دکھادے تو پھر اسے جاری رکھنا مناسب نہیں۔

بچّوں کی پُر خلوص محبت کا حصول ہماری قیمتی ترین خوشی و مسرّت ہے۔ ہمارے آباؤاجداد اور بزرگ اس مسرّت سے آگاہ نہ تھے اس لئے انہیں معلوم ہی نہ تھا کہ وہ کس چیز سے محروم ہیں۔ یہ لوگ بچّوں کو اس بات کی تعلیم دیتے تھے کہ والدین سے محبت ان کا فرض ہے اور پھر ان کے ساتھ ایسا سلوک کرتے تھے کہ اس فریضہ کی انجام دہی بچّوں کے لئے تقریباً ناممکن ہوجاتی۔ "کیرولین" اس فصل کے

Marfat.com

آغاز میں ایک شعر روایت کرتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ "بہت کم ایسا ہوا ہے کہ میں اپنے باپ سے ملاقات کے لئے گیا ہوں اور خوش ہوا ہوں کیونکہ میں صرف اور صرف اس لئے جاتا ہوں کہ کہیں وہ (نہ آنے پر) مجھے تازیانے نہ مارے۔" جب یہ طرزِ فکر مسلط ہو جائے یعنی محبت والفت ایک فرض ہے اور اس فرض کی ادائیگی کے لئے باقاعدہ حکم دیا جانے لگے تو ہرگز بچّوں کی سچّی محبت حاصل نہیں کی جا سکتی۔ اس طرح لوگوں کے باہمی روابط خشک، سخت، سرد اور تلخ رہ جائیں گے۔ آزار اور تنبیہہ اس تصوّر کا ایک کُلّی حصّہ تھی۔ خدا کے کرم سے گذشتہ صدی میں والدین اور بچّوں کے اس ربط و تعلق کے بارے میں ایک بہتر تصوّر اجاگر اور رائج ہوا ہے اور بتدریج چھاتا جا رہا ہے۔ اور قدیم سخت تنبیہہ آمیز رویہ یکسر تبدیل ہو چکا ہے اور مجھے امید ہے کہ تعلیم و تربیت کے نئے اور روشن افکار جو دنیا بھر میں غلبہ حاصل کر رہے ہیں بتدریج دوسرے انسانی روابط میں بھی نفوذ کر جائیں گے۔ کیونکہ جس طرح بچّوں کے بارے میں ان نظریات و رجحانات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے اسی طرح تمام دوسرے انسانی روابط بھی ان کے محتاج ہیں۔" (در تربیت۔ ص ۱۲۵-۱۲۲)

تربیت کا یہ اصول جسے انگریز دانشور گذشتہ صدی کی سوغات کہتے ہیں اس سے ۱۳۰۰ سال قبل پیغمبرِ اسلامؐ کی تعلیمات میں موجود تھا۔ آنحضرتؐ کی عطوفت و مہربانی صرف اپنے بچّوں تک محدود نہ تھی بلکہ نہایت سادگی کے ساتھ آپؐ دوسروں کے بچّوں سے بھی محبت و مہربانی سے پیش آتے تھے اور ان پر

بھی بے دریغ لطف و کرم نچھاور کرتے تھے۔ آنحضرتؐ کی اسی رَوِش کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ۔

"والتلطف بالصبیان من عادة الرسولؐ"

"بچّوں کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آنا اور ان پر خاص توجہ دینا رسولِ اکرمؐ کے اخلاق میں شامل تھا۔"

خرابیوں کے خلاف جہاد

نیکوکاروں کو نیکیوں پر ابھارنے اور بدکاروں کی حوصلہ شکنی کے لئے ایک موثر عامل امربالمعروف و نہی عن المنکر کا رواج ہے۔ کسی معاشرہ کی عظمت و کامیابی کی بنیاد اخلاقی اقدار کی قدر و قیمت سے وابستہ ہے لیکن اخلاقی خرابیوں کا پھیلاؤ اقدار کو تہ و بالا کر کے رکھ دیتا ہے۔ اور انسانوں کو خودبخود تقویٰ و پرہیزگاری کی راہ سے دور کر کے ہوا و ہوس کے راستے پر لے جاتا ہے۔ فطرتاً گناہ سرعت کے ساتھ پھیلتا ہے اور نہایت تیزی سے معاشرہ کے مختلف ابعاد اور پہلوؤں پر اپنے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اگر گناہ کی جڑ کو ابتداء ہی میں نہ کاٹ دیا جائے تو اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے' اطراف و جوانب کے ماحول کو آلودہ کر دیتا ہے اور سالم و صحت مند چیزوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

بُرائیوں کے شرمناک اور قبیح نتائج محض ان گناہوں کے مرتکب افراد تک ہی محدود نہیں رہتے بلکہ اس کے شعلے ان لوگوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جو بُرائیوں کے پھیلاؤں سے لاتعلق رہ کر انہیں مزید پھلنے پھولنے کا

Marfat.com

موقع فراہم کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ گناہوں کی روک تھام پر قادر ہونے کے باوجود منفی رویہ اختیار کرتے ہیں اور ہر قسم کی ہدایات ونصائح سے پرہیز کرتے ہیں۔ بے شک ایسے لوگ بھی کیونکہ معاشرہ کو گناہوں سے آلودہ کرنے میں شریک رہے ہیں اس لئے اس کی سزا سے بھی نہیں بچ سکتے۔

انسان کو بُرائیوں کے مقابل سکوت کی بجائے اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنا چاہئے۔ کیونکہ جس طرح دوسروں کو باقاعدہ طور پر بُرائیوں کی جانب لے جانا گمراہی کا عامل ہے اسی طرح قدرت و اختیار کے ہوتے ہوئے گناہگاروں کے کاموں سے بے اعتنائی برتنا' انہیں گناہوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش نہ کرنا بھی گناہ و انحراف کا ایک عامل شمار ہوگا۔

اخلاق وفضیلت کی راہ دکھانے والے اور بشریت کے رہنما گاہے بگاہے اپنے امکانات کے مطابق لوگوں کو مختلف برائیوں سے آگاہ اور ان کے زیاں بخش آثار ونتائج سے خبردار کرتے رہے ہیں۔

یہ ہستیاں اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھیں کہ معاشرہ میں گناہوں کے پھیلاؤ اور بُرائیوں کے جڑ پکڑ جانے کے نتیجے میں' ارتقاء کی راہ پر جاری انسانیت کا سفر رک جاتا ہے۔ منکرات سوائے مفہومِ آزادی کو مضمحل اور نابود کردینے کے کوئی خاصیت نہیں رکھتیں۔ ایسا معاشرہ جس کے افراد حقائق کو درک کرنے کی قوت کھو چکے ہوں وہ برائیوں کو اچھائی' انحطاط کو ترقی اور بے لگامی کو آزادی سمجھنے لگتا ہے۔

مذہبی تعلیمات میں اس مفہوم کی تاکید ہوئی ہے کہ اگر کوئی یہ دیکھے کہ کوئی نازیبا حرکت انجام دی جارہی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی تمام استعداد

Marfat.com

و قوت کے ساتھ اس کے تدارک کی کوشش کرے۔

توانائی کے مختلف درجات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بُرائیوں کے خلاف جہاد کے بھی گوناگوں مراحل بیان ہوئے ہیں۔ ان کی رو سے انسان ہر حال میں ذمہ دار ہے کہ بُرائیوں کے خاتمے کے لئے اپنی تمام کوششوں کو بروئے کار لائے۔ طاقتوروں پر واجب ہے کہ اپنی اس قوت کو جو خداوندِ عالم نے انہیں عطا کی ہے' جرائم کو ختم کرنے اور کجروں کی تادیب کے لئے کام میں لائیں اور اگر کوئی اصلاحِ معاشرہ کے لئے ضروری قوت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے کام لے اور دل پذیر گفتگو کے ذریعہ ناپسندیدہ اعمال کے معائب اور زندگی میں پیش آنے والے ان کے نامطلوب اثرات لوگوں کے سامنے واضح کرے۔

ظاہر ہے کہ نیکی کی تلقین کرنے والے کو خود بھی نیکی پر عامل اور اخلاقی فضائل کا حامل ہونا چاہئے تاکہ دوسرے اس کی باتوں کو دل وجان سے قبول کریں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو اس کی نصیحت آمیز گفتگو لوگوں کے دل کی گہرائیوں میں نہ اتر سکے گی اور اس کی تمام تبلیغ بے روح اور بے اثر رہے گی۔ چنانچہ ایسا شخص بُرائیوں کے خلاف جہاد سے محروم اور قلبی طور پر ان سے تنفر سے عاجز رہے گا۔

البتہ اگر بُرائیوں کے خلاف جہاد کی راہیں مسدود بھی نظر آئیں تب بھی ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ نہیں جانا چاہئے۔ بلکہ کم از کم اپنے رویے سے گناہ گار کو یہ احساس دلانا چاہئے کہ وہ گناہ کا مرتکب ہو رہا ہے اور اس سے الفت و محبت کے تعلقات کو توڑ لینا چاہئے۔ اس طرح گناہ گار محسوس کرے گا کہ وہ معاشرہ سے کٹ رہا ہے اور اس کے لئے گناہ کا مرتکب رہتے ہوئے معاشرہ سے تعاون

Marfat.com

اور ہمدردی کا حصول ممکن نہیں۔

اسلام میں بُرائیوں اور مفاسد کے خلاف جہاد کو بہت اہمیت دی گئی ہے' اس جانب مسلسل متوجہ کیا گیا ہے اور بشریت کو نیکیوں کی جانب مائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم نے کامیابی کی حدود کو بڑے واضح الفاظ میں پیش کر دیا ہے اور کامیابی کو ایسے لوگوں کا مقدر قرار دیا ہے جو لوگوں کو نیکی کی جانب بلاتے اور بُرائیوں سے پرہیز کی دعوت دیتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

"ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر واولپک هم المفلحون"

"اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو خیر کی دعوت دے' نیکیوں کا حکم دے' بُرائیوں سے منع کرے اور یہی لوگ نجات یافتہ ہیں۔" (سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۰۴)

لہٰذا وہی لوگ سعادت کے دائرہ میں قرار پائیں گے جن کی رَوش اس بنیاد پر استوار ہو یعنی نیکیوں کا حکم دینا اور بُرائیوں سے روکنا ان کی زندگی کا ناقابل تفکیک لائحہ عمل ہو۔ پھر خداوندِ عالم اسی سورے کی ایک دوسری آیت میں اس قوم کے لئے شرف و فضیلت کے عالی ترین درجات کے قائل ہونے کا اظہار کرتا ہے جو زندگی کے مختلف مراحل میں ہمیشہ اس اصول پر تکیہ کرتی ہے۔

"کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنکر و تؤمنون

Marfat.com

باللہ....."

"تم بہترین امّت ہو جسے لوگوں کے لئے منظرِ عام پر لایا گیا ہے۔ تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور بُرائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو....."(سورۂ آلِ عمران ۳- آیت۱۱۰)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"کن آمرأ بالمعروف وعاملا به ولا تکن ممن یا مربه وینهی عنه فتبوء باثمه وتتعرض لمقت ربه۔"

"نیکیوں کا حکم دو اور ان پر عمل بھی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم نیکیوں کا حکم دینے اور بُرائیوں سے روکنے کے باوجود خود گناہوں کے مرتکب ہو کر اپنے پروردگار کے غضب کا نشانہ بن جاؤ۔"

(غررالحکم -ص ۵۶۹)

پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"لا یزال الناس (امتی) بخیر ما امروا بالمعروف ونهوا عن المنکر وتعاونوا علی البر"

"میری امّت کے لوگ اس وقت تک خیرو آسائش کے ساتھ رہیں گے جب تک وہ امربالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا رہیں گے اور نیکیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے۔"

"فاذا لم یفعلوا ذالک نزعت منهم البرکات وسلط بعضهم علی بعض ولم یکن لهم ناصر فی الارض

Marfat.com

ولا فی السماء۔"

"اگر لوگ ایسا نہیں کریں گے تو ان سے برکتیں واپس لے لی جائیں گی ان کے بعض افراد بعض پر مسلط ہو جائیں گے اور نہ زمین پر ان کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ آسمان میں۔"

آج کی ترقی یافتہ دنیا کے بعض ممالک نے اپنے معاشروں میں عدل و انصاف کی ترویج اور سماجی بنیادوں کو مضبوط بنانے کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ملتے جلتے قوانین وضع و نافذ کئے ہیں۔ ایک آگاہ اور معروف شخصیت کے بقول

"—— لیکن یہ بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مثلاً سوئزرلینڈ کے شہریوں کی طرح ہر شخص عدل وانصاف کا محافظ ہونا چاہئے۔ اور جس طرح ان کے آئین میں مقدس آسمانی فرمان کی مانند تحریر ہے کہ "اگر کسی فرد کو معمولی سی بے انصافی بھی نظر آئے تو اس کا فرض ہے کہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک اس کا ازالہ نہ کردے۔" (روزنامہ اطلاعات آذر ماہ ۴۲ھ ش)

اس قانون کی یہ شق عین وہی فریضہ ہے جسے اب سے ۱۴۰۰ سال قبل اسلام نے اپنے ماننے والوں پر عائد کیا تھا۔

Marfat.com

آٹھواں باب

صبر و شکیبائی کامیابی کا پل ہے

کامیابی کی مختصر ترین راہ ۳۰۲

چھلکتا ہوا منبع قدرت ۳۰۷

زندگی گزارنے کے اصولوں سے آشنائی کی ضرورت ۳۰۸

وہ درس جو شکست سے حاصل کرنا چاہئے ۳۰۹

حصولِ کمال کا ذریعہ ۳۱۳

نظم و ضبط کی ضرورت ۳۱۷

محض مسلمان ہونا ہی کامیابی کی ضمانت نہیں ۳۲۱

انسانی پرورش کے لئے دو قوی عامل ۳۲۶

ایک اعلیٰ امتیاز ۳۳۴

ضعف و ناتوانی کی پردہ پوشی ۳۳۶

پائیدار دوستی ۳۴۰

Marfat.com

کامیابی کی مختصر ترین راہ

کائنات کا ہر موجود اپنی پیدائش سے لے کر اوجِ کمال حاصل کرنے تک مصائب و مشکلات کا سامنا کرتا ہے اور یہ ایک ایسا فطری قانون ہے جو ہر خشک و تر پر حاکم ہے۔

ہر انسان اس بات کا خواہشمند ہوتا ہے کہ کامیابی کے لئے مختصر ترین راہ کا انتخاب کرے اور جلد از جلد اپنے عمل کے نتائج سے بہرہ ور ہو۔ لیکن صبرو شکیبائی کے بغیر راستے کو گھٹایا نہیں جاسکتا اور منظورِ نظرہدف تک رسائی حاصل نہیں کی جاسکتی۔ اس اخلاقی صفت سے متصف ہوئے بغیر انسان کے لئے کسی بھی قسم کی ترقی و پیش رفت کا امکان نہیں۔

کوئی بھی شخص خواہ وہ ایک عام سا آدمی ہو یا غیر معمولی قوتِ ارادی اور عقل و ہوش رکھنے والا فرد، اگر اپنے لئے کامیابی کی راہیں کھولنے کا متمنّی ہے اور اپنے وجود سے کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ صبر و تحمل کو کام میں لائے، حقیقت بینی اور تدبیر کی صلاحیتوں سے آراستہ ہو اور زندگی کے وسیع اور روشن افق پر نگاہیں جمائے۔

عظیم اور بڑے کام ہرگز آناً فاناً انجام نہیں پاسکتے۔ بڑے بڑے منصوبوں کو

جامہ عمل پہنانے کے لئے بہت زیادہ توانائی اور وقت درکار ہوتا ہے۔ وقتی سرگرمیاں خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں لیکن دیرپا اور پائیدار کامیابیوں کا سبب نہیں بن سکتیں۔

جی ہاں! عزم و ہمت اور صبر و شکیبائی ہی کے ذریعہ کامیابی کی راہ کی رکاوٹوں کو دور کیا جاسکتا ہے اور اسی کے ذریعہ سختیوں اور دشواریوں کو عبور کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کامیابی ہمیشہ مشکلات اور زحمتوں کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد زندگی کی دوڑ میں قابلِ رشک کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اور بعض پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ان کامیاب اور ناکام افراد کے درمیان بنیادی فرق نامساعد حالات میں ان کا طرزِ عمل ہے کہ آیا وہ اس حال میں فعال اور ثابت قدم رہتے ہیں یا نہیں۔

اکثر لوگوں کی راہ میں اگر کوئی مشکل آن پڑے تو وہ بجائے اس کی چارہ جوئی کے، قابلِ قدر صلاحیتوں کے حامل ہونے کے باوجود حرکت و عمل ہی سے دستبردار ہوجاتے ہیں۔ ایسے بھی لوگ ہیں جو کبھی اِس شاخ پر اور کبھی اُس شاخ پر اُڑتے پھرتے ہیں اور کسی کام کو سنجیدگی اور یکسوئی کے ساتھ انجام نہیں دیتے، ہمیشہ تزلزل اور عدم اعتماد کا شکار رہتے ہیں۔ غفلت، سستی اور تقصیر ان کی ثانوی عادت بن جاتی ہے۔ ایسے لوگ کسی صورت کامیابی کی منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

زندگی ایک ایسی جہدِ مسلسل کا نام ہے جو اوّلین دورِ حیات سے لے کر عمر کے آخری لمحات تک جاری رہتی ہے اور اس جہاد میں کامیابی کا موثر ترین

ہتھیار صبر و شکیبائی ہے۔ اس میدان میں کامیابی انہی شجاع لوگوں کے قدم چومتی ہے جو کسی قسم کی رکاوٹوں کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ٹھوکریں کھا کھا کر اٹھتے ہیں اور سعی پیہم جاری رکھتے ہیں اور تدبیر کے ناخنوں سے مشکلات کی گتھیاں سلجھاتے چلے جاتے ہیں۔

اگر ہمارے باطنی قویٰ متوسط اور حتیٰ ضعیف ہوں اور فہم و ادراک بھی عام سا ہو تب بھی صبر و شکیبائی کے ذریعہ خود کو کامل اور قوی بنا سکتے ہیں۔ درمیانِ راہ سے ایک مشکل کو کم کرنا ہمیں عمدہ طریقے سے اگلی مشکل رفع کرنے کے لئے تیار کرتا ہے۔

چھوٹے سے چھوٹا کام بھی انسان میں فعالیت ایجاد کرتا ہے' اس کی بڑے کاموں کی جانب رہنمائی کرتا ہے اور اسے مشکلات سے مقابلہ اور مقاصد کی راہ میں پیش رفت پر آمادہ کرتا ہے۔

"ڈاکٹر مارڈن" انسان کی باطنی قوتوں کی پرورش میں مشکلات کے کردار کی یوں تشریح کرتا ہے کہ۔

"جس طرح اوزار اور کل پرزے آگ پر تپ کر مضبوطی حاصل کرتے ہیں اسی طرح بہترین اخلاق مشکلات کی تنگنائے میں پرورش پاتے ہیں۔ الماس جس قدر مضبوط اور چمکدار ہوتا ہے' اسے تراشنے کے لئے اسی قدر کاوش و کوشش درکار ہوتی ہے۔"

جرمن فلسفی "کانٹ" کہتا ہے کہ۔

"ایک کبوتر دورانِ پرواز جب ہوا کو اپنی پرواز میں رکاوٹ محسوس کرتا ہے تو خود سے کہتا ہے کہ اگر یہ ہوا نہ ہوتی تو میں نہایت آسانی

Marfat.com

اور بہت تیزی کے ساتھ پرواز کر سکتا تھا۔ درحالانکہ اگر ہوا نہ ہوتی تو کبوتر خلا میں پرواز سے عاجز رہتا اور زمین پر آپڑتا۔ پس وہی عنصر جو پرواز کے دوران کبوتر پر دباؤ ڈالتا ہے خود اس کی پرواز کے لئے بنیادی عامل ہے۔"

وہ کوشش جو صعود و بلندی کے حصول کے لئے عمل میں آتی ہے خود بہت اہم ہے۔ خواہ ہم خود کو مطلوب ہدف تک نہ پہنچا سکیں اس کے باوجود ان کوششوں کے ذریعہ ہم اپنی قوّت میں اضافہ کرسکتے ہیں۔ ایسے کاہل افراد جو اپنی قوتوں کو کسی کام میں نہیں لاتے اور بے مقصد زندگی بسر کرتے ہیں وہ بسا اوقات عظیم مشکلات کے اثر سے ایسے فضائل اور قابلیتوں کے مالک بن جاتے ہیں جن کا اس سے قبل انُ میں نام و نشان بھی نہیں ہوتا اور یوں ایک کامیاب زندگی گزارتے ہیں۔

بہت سے جوانوں میں باپ کی موت کی وجہ سے' یا کچھ پاس نہ ہونے یا کسی اور مشکل کا سامنا کرنے کی بناء پر غیر معمولی قوّت اور حیرت انگیز صلاحیتیں جنم لیتی ہیں۔ قید و اسیری بہت سے لوگوں میں چھپی ہوئی صلاحیتوں کو آشکارا کرتی ہے۔ جب خدا چاہتا ہے کہ کسی شخص کی صلاحیتوں کو جِلا دے اور اسے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز کرے تو اسے توفیق و آسائش کی دنیا سے احتیاج و ضرورت کی دنیا میں بھیج دیتا ہے۔

شاہ بلوط کی دو قلمیں جو ایک ہی درخت سے حاصل کی گئی ہوں اور

Marfat.com

آپس میں تقریباً مشابہ ہوں دو مختلف جگہوں پر بو دیجئے۔ یعنی ایک کو کسی پہاڑ پر اور دوسری کو کسی گھنے جنگل میں بوئیے۔ پھر ایک عرصہ بعد ان کی جڑوں کو دیکھئے۔ وہ درخت جس کی نشوونما پہاڑ پر ہوئی اور جسے طوفانِ بادوباراں اور برفباری کا سامنا کرنا پڑا اس کی جڑیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی اور وہ ایک تناور اور سایہ دار درخت میں تبدیل ہوچکا ہوگا لیکن شاہ بلوط کی وہ قلم جسے گھنے جنگل میں بویا گیا تھا کیونکہ اس کی پرورش دوسرے درختوں کے زیرِ سایہ ہوئی ہے لہٰذا وہ ایک کمزور اور لاغر درخت کی صورت ہوگا۔

اسی طرح آپ ایک ہی طرح کے دو بچوں میں سے ایک کی ایسے ماحول میں تربیت کیجئے جہاں اسے ابتداء ہی سے مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا ہو اور ان سے نبرد آزما ہونے کے لئے سہولتیں بھی اس کی بغل ہی میں دبی ہوئی نہ ہوں۔ ایسا شخص جوں ہی لڑکھڑا کے گرے گا فوراً ایک عزمِ راسخ کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوگا بالکل اس گیند کی مانند کہ جسے جتنی زور سے زمین پر پٹخا جاتا ہے اتنی ہی قوت کے ساتھ وہ بلندی کی جانب اٹھتی ہے۔ وہ جس قدر بڑی مشکل کا سامنا کرے گا اسی قدر اس کا عزم راسخ تر ہوتا چلا جائے گا۔

لیکن دوسری طرف، وہ بچّہ جس نے ناز و نعم میں پرورش پائی ہو، جسے کئی کئی گورنسوں نے پالا پوسا ہو، جس کی ہر خواہش پلک جھپکتے میں پوری ہوئی ہو، بے شمار روپیہ پیسہ جس کے اختیار میں ہو۔ وہ جلد ہی مشکلات سے ہار مان بیٹھتا ہے اور ان کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتا ہے۔

(اسرارِ کامیابی ص ۶۱-۵۹)

Marfat.com

چھلکتا ہوا منبع قدرت

قدرت کی جانب سے ہر انسان میں مشکلات سے مقابلہ کرنے کی صلاحیت ودیعت کی گئی ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ مشکلات سے مقابلہ کے لئے خود کو آمادہ کریں اور اپنی حیرت انگیز قوتوں کو کام میں لائیں۔ انسان کی باطنی قوتیں ایک نہ ختم ہونے والا بھرپور منبع ہیں۔ بلکہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ جتنا زیادہ ان سے فائدہ اٹھایا جائے گا ان میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔

مشکلات کے مقابلہ میں عاجزی اور ناامیدی کا اظہار صلاحیتوں کے فقدان کی بناء پر نہیں ہوتا بلکہ یہ مایوسی اور سستی کی زنجیریں ہیں جو بعض لوگوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتی ہیں اور ان کے وجود میں پائی جانے والی مشکلات سے مقابلہ کی قدرت کو ختم کردیتی ہیں۔

ان لوگوں کو معمولی اور جزئی شکست بھی مبہوت و مفلوج کرکے رکھ دیتی ہے۔ ممکن ہے ایک ناگہانی اور دردناک حادثہ ان کی روح کو پاش پاش کردے اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھیں۔ اس نقص کی اصلاح دوسرے نقائص کی اصلاح کی نسبت بہت مشکل کام ہے۔

جو لوگ اپنی مسلسل جدوجہد پر بھروسہ کرتے ہیں ان لوگوں سے کہیں زیادہ ترقی و کمال کی منزل سے نزدیک ہیں جو اپنی ذاتی استعداد اور ذوق کے بھروسے پر ہوتے ہیں۔ انسان خواہ جس قدر بھی صاحبِ ادراک اور ہوش و ذوق کا مالک ہو جب تک ان کے ہمراہ مثبت عمل نہ ہو یہ صلاحیتیں بے ثمر رہیں گی۔

دنیا میں کہیں بھی مفکّرین اور بلند پایہ شخصیات رؤسا کے طبقہ سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ ان میں سے اکثر نے سخت حالات میں جنم لیا ہے اور مشکلات

Marfat.com

کے درمیان ترقی کے درجات طے کئے ہیں۔ ایسے لوگ جو ممتاز شخصیات کے حامل ہیں، جن کی شہرت کا ڈنکا چہار دانگِ عالم میں بجتا ہے اور جنہوں نے اپنے سماج کو اوجِ افتخار پر پہنچایا ہے' ان میں سے اکثر سختیوں اور محرومیوں میں پلے بڑھے ہیں اور انہیں حالات کے دباؤ نے اس بات پر مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کی بقا کے لئے گوناگوں طاقت فرسا مصائب سے پنجہ آزمائی کریں۔ یہی عامل ان کی قوتوں اور صلاحیتوں میں اضافہ کا سبب بنا اور وہ ترقی کے مدارج طے کرنے کے قابل ہوئے۔

کہتے ہیں کہ ایک چینی طالبِ علم، تعلیمی میدان میں اپنی ناکامی سے اتنا دلبرداشتہ ہوا کہ یاس و ناامیدی کے عالم میں اس نے اپنی کتابیں جمع کر کے دور پھینک دیں۔ اسی اثنا میں اس کی نگاہ ایک غریب عورت پر پڑی جو بھاری ہتھوڑے سے لوہے کی ایک سلاخ کو پیٹ کر ایک بڑی میخ بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ کمزور سی عورت کی سخت محنت اور جدوجہد اس لڑکے کے لئے درسِ عبرت ثابت ہوئی۔ اس کے اندر ایک انقلاب بپا ہوگیا' اس نے ایک مرتبہ پھر تعلیم شروع کرنے کا عزم کیا اور ہر قیمت پر اپنی تعلیم جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا' صبر و شکیبائی کے ساتھ اس کی محنت کا ثمرہ یہ ملا کہ بہت جلد اس کا شمار ہم عصر دانشمندوں میں ہونے لگا اور وہ اپنے زمانہ کی ایک نمایاں علمی شخصیت بن گیا۔

زندگی گزارنے کے اصولوں سے آشنائی کی ضرورت

انسان کو تفکّر و تعقّل کے ذریعہ زندگی بسر کرنے کے اصولوں سے آشنا ہونا

Marfat.com

چاہئے تاکہ ان کے ذریعہ خود کو مبارزاتِ حیات سے نبرد آزما ہونے کے لئے آمادہ کر سکے۔

زندگی کا پہیہ خام خیالیوں اور شاعرانہ تخیلّات سے گردش میں نہیں آتا اور نہ ہی اس کے بارے میں بے بنیاد تصوّرات سے فیصلہ کرنا چاہئے۔ ہر دور میں مشکلات و مصائب کی ہیئت بدل جاتی ہے اور وہ ایک خاص روپ میں نمودار ہوتی ہیں۔ ایسی ایسی مشکلات پیش آتی ہیں جن کا ماضی میں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ زندگی ان مشکلات کی گتھیوں کو سلجھانے کے سوا کچھ نہیں۔

ایسا شخص جسے پے در پے مشکلات کا سامنا ہو اور وہ موجودہ حالات میں خود کو ان مشکلات کے حل سے عاجز سمجھتا ہو تو ان پر قابو پانے کے سلسلہ میں اس کے سامنے صرف ایک راہ ہے اور وہ یہ کہ ان مشکلات سے نجات کے سلسلہ میں جدوجہد اور سنجیدگی میں اضافہ کرے۔ مستقل مزاجی سے کام لے اور فرصت کو غنیمت جانے۔ جب وہ ان خصائص کے ہمراہ مقصد کی جانب گامزن ہوگا تو بالآخر ایک روز اس کی بردباری نتیجہ خیز اور ثمر آور ثابت ہوگی اور وہ کمالِ مطلوب کو پالے گا۔

اکثر اوقات پریشانیوں کے مہیب سائے افقِ زندگی پر ابرِ تار کی مانند چھا جاتے ہیں لیکن جب انسان ان سے مقابلہ اور چھٹکارے کا ارادہ کرلیتا ہے تو انہی سیاہ بادلوں سے برقِ سعادت چمکنے لگتی ہے اور بارانِ رحمت اس انسان کی امید و آرزو کے گلشن کو سیراب کردیتی ہے۔

وہ درس جو شکست سے حاصل کرنا چاہئے

کامیابی انہی لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو اپنی شکست و ناکامی کے علل و اسباب

Marfat.com

پر غور و فکر کرکے ان سے بہترین انداز میں استفادہ کرتے ہیں۔ ناکامی کے اسباب کا مطالعہ خود بخود اس کے ازالے کی راہ متعین کردیتا ہے اور انسان کی نگاہوں کے سامنے امید افزا اور حرکت آفریں مناظر کھینچ کر کامیابی کی راہیں واضح کردیتا ہے۔ اس طرح وہ اپنی ذخیرہ شدہ قوتوں اور افکار سے کام لے کر یکایک ایک چھلانگ کے ذریعہ حالات کو اپنے حق میں کر سکتا ہے۔

بہترین صلاحیتیں اس وقت نمودار ہوتی ہیں جب آدمی کو اپنے مقاصد کی راہ میں دشواریوں اور رکاوٹوں کا سامنا ہو۔ بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں کہ جب تک انہوں نے اپنا سب کچھ کھو نہ دیا خود کو پیدا نہ کرسکے۔ ہنرمند لوگ ہر کام کا آغاز بھرپور توانائی کے ساتھ کرتے ہیں اور ناکامیوں کے ملبے سے کامیابی کے عناصر حاصل کرتے ہیں اور جب تک کامیابی حاصل نہ ہو جائے میدانِ عمل سے باہر نہیں نکلتے۔

شکست و ناکامی پر شرمساری کا احساس محض ایک مبالغہ ہے۔ وہ حوادث جو انسان کی پیشرفت میں رکاوٹ بنتے ہیں ان کانٹوں کی مانند ہیں جو عام طور پر مردانِ عمل کی راہوں پر اُگتے ہیں۔ مکمل ناکامی اس وقت ہوتی ہے جب انسان کسی کام میں عدم پیشرفت کو ایک دائمی مغلوبیت سمجھنے لگے اور خود کو اس عمل کے سلسلہ میں اٹھائی جانے والی سختیوں سے باز رکھے۔ نارسائی و ناتوانی کا احساس ممکن ہے انسان کو مکمل طور پر جامد بنادے اور وہ اپنی پسماندگی اور شکست کے ازالہ کے لئے ہر قسم کی سعی و کاوش ترک کردے۔

انسانی وجود میں ابتداء ہی سے دوسروں پر غلبہ اور فتح مندی کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنے کاموں کے سلسلہ میں معمول کے مطابق راہوں

Marfat.com

سے پیشرفت جاری رکھتا ہے لیکن کاموں کے یوں آسانی سے انجام پانے سے اس کے اندر سعی و جہد کی حس سرد پڑنے لگتی ہے۔

ممکن ہے کسی شخص کے وجود میں ایسا گوہر پنہاں ہو جو زمانہ کی سخت ضربات ہی سے صیقل ہو اور اس کی چمک دمک آشکارا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اکثر افراد رکاوٹوں اور شکست کا سامنا نہ کرنے کی بناء پر اپنی اندرونی خوبیوں اور پوشیدہ صلاحیتوں سے بے خبر رہ جاتے ہیں اور اپنے وجود میں پنہاں قوتوں کے ادراک سے عاجز رہتے ہیں۔

ڈیل کارنیگی لکھتا ہے۔

"تقریباً پچیس سال پہلے ایک روز ایک مدرسہ کے استاد نے اس بات پر اپنے ایک شاگرد کے زوردار تھپڑ رسید کیا کہ وہ اس کی طرف متوجہ نہ تھا۔ یہی نہیں بلکہ استاد نے بچّے کے کان پکڑے اور پوری کلاس کے سامنے اس کی اس قدر بے عزتی کی کہ وہ روتا ہوا گھر کی سمت دوڑ پڑا۔ اس وقت اس بچّے کی عمر پانچ چھ سال سے زیادہ نہ تھی لیکن اسے اسی دن سے احساس ہوگیا کہ جو سلوک اس کے ساتھ روا رکھا گیا وہ عین ظلم و ناانصافی ہے اور اسی وقت سے اسے ظلم و ناانصافی سے شدید نفرت ہوگئی اور اپنی آخری عمر تک وہ اس کے خلاف سرگرمِ عمل رہا۔

اس بچّے کا نام "کلارنس ڈارو" تھا جو بعد میں ایک معروف وکیل بنا وہ حقیقتاً جرائم کے کیس لڑنے والا اپنے زمانہ کا سب سے بڑا وکیل تھا۔ لاتعداد مرتبہ اس کا نام امریکی اخبارات کے صفحہء اول پر شائع ہوا اور

Marfat.com

اب بھی امریکہ میں ''آشتا بولا'' کے قدیم باشندے اس کے پہلے مقدمہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔ اس نے اس مقدمہ کے دوران آسمان سر پر اٹھالیا حالانکہ یہ قضیہ کسی بڑی چیز کی بابت نہ تھا بلکہ گھوڑے کی ایک لگام کے بارے میں تنازع تھا جس کی زیادہ سے زیادہ قیمت پانچ ڈالر تھی۔

جب اس سے سوال کیا گیا کہ آپ نے کیوں ایک اتنی بے قیمت چیز کے لئے اتنا ہنگامہ کھڑا کیا۔ تو اس نے جواب دیا کہ اس کا سبب کچھ اور نہیں میرا بنیادی مقصد صرف حق و حقیقت کی پشت پناہی و حمایت تھا۔ وہ اس مقدمہ کے دوران اس قدر جوش و ولولے کا اظہار کر رہا تھا اور اس طرح لڑ رہا تھا کہ گویا اس کے سامنے بنگال کا ببر شیر کھڑا ہوا ہو جس سے بچنے کے لئے وہ یہ کوششیں کرنے پر مجبور ہے۔ اس کے مؤکّل نے اسے حقِ وکالت کے پانچ ڈالر ادا کئے لیکن کیونکہ مقدمہ ختم نہ ہوا تھا اس لئے اس نے رقم لینے سے انکار کردیا۔ اس نے مسلسل سات سال تک نہایت عرق ریزی کے ساتھ یہ مقدمہ لڑا اور بالآخر کامیاب ہوا۔ ''ڈارو'' کہتا تھا کہ میں نے کبھی روپیہ پیسہ کی خاطر یا کسی شخصیت سے مرعوب ہو کر کوئی مقدمہ نہیں لڑا۔''

(رمزِ موفقیت در زندگی۔ص ۳۵)

تمام حیرت انگیز کارنامے اور گرانبہا آثار جن سے آج بشریّت فیضیاب ہو رہی ہے اور آج دیکھنے میں ایک عام سی چیز لگتے ہیں ابتداء میں ان کا تصور بھی محال تھا۔ اگر ماضی میں کوئی اِن چیزوں کی جانب اشارہ بھی کرتا تو دیوانہ اور

Marfat.com

احمق شمار ہوتا۔ حتیٰ علمی محافل میں بھی اس کا مزاح اڑایا جاتا تھا۔ لیکن آج یہ چیزیں اپنی اہمیت و قدر و قیمت کے باوجود لوگوں کے نزدیک عام سی ہو چکی ہیں اور کوئی انہیں دیکھ کر حیرت و استعجاب کا اظہار نہیں کرتا۔

لیکن یہ تمام صنائع و ٹیکنالوجی مردانِ عمل کی برسوں کی محنت کا ثمر ہیں۔ حتیٰ بعض مواقع پر تو ان لوگوں نے کمالِ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تمام عمر ان پیچیدہ مسائل کے حل کے سلسلے میں کھپا دی اور اپنے عزمِ صمیم اور انتھک محنت کے نتیجہ میں انہیں عالمِ مجہول سے دنیائے حقیقت میں لے آئے۔

"ایمرسن" کہتا ہے۔

وہ لوگ فتح و کامرانی نے جن کے قدم چومے ہیں، تمام کے تمام ایک چیز پر متفق تھے اور وہ یہ کہ علّت و معلول کے درمیان لازماً ایک رابطہ پایا جاتا ہے۔ باالفاظ دیگر وہ لوگ معتقد تھے کہ زندگی میں پیش آنے والے حوادث اتفاقاً اور نصیب و قسمت کی وجہ سے رونما نہیں ہوتے بلکہ ہر چیز ایک قانون کے تابع ہے۔ اس زنجیر کے پہلے اور آخری حلقہ کے درمیان کوئی حلقہ ٹوٹا ہوا اور کمزور نہیں ہوتا۔"

(رازِ خوش بختی۔ ص ۲۳)

حصولِ کمال کا ذریعہ

مشکلات کی پیچیدہ گتھیوں کو سلجھانے کے لئے سعی و کاوش کمال کی جانب ارتقاء کا ذریعہ اور آسائشات کے حصول کا مقدمہ ہے۔ گوناگوں مشکلات انسان کی ترقی و پیش رفت میں قطعی اور ناقابلِ انکار اثرات مرتب کرتی ہیں۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ اگر زندگی میں فریب و آزمائش نہ ہو تو تقویٰ و فضیلت کسی قدر و قیمت کے حامل نہ رہیں اور تہذیب و اصلاحِ نفس کا کوئی مقام نہ ہو۔

اسی طرح اگر دشواریوں اور رکاوٹوں کا وجود نہ ہوتا تو ہر کوشش کامیابی سے ہمکنار ہوتی اور پھر حرکت و فعالیت کا کوئی محرک باقی نہ رہتا اور ہرگز اس بات کی ضرورت نہ ہوتی کہ انسان مسلسل کوشش اور پیہم جدوجہد میں مصروف رہے اور ناسا‏عد حالات سے نبرد آزما ہو۔

لہٰذا نہ صرف سختیوں کا دباؤ اور ناکامی زیاں بخش نہیں بلکہ اس کے ذریعہ چھپی ہوئی صلاحیتیں بیدار ہوکر بروئے کار آتی ہیں اور بسا اوقات قوت و قدرت کا عظیم سرچشمہ ثابت ہوتی ہیں۔

انسان کو چاہئے کہ زندگی کی حقیقتوں پر نظر رکھے تاکہ حوادثِ زمانہ اسے آشفتہ و پریشان نہ کرسکیں اور وہ دریا میں ایک تنکے کی مانند اِدھر اُدھر ڈولتا نہ پھرے بلکہ اپنی زندگی پر اثر انداز ہونے والے گوناگوں عوامل کے مقابلے کے لئے خود کو آمادہ کرے تاکہ ایک ماہر تیراک کی مانند حوادث کے بے کنار دریا میں جہاں چاہے تیر سکے۔ اگر رکاوٹی زنجیریں اسے آگے بڑھنے کی اجازت نہ دیں اور صورتِ حال پیچیدہ ہوجائے تب بھی صبر و شکیبائی کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور عاقل وہ ہے جو ناسا‏عد حالات میں تحمل و بردباری کی راہ اختیار کرے۔

بہت سے لوگ ایسے پائے جاتے ہیں جو توہّمات میں مگن رہتے ہیں اور صرف تصوّراتی دنیا میں بڑی بڑی آرزوئیں لئے بیٹھے رہتے ہیں لیکن ان کے یہ خیالات کبھی عملی جامہ نہیں پہن پاتے۔ بے شک مرحلۂ خیال سے مرحلۂ عمل تک کے درمیان ایک دنیا کا فاصلہ موجود ہے۔ ضروری ہے کہ انسان واقع بینی

Marfat.com

کے ساتھ عمل کے میدان میں قدم رکھے اور ہدفِ مقصود تک رسائی کے لئے کوشش و شکیبائی کام میں لائے اور صلاحیتوں میں اضافہ اور ذوق و شوق میں زیادتی کے لئے کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہ برتے۔

ایک بزرگ کے بقول۔

"جب کبھی بھی آپ ہواؤں میں محل کی تعمیر کی بات کرتے ہیں اپنی عمر کو ضائع و برباد کررہے ہوتے ہیں۔ البتہ ان تصوّرات سے زیادہ پُرفریب اور خوش کن تر چیز اور کوئی نہیں کہ انسان عالمِ وہم و گماں میں آسمانوں کی بلندیوں پر رفیع الشان محلات تعمیر کرے لیکن اگر ان خیالات کو عالمِ خیال سے دنیائے خارج میں منتقل کرنا مقصود ہو تو ضروری ہے کہ اس عظیم الشان محل کی بنیاد آسمان پر نہیں بلکہ زمین پر رکھی جائے۔" (راز خوش بختی۔ص ۷)

اکثر لوگ اپنے بارے میں حقائق پر مبنی فیصلہ نہیں کرتے۔ جب کبھی انہیں شکست و ناکامی کا سامنا ہوتا ہے تو اس شکست کی ایسی توجیہات میں مشغول ہوجاتے ہیں گویا اس میں ان کی کوئی خطا نہیں ہے۔ بجائے یہ کہ اس موقع پر خود کو ملامت کریں دوسروں کو سرزنش کرتے ہیں اور انہیں اپنی شکست کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔

شاید ہی کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ لڑکھڑاتے قدموں اور متزلزل ارادوں کا مالک شخص ترقی و کمال کے حصول میں کامیاب ہوا ہو۔ ایسی اتفاقی کامیابیاں اپنے ساتھ نقصان یا شکست کا امکان بھی رکھتی ہیں۔ ایسے لوگ جو دوسروں کی کامیابی کو بغض و کینہ کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں یہ فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ منزل

کے حصول کے لئے ان لوگوں نے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں اور کتنے خطرناک مراحل کو عبور کیا ہے۔

یورپ کی ایک معروف فوجی شخصیت نے ایک روز اپنے ایک دوست سے جو اس سے حسد کرتا تھا یوں کہا۔

"تم میرے جاہ و مقام' عہدہ و وقار سے حسد کرتے ہو حالانکہ تم باآسانی یہ مقام و مرتبہ حاصل کرسکتے ہو۔ آؤ ہم دونوں میدان میں چلتے ہیں۔ میں تیس قدم کے فاصلے سے بیس گولیاں تم پر چلاؤں گا۔ اگر یہ تمام گولیاں خطا گئیں اور تم بچ گئے تو میں اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کردوں گا۔ لیکن مجھے معلوم ہے تم کبھی اس تجویز کو قبول نہ کروگے------بہت اچھے۔ بس اس نکتہ کو اپنے ذہن نشین کرلو کہ میں نے یہ مقام و منزل یوں ہی حاصل نہیں کرلی بلکہ ہزارہا مرتبہ گولیوں کا ہدف بنا ہوں اور ہر مرتبہ موت کو قریب سے دیکھا ہے۔"(اخلاق سامو ئیل-ج ۲-ص ۱۸۵)

بعض لوگ شکست ہی سے عبرت حاصل کرتے ہیں اور اسی سے سیکھتے ہیں کہ کامیابی کے لئے کس راہ کا انتخاب کیا جائے اور کس سے اجتناب برتا جائے۔ جب انہیں کسی زیاں سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو وہ مایوس ہوکر گوشہ نشینی اختیار نہیں کرتے بلکہ جان لیتے ہیں کہ اس نقصان کے ازالے اور ہدفِ مطلوب تک رسائی کے لئے مستقل مزاجی کے ساتھ پیہم جدوجہد کی ضرورت ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دوسرے راستوں سے ناکامی کی تلافی کرنی چاہئے۔ آئندہ شکست اور ناکامی سے بچنے کا سہل طریقہ گزشتہ شکست سے عبرت و سبق حاصل

Marfat.com

کرنا ہے۔ اسی طرح دوسروں کی شکست یا کامیابی کا جائزہ لے کر بھی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے اور یوں تجربوں کے حصول اور کامیاب لوگوں کی زندگی کے مطالعہ کے ذریعہ بہت سی مشکلات کو حل کیا جاسکتا ہے۔

اگر آپ تاریخ میں لڑی جانے والی جنگوں کا مطالعہ کریں تو محسوس کریں گے کہ ان جنگوں میں اسلحہ و گولہ بارود کو بہت زیادہ اہمیت حاصل نہیں رہی۔ بلکہ فتح و نصرت نے انہی لوگوں کے قدم چومے جو ثباتِ قدم کے ساتھ دشمن کے مقابل سیسہ پلائی دیوار کی مانند ڈٹ گئے۔ اور بسا اوقات تو غالب و مغلوب کے درمیان چند لمحہ سے زیادہ ثابت قدمی کا فرق بھی نہیں ہوتا۔

ایک فرانسیسی مصنف جنگ میں فرانس کی شکست کے اسباب کی تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ۔

> "فرانس کا وزیر اعظم "ولاڈی" تقریر کے دوران نہایت جوش و خروش سے ڈائس پر مُکّہ مار رہا تھا۔ اس کی اس حرکت پر حاضرین میں شامل ایک فہیم اور دُور اندیش شخص نے کہا کہ یہ نہایت مضبوطی کے ساتھ ہاتھ ڈائس پر مار رہا ہے لیکن افسوس کہ آہنی دستانے کی جگہ ریشم کا بنا ہوا زنانہ دستانہ پہنے ہوئے ہے۔"

نظم و ضبط کی ضرورت

کاموں کی انجام دہی کے سلسلہ میں ایک مفید، موثر اور ضروری چیز نظم و

Marfat.com

ضبط ہے جو کامیابی کے حصول میں معاون و مددگار ثابت ہوتا ہے۔ باشعور اور ہوشمند افراد کام شروع کرنے سے پہلے ہی اس کے بارے میں سوچ بچار کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جنہوں نے دراصل زندگی کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا ہوتا ہے نہایت اطمینان اور سُرعت کے ساتھ کامیابی کی راہیں طے کرتے چلے جاتے ہیں۔ بے نظمی اور بے تدبیری کا لازمی نتیجہ ناقابلِ تلافی نقصان کی صورت میں بر آمد ہوتا ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص سالہا سال تک کسی خاص شعبہ میں مصروفِ کار رہا ہو لیکن عدم بصیرت اور کام پر دسترس نہ ہونے کی بناء پر طویل عرصہ کے بعد بھی وہیں کا وہیں رہے جہاں آغازِ کار کے موقع پر تھا۔ اس کے برعکس کوئی دوسرا شخص اسی میدان میں نہایت کم وقت صرف کرے لیکن ہر روز اپنے مقصود سے قدم بقدم نزدیک ہوتا چلا جائے اور مسلسل اس کی کامیابیوں کی فہرست طویل ہوتی چلی جائے۔

اسی طرح اس بات کا بہت کم امکان ہے کہ انسان اپنے پیشِ نظر راہ کو عجلت کے ساتھ سلامتی سے طے کر لے اور منزلِ مقصود تک جا پہنچے۔ کبھی کبھی تو یہی جلد بازی انسان کو اصل راہ سے منحرف کر دیتی ہے۔ حتیٰ فیصلوں اور منصوبہ بندی تک میں عجلت کے نقصانات سستی، ضعفِ ارادہ اور تسامح سے کم نہیں ہوتے۔

پس سوچ سمجھ کر کام کا آغاز کرنا اور مشکلات کے حل کے لئے غور و فکر سے کام لینا ہی ترقی و کمال کے حصول کی صلاحیتوں میں اضافہ کرتا ہے۔ نیز یہ اصول صرف افراد ہی سے مخصوص نہیں بلکہ اقوام پر بھی صادق آتا ہے۔

Marfat.com

ہر سماج اپنی بقاء اور پیش رفت کے لئے ہر چیز سے زیادہ ایسے باہمت اور بردبار افراد کا محتاج ہے جو مشکلات کے مقابل ثابت قدمی سے ڈٹے رہیں اور اپنی اس اخلاقی صلاحیت کو علم و دانش کے دوش بدوش پروان چڑھا کر اصلاحِ احوال کے لئے بروئے کار لائیں۔ کسی شخص میں علمی و سیاسی عبقریت کے ساتھ ساتھ اگر ثباتِ قدم اور صبر و شکیبائی نہ ہو تو قابلِ لحاظ نتائج بر آمد نہیں ہو سکتے۔

قرآنِ کریم پیغمبرِ اسلامؐ کو دعوت دیتا ہے کہ تمام مراحل میں کامیابی کے حصول کے لئے صبر و شکیبائی کا دامن تھامے رکھیں اور نامساعد عوامل کا مقابلہ کریں۔

فاستقم کما امرت و من تاب معک

"لہٰذا آپ کو جس طرح حکم دیا گیا ہے اسی طرح استقامت سے کام لیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی جو اسلام لے آئے ہیں ہمیشہ ثابت قدم رہنا چاہئے۔" (سورۂ ہود ۱۱۔ آیت ۱۱۲)

واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم

"اور (اپنے مقدس ہدف کی جانب بڑھتے ہوئے) اس طرح استقامت سے کام لیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔" (سورۂ شوریٰ ۴۲۔ آیت ۱۵)

خداوندِ عالم مسلسل ایسی آیات کے ذریعہ پیغمبرِ اسلامؐ کو تاکید فرماتا ہے کہ:

"ہاں زحمت کے ساتھ آسانی بھی ہے' بے شک تکلیف کے ساتھ سہولت بھی ہے' لہٰذا جب آپ فارغ ہو جائیں تو ایک مرتبہ پھر جہد و جستجو میں مشغول ہو جائیں اور چشمِ امید خدا کی جانب لگائے

رکھیں۔" (سورۃ الشرح ۹۴۔آیت ۵ تا ۸)

ان آیات میں بارہا یہ یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ جوشِ عمل کی حدّت کسی صورت کم نہیں ہونی چاہئے بلکہ ایک کامیابی کے حصول کے بعد خود کو دوسری مشکلات سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ اس جہان میں آسائشِ مطلق کا کوئی وجود نہیں اور ایسی کسی بات کی توقع بھی نہیں رکھنی چاہئے۔

"ویل ڈورانٹ" کہتا ہے۔

"قوتِ ارادی میں اس وقت اضافہ ہوتا ہے جب زندگی میں روزانہ نت نئے حوادث رونما ہوں اور تازہ کامیابیاں حاصل ہوں۔ اگر قدرت کے حصول کے خواہشمند ہو تو ضروری ہے کہ پہلے ہدف کا انتخاب کرو، اپنی راہ کا تعین کرو اور پھر خواہ کچھ بھی ہو جائے اس راہ سے چمٹے رہو۔ لیکن یہ ضرور ملحوظ رہے کہ جس راہ کا ہم نے انتخاب کیا ہے وہ منزلِ مقصود تک لے جانے والی ہو۔

معمولی معمولی کامیابیاں بھی ہماری قوت و استعداد میں اضافہ کا موجب ہوتی ہیں اور ہمیں عظیم کامیابیوں کے حصول کا یقین دلاتی ہیں لیکن اگر کوئی غیر معمولی احتیاط سے کام لیتا ہو اور بڑے کاموں کے لئے قدم اٹھاتے ہوئے تذبذب و تردد میں مبتلا رہتا ہو تو ایسا شخص ہمیشہ پیچھے ہی رہتا ہے۔

انسان کو چھوٹی چھوٹی کامیابیوں پر زیادہ خوشی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ معمولی کامیابیوں پر مثلاً صرف ایک روز جشن منانا چاہئے اور

Marfat.com

اگلے روز کسی بڑے کام کے سلسلے میں مشغول ہو جانا چاہئے اور بڑے خطرے اور عظیم ذمہ داری کے سلسلہ میں سرگرم ہو جانا چاہئے۔ ممکن ہے شکست کھا جائیں اور نابود ہو جائیں لیکن ایسی موت سے ہمکنار ہونا اس قدر حقیر و ناچیز خطرہ ہے جو ہمارے عقیدہ اور رَوِش کو متزلزل کرنے میں معمولی سا اثر بھی نہیں ڈال سکتا۔ اگر تمہیں خطرات ہلاک نہ کر سکیں تو قوی بنا دیتے ہیں اور منزلِ مقصود سے نزدیک تر کر دیتے ہیں اور عظمت کی راہ کی جانب تمہاری رہنمائی کرتے ہیں۔" (لذّات فلسفہ ص ۲۲۳-۲۲۲)

اس حقیقت کی وضاحت کے لئے پیغمبرِ اسلامؐ کی پُر افتخار زندگی اور نوعِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے سلسلہ میں آپؐ کے صبر و شکیبائی کا مطالعہ ہی کافی ہے۔

صدرِ اسلام میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز بھی خطرناک دشمن کے مقابل ان کی ثابت قدمی اور محکم ایمان تھا۔

محض مسلمان ہونا ہی کامیابی کی ضمانت نہیں

قرآنِ کریم کی آیات میں اہلِ اسلام کو کامیابی و کامرانی کی نوید دی گئی ہے۔ لیکن یہ کامیابی یوں ہی باآسانی ہاتھ آنے والی نہیں بلکہ یہ نویدِ الٰہی صرف اسی صورت میں حقیقت کا روپ دھارے گی جب لوگ اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو پہچان کر ان پر عمل پیرا ہو جائیں۔ پاک و خالص عقیدہ کردار و عمل کے ملاپ کے بعد ہی ثمر بخش ثابت ہوگا۔ بنا برایں جن لوگوں کے عقیدہ اور

Marfat.com

عمل کے درمیان دوئی و جدائی ہو وہ کسی صورت کامیابی حاصل نہیں کرسکتے۔ کوشش اور عمل ہی کے ذریعہ زیاں اور ناکامی کی دلدل سے نکلا جاسکتا ہے۔

یاایھاالذین آمنواان تنصرو االلہ ینصرکم ویثبت اقدامکم

"اے صاحبانِ ایمان اگر تم خدا (کے دین) کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔"

(سورۂ محمدؐ ۴۷۔ آیت ۷)

جنگِ احد میں جب مسلمانوں کو حکمِ پیغمبرؐ سے روگردانی اور مالِ غنیمت کے لالچ میں ایک مورچہ خالی کردینے کی وجہ سے غیر متوقع شکست کا سامنا کرنا پڑا تو انکے حوصلے پست ہوگئے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ مسلمان ہونا ہی ان کی کامیابی کی ضمانت ہے اور شکست ان کا مقدر نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا وہ سوچنے لگے کہ آخر ہمیں کیوں شکست ہوئی اور دشمنوں کی طرف سے مال و اسباب کی غارت گری برداشت کرنا پڑی۔ یہاں تک کہ اِن افکار کی وجہ سے اِن میں ایک نفسیاتی تزلزل پیدا ہوگیا۔ اس موقع پر خداوندِ عالم نے ان کی ہدایت اور اس گومگو کے عالم سے نجات کے لئے فرمایا کہ۔

"لتبلون فی اموالکم و انفسکم و لتسمعن من الذین اوتوا الکتٰب من قبلکم و من الذین اشرکوا اذی کثیرا و ان تصبروا و تتقوا فان ذٰلک من عزم الامور"

"یقیناً تم اپنے اموال اور نفوس کے ذریعہ آزمائے جاؤ گے اور جن کو

Marfat.com

تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے اور جو مشرک ہوگئے ہیں سب کی طرف سے بہت ازیت ناک باتیں سنو گے۔ اب اگر تم صبر کروگے اور تقویٰ اختیار کروگے تو یہی امور میں استحکام کا سبب ہے۔"

(سورۂ آلِ عمران ۳۔ آیت ۱۸۶)

اس آیہ شریف میں جانی و مالی نقصانات کو خداوندِ عالم کی طرف سے ایک آزمائش قرار دیا گیا ہے۔ اس دنیا میں مومن بھی دوسرے لوگوں کی مانند ناگوار حوادث کا شکار ہوتا ہے اور اس طرح سے خدا اپنے تمام بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ اس امتحان میں مومنین اس قدر بردباری و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ ان کا خوف و تزلزل آسودگی و استقامت میں تبدیل ہوجاتا ہے۔

ایمان' وحشت اور ناامیدی کے خاتمے کا ذریعہ ہے' انسان کو ایثار و قربانی اور مشکلات برداشت کرنے کی عادت ڈالتا ہے اور قلب و ضمیر اور اس کے احساسات کو پاکیزہ کرتا ہے۔

"روسو" کہتا ہے کہ۔

"اگر ہم انسان کو ان تمام صدمات سے معاف رکھیں جو اس کی نوع کا لازمہ ہیں تو ایسا کرکے کیا ہم نے اس کی فطرت کے خلاف سلوک نہیں کیا؟ جی ہاں! بعض لوگ یہاں تک تاکید کرتے ہیں کہ بچّے کو بڑی بڑی کامیابیوں کی لذّتوں سے لطف اندوز کرنے کے لئے اسے چھوٹے چھوٹے مصائب سے آشنا کرنا ضروری ہے۔ انسان کی ذات اسی چیز کا تقاضا کرتی ہے۔ اگر انسانی جسم زیادہ آسائشوں میں پروان چڑھے تو روح فاسد ہوجاتی ہے۔ جو درد و رنج سے آشنا نہ ہو وہ نہ

Marfat.com

شفقت و محبت کی چاشنی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ تَرَحّم کی شیرینی کو۔ ایسے لوگوں کا قلب کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ انسانوں کے درمیان زندگی بسر کرنے والے ہیولوں کی مانند قابلِ معاشرت نہیں ہیں۔

زندگی میں رونما ہونے والی ابتلائیں اسے بہت جلد سمجھا دیتی ہیں کہ اس میں جسمانی و روحانی وضع اور حقیقی قوتیں کس حد تک پائی جاتی ہیں۔ جب انسان اپنی آرزوؤں کی تکمیل نہیں کرپاتا تو سمجھنے لگتا ہے کہ وہ کسی کام کا نہیں۔ یہ رکاوٹیں جن کا وہ عادی نہیں ہوتا اسے مایوسی کا شکار کردیتی ہیں۔ یہ توہین اس کی تحقیر کا موجب ہوجاتی ہے۔ وہ بہت جلد بے غیرت' ڈرپوک اور پست ہمت ہوجاتا ہے اور جس قدر اسے اپنے آپ کو عظیم سمجھنا چاہئے تھا وہ خود کو اسی قدر چھوٹا سمجھنے لگتا ہے۔" (امیل، ص ۱۰۳-۱۰۰)

صبر و شکیبائی کے یہ معنی نہیں کہ انسان مشکلات کے حل کے سلسلہ میں قضاو قدر پر تکیہ کرکے بیٹھ جائے اور مصائب کے سامنے گھٹنے ٹیک دے۔ تکامل و بزرگی اور سقوط و بدبختی کے بارے میں قانونِ قضاء الٰہی کو صحیح طریقے سے سمجھنے کے لئے نہایت غور و فکر کی ضرورت ہے۔

کامیابی کے سلسلہ میں خدا کا قانون یہ ہے کہ اس کا حصول کوشش' جدوجہد اور استقامت کا متقاضی ہے۔

"یاایھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون"

"اے ایمان والو! صبر کرو۔ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو' جہاد کے لئے تیاری کرو اور اللہ سے ڈرو شاید تم فلاح یافتہ اور کامیاب ہو جاؤ۔" (سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۲۰۰)

اس آیت میں لوگوں کو تاکید کی گئی ہے کہ بیداد گردی' ظلم و ستم اور انحراف و گمراہی کے خلاف ڈٹ جائیں اور معاشرہ کی کشتی کو مشکلات کے منجدھار سے نکالنے کے لئے مشترکہ جدوجہد کریں' خطرناک دشمن پر ہوشیاری کے ساتھ نظر رکھیں اور بردباری و متانت کے ساتھ اجنبیوں کی رخنہ اندازیوں کی روک تھام کریں۔

سرکشوں کے خلاف مضبوط محاذ کا قیام' دشمنوں سے مقابلہ اور خود کو ہر قسم کی ذلّت و خواری سے محفوظ رکھنا مردانِ خدا کی ذمہ داری و فرائض میں شامل ہے۔ اسی طرح خداوندِ عالم کے حوالہ سے بھی ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار قرار دیں تاکہ ان کے کام نتیجہ مطلوب تک جا پہنچیں۔ کیونکہ یہ تقویٰ ہی ہے جس کے ہوتے ہوئے انسان کسی صورت بھی اپنے وظائف سے غافل نہیں ہو سکتا اور احکامِ الٰہی کو بہترین طریقے پر انجام دیتا ہے۔ انسان خارجی دباؤ کے اثر سے کبھی دائیں اور کبھی بائیں جانب جھکاؤ کا اظہار کرتا ہے لیکن تقویٰ اور خلوصِ نیت اس کے اندر ایک ہم آہنگی اور تعادل پیدا کر دیتے ہیں۔

یورپ کی ایک علمی شخصیت کہتی ہے۔

"ناگوار حوادث اور آلام و مصائب اخلاقی فضائل اور تقویٰ کی درسگاہ کی مانند ہیں۔ مصائب روح کو عاقل و ہوشیار اور فیصلہ کی حس کی

Marfat.com

تصحیح کرتے ہیں، انسان کو ہوس پرستی اور گناہوں میں آلودہ ہونے سے باز رکھتے ہیں۔ خداوندِ عالم جو نظامِ ہستی کو اپنی رحمت و حکمتِ کاملہ سے چلاتا ہے ان تمام سختیوں اور دشواریوں کو اس جہاں پر نازل کرتا ہے اور خاص طور پر صالح اور دانشمند افراد کو ان میں مبتلا کرتا ہے۔ تاکہ اس طرح انہیں آسائش و راحتِ حقیقی تک پہنچنے کی راہ سکھائے، ان میں صبرو شکیبائی اور تحمل و برداشت کی عادت پختہ کرے تاکہ وہ جلالت و افتخار کے آستانے پر حاضری دے سکیں۔

کوئی اس شخص سے زیادہ بدبخت نہیں جو کبھی مشکلات و مصائب کا شکار نہ ہوا ہو، ایسے شخص کا حقیقی چہرہ پہچانا نہیں جاسکتا جو آزمائش کی کٹھالی میں ڈالا نہ گیا ہو۔ ایسے فضائل جو کسی شخص کی سرشت وطبیعت کا حصہ ہوں خداوندِ عالم کی نگاہ میں کسی قدر و قیمت کے حامل نہیں۔ ذاتِ باری محض ان مکارم و فضائل کی جزاو پاداش دیتی ہے جو کوشش و محنت سے حاصل کئے گئے ہوں اور عمل و اجراء میں آئے ہوں۔" (اخلاق ساموئیل، ج ۲۔ ص ۲۰۹)

انسانی پرورش کے لئے دو قوی عامل

متعدد داخلی اور خارجی عوامل موجودات میں پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے اور تکامل کی راہیں طے کرنے کے سلسلہ میں ان کے مددگار ہوتے ہیں۔ انسان بھی اس قانون سے مستثنیٰ نہیں فرق صرف یہ ہے کہ دوسرے موجودات میں رونما ہونے والی ترقی ایک محدود شکل میں ہوتی ہے اور انسان کی ترقی و تکامل

کے مراحل بے پایاں اور لامحدود ہیں۔ اسی وجہ سے راہِ کمال طے کرنے اور انسانیت کے اعلیٰ مقام تک رسائی کے لئے اس کی بکثرت ضروریات سے انکار نہیں کیا جاسکتا لہٰذا ضروری ہے کہ متعدد عوامل انسان کی روحانی پرورش کا بوجھ اٹھائیں۔

انسان کی تربیت کے سلسلہ میں دو عوامل انتہائی اہم اور بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ پہنچنے والی آسمانی تعلیمات ہیں جو سورج کی روشنی کی مانند انسانی روح پر پڑ کر اسے مُنوّر کردیتی ہیں اور اس کے صفحۂ دل سے بتدریج ناپسندیدہ صفات اور بُرے اخلاق زائل کرکے اس کی روح کو نورانیت و صفا اور درخشندگی بخشتی ہیں۔

دوسرا عامل جو ہدفِ مطلوب تک رسائی اور کمال تک پہنچنے کے سلسلہ میں انسان کا مددگار ہوتا ہے وہ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات' زحمات اور دشواریاں ہیں۔ اس سے قبل کہ انسان کی درخشاں آسمانی تعلیمات کے سائے میں اور زندگی کی مشکلات کے ذریعہ اصلاح و تہذیب ہو اور اس کی روح حیوانی خصائل سے پاک ہو متاعِ دنیا اس کی روح و ارادہ کو اس قدر اپنے زیرِ اثر کرلیتی ہے کہ وہ خدا کے علاوہ ہر چیز کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور اس کی روح اس قدر تاریکیوں کی اسیر ہوجاتی ہے اور ہوس کے پردے اس حد تک اس پر سایہ افگن ہوجاتے ہیں کہ وہ دشواریوں کے ثمر بخش نتائج کو جو اسے حقیقی استقلال تک پہنچانے اور انسانیت سے آراستہ کرنے میں حساس کردار رکھتے ہیں درک کرنے سے عاجز رہتا ہے۔ لہٰذا مصائب کا دباؤ اس میں ایک طرح کی بے چینی اور تزلزل پیدا کردیتا ہے۔

قرآن فرماتا ہے۔

"ان الانسان خلق ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا"

"بے شک انسان بڑا لالچی ہے جب تکلیف پہنچتی ہے تو فریادی بن جاتا ہے۔" (سورۂ معارج ۷۰۔ آیت ۱۹-۲۰)

"فاما الانسان اذا ما ابتلٰہ ربہ فاکرمہ و نعمہ فیقول ربی اکرمن و اما اذا ما ابتلٰہ فقدر علیہ رزقہ فیقول ربی اھانن۔"

"لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ جب خدا نے اس کو اس طرح آزمایا کہ عزّت اور نعمت دے دی تو کہنے لگا کہ میرے رب نے مجھے باعزّت بنایا ہے اور جب آزمائش کے لئے روزی کو تنگ کردیا تو کہنے لگا کہ میرے پروردگار نے میری توہین کی ہے۔" (سورۂ فجر ۸۹ - آیت ۱۵-۱۶)

یہ کیفیات غیر مہذب انسانوں کی خصوصیات ہیں لیکن جب دل مذہبی محرّکات کی نشوونما کے ذریعہ زندہ ہوجاتے ہیں اور نفس کی آزادگی جو آسمانی تربیت کا منتہائے مقصود ہے حاصل ہوجاتی ہے تو اس موقع پر وہ خود کو ہر قسم کی مادّی اور مصنوعی وابستگیوں سے بے نیاز سمجھنے لگتا ہے۔ یہ ایسی پاکیزہ حرّیت و آزادی ہے جو حیوانی بندھنوں سے آلودہ نہیں ہوتی۔ یہ ایسی تمام رکاوٹوں سے آزادی ہے جو بشریت کو رشد و کمال اور رفعت و سربلندی سے باز رکھتی ہیں۔

فریب دینے والی مادّی چمک دمک صالح اور تربیت یافتہ انسان کو متزلزل نہیں کرتی اور اس کے فہم و ادراک اور روح پر مسلط نہیں ہوتی۔ خداوندِ عالم مقامِ آزادگی تک پہنچانے والے زندگی کے مصائب و مشکلات کے فلسفہ کو بیان

Marfat.com

کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

"لکیلا تاسوا علیٰ مافاتکم ولا تفرحوا بما اتیکم

"یہ تقدیر اس لئے ہے کہ جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس کا افسوس نہ کرو اور جو مل جائے اس پر غرور نہ کرو۔"

(سورۂ حدید ۵۷ - آیت ۲۳)

پس جب انسان ہر قسم کی بندگی سے آزاد ہو کر محض خدا کی بندگی اختیار کرلیتا ہے اور اس کے سوا کسی کے سامنے سر سپردگی کا اظہار نہیں کرتا تو وہ اپنے اندر ایک غیر معمولی قوّت و طاقت محسوس کرتا ہے۔ جو لوگ اس مکتب میں پرورش پاتے ہیں وہ بلند نگاہ' بیدار دل اور بابصیرت ہوتے ہیں۔

ہاتھ سے نکلی ہوئی چیزوں کو فراموش کردینا اور حاصل ہونے والی نعمتوں پر مغرور نہ ہونا ایک دوسرا تربیتی اثر بھی رکھتا ہے اور وہ یہ کہ کسی چیز کے فقدان کا اندوہ و تاسف اور اسی پر اپنی تمام فکر کو مرکوز کردینا انسان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جامد کرنے کا موجب ہوتا ہے اور دوسری طرف متاع دنیاوی کے حاصل ہوجانے پر شادمان و سرمست ہوجانا انسان کی ہمت اور ہدف کو محدود کردیتا ہے اور اس وجہ سے وہ عالی تر اور بہتر امور کی جانب توجہ مبذول نہیں کرپاتا نتیجہ کے طور پر وہ ترقی اور اعلیٰ اہداف کی جانب راہ پر قدم بڑھانے سے عاجز رہتا ہے۔

"روسو" کہتا ہے۔

"جب میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک دن فنا کے گھاٹ اتر جانا ہے تو پھر

Marfat.com

کیوں میں اس دنیا میں اپنی وابستگیاں ایجاد کروں؟ اس جہاں میں جہاں ہر چیز تغیّر کا شکار ہے ہر چیز سفر میں ہے اور میں خود بہت جلد نابود ہو جاؤں گا وابستگیاں کس کام کی؟...... اے امیل! اے میرے بیٹے اگر تو مجھ سے بچھڑ جائے تو اس دنیا میں میرے لئے کیا باقی بچے گا؟ بہرحال مجھے خود کو اس ناگوار حادثے کے لئے تیار رکھنا چاہئے کیونکہ کوئی مجھے مطمئن نہیں کر سکتا کہ میں تجھ سے قبل مر جاؤں گا۔

پس اگر تو چاہتا ہے کہ خوشبخت زندگی بسر کرے تو اپنے دل کو صرف لافانی زیبائیوں سے وابستہ کر۔ کوشش کر کہ تیری خواہشات محدود اور وظائف ہر چیز پر مقدم ہوں۔ فقط ان چیزوں کو طلب کر جو اخلاقی قانون سے مغایرت نہ رکھتی ہوں۔ اپنے اندر یہ عادت ڈال کہ اگر کوئی چیز تجھ سے چھن جائے تو تجھے ناگوار نہ ہو اور جب تک ضمیر اجازت نہ دے کسی چیز کو قبول نہ کر۔ اس صورت میں یقیناً تو خوش بخت ہوگا اور اس دنیا کی کسی چیز سے شدید دلبستگی پیدا نہ کر۔" (امیل ص ۵۴۷)

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک جملہ میں درس دیتے ہیں کہ۔

"بالتعب الشديد تدرک الدرجات الرفيعة والراحة الدائمة۔"

"دشواریاں برداشت کرنے اور سخت مصائب اٹھانے کے ذریعہ ہی انسان ہمیشہ کی آسائشیں اور زندگی کے اعلیٰ درجات حاصل کر سکتا ہے۔" (غرر الحکم ص ۳۲۷)

Marfat.com

امریکی فلسفی "ایمرسن" لکھتا ہے کہ۔

"انسانی زندگی میں کبھی کبھی ایسی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں جو اس کے معمولات کو درہم برہم کردیتی ہیں لیکن وہی تبدیلیاں اس کی ترقی کا سبب بنتی ہیں۔ خطرے میں پڑے بغیر' مال و متاع اور وقتی طور پر دوستوں کو چھوڑے بغیر روحانی کمالات حاصل نہیں کئے جاسکتے۔

مشکلات کے فوائد زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ سمجھ میں آتے ہیں۔ بیماری' اعضاء کے نقائص' دولت کا چھن جانا اور دوستوں کا بچھڑ جانا بظاہر ناقابلِ تلافی نقصان نظر آتے ہیں لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ازالہ کی صلاحیتیں جو انسان کے اندر پوشیدہ ہوتی ہیں پروان چڑھنے لگتی ہیں۔ عزیزوں کی موت جو پہلے پہل مصیبت اور محرومیت کے سوا کچھ محسوس نہیں ہوتی کچھ عرصہ بعد اس کا روشن پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ تمام وقائع ہماری زندگی میں انقلابات کو جنم دیتے ہیں۔" (فلسفہ اجتماعی' ص ۳۹۸-۳۹۷)

حضرت علی علیہ السلام عثمان بن حنیف کے نام اپنے ایک خط میں ایسے لوگوں کو جو مشکلات اور دشواریوں کے سائے میں پلے بڑھے ہوں پہاڑوں پر اگنے والے درختوں اور تن پرور اور راحت طلب لوگوں کو گلستاں میں پروان چڑھنے والے نرم و نازک پودوں سے تشبیہ دیتے ہیں۔

"الاو ان الشجرة البرية اصلب عودا والروائع الخضرة ارق جلوداً والنابتات الغذية اقوى و قودا وابطأ خموداً"

"جان لو کہ بیابانوں میں اگنے والے درخت جو سختی اور کم آبی میں پروان چڑھتے ہیں ان کی لکڑی سخت اور ان کی آگ خوب بھڑکنے اور جلانے والی ہوتی ہے اور بہت دیر میں بجھتی ہے۔ لیکن باغوں میں پروان چڑھنے والے درختوں کی چھال نازک اور لکڑی نرم ہوتی ہے اور جلد ٹوٹ جاتی ہے۔" (نہج البلاغہ' مکتوب نمبر ۴۵)

آنحضرتؑ وصیت کرتے ہیں کہ۔

"علیک بادمان العمل فی النشاط والکسل"

"کسی حال میں بھی ہو خواہ ست ہو یا ہشاش بشاش کاموں کے سلسلہ میں ثابت قدمی اور مسلسل جدوجہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو۔"

(غرر الحکم ص ۴۸۰)

"علیک بالجدوان لم یساعد الجسد"

"ہر کام میں سنجیدگی سے کوشاں رہو ہرچند بدن میں کافی قوت و طاقت نہ ہو۔" (غرر الحکم ص ۴۸۳)

"من قعد عن الفرصة اعجزه الفوت"

"اگر فرصت کے دوران انسان بیٹھا رہے اور سہل انگاری کا مظاہرہ کرے تو یہ وقت گزر جانے کے بعد وہ عاجز ہو جاتا ہے۔"

(غرر الحکم۔ ص ۶۵۳)

معروف امریکی محقق "ولیم جان ریلی" لکھتا ہے کہ۔

"ہم تاریخ کے قبرستان میں ہزارہا انسانی ڈھانچوں کا مشاہدہ کرتے ہیں جو عین دم کامیابی شک و شبہ اور ارادے کے فقدان کی بناء پر تھک کر

Marfat.com

بیٹھ گئے اور اسی حال میں فنا کے گھاٹ اتر گئے۔ ہمارے ذہن میں اٹھنے والے بیشتر تفکرات اس قدر خود بخود رواں ہوتے ہیں کہ ہمیں بعض اوقات ان کا جائزہ لینے کا موقع بھی نہیں مل پاتا۔ اگر ہم یہ جائزہ لینے کے لئے کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں ایک لمحہ کے لئے اپنی فکر کی روانی کو قابو میں کریں تو دیکھیں گے کہ ہم ہر روز متعدد عزم کرتے ہیں اور سینکڑوں ارادے باندھتے ہیں لیکن اس بات کی طرف متوجہ نہیں ہوتے کہ ہمارے اکثر ارادے ناقص اور بے توجہی کا شکار ہیں یعنی ہماری خواہش ہوتی ہے کہ کوئی کام انجام پائے' ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے اس کا اراد بھی کرلیا ہے حالانکہ درحقیقت ہم ایک قسم کی سہل انگاری کا شکار ہوتے ہیں اور یوں کام مؤخّر ہوجاتا ہے۔

البتہ جب کسی ارادہ کو مؤخّر کرتے ہیں تو درحقیقت ہم نے یہ ارادتاً کیا ہوتا ہے یعنی ارادہ کیا ہوتا ہے کہ یہ کام انجام نہیں دیں گے اور اس کے بارے میں خم ٹھونک کر میدان میں نہ آئیں گے اور ہماری یہی تاخیر ایک طرح کا ارادہ ہے۔

کاموں میں تعطل اور سستی برتنا بہت آسان ہے۔ خاص طور پر اگر آپ خود کو عملاً فریب دیں اور اپنے آپ کو یہ دھوکہ دیں کہ میں مستقبل میں بہتر انداز میں پیش رفت و ترقی کرسکتا ہوں۔ یعنی اس وقت اپنے ذہن کو یہ دلاسہ دے کر مطمئن کردیں کہ آئندہ بہتر حالات رونما ہوں گے۔ اس صورت میں آپ صرف خود کو فریب

Marfat.com

دے رہے ہوں گے اور اس خام خیالی کا شکار ہوں گے کہ مستقبل مشکلات سے مبّرا اور جدوجہد سے خالی اور موجودہ سختیاں عارضی اور جلد گزر جانے والی ہیں۔لیکن درحقیقت کاموں کے دوران اور اچھے اور اہم کاموں کی راہ میں مشکلات منہ کھولے کھڑی ہوتی ہیں کسی سحر آمیز طلسمی مستقبل کا کوئی وجود نہیں۔ تمہارا حال ہی نعمت ہے جو تمہارے اختیار میں ہے اور اس وقت ہاتھ آئی ہوئی فرصت گزشتہ کامیابیوں اور آئندہ کی امید سے زیادہ قدروقیمت کی حامل ہے۔"
(تفکرِ صحیح'ص ۱۰۵-۱۰۳)

ایک اعلیٰ امتیاز

ایمان ہی وہ واحد عامل ہے جو انسانی روح کو اس قدر قوی بنا سکتا ہے اور اس کی استعداد کے دائرہ کو اس حد تک وسعت دے سکتا ہے کہ وہ سخت ترین مصائب اور پیچیدہ ترین مشکلات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہے اور کسی صورت ضعف و زبونی کا اظہار نہ کرے۔ باایمان شخص جانتا ہے کہ سختیاں جس قدر بھی گراں ہوں' وہ شکست تسلیم نہ کرنے والی روح کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور آخرکار گھٹنے ٹیک دیتی ہیں۔

زحمات اور مشکلات پر تحمل و برداشت بعض نفسیاتی بیماریوں کے نقصانات انسان تک نہیں پہنچنے دیتا۔ یہ ایمان کی قوّت ہے جو صبرو تحمل کی صلاحیت میں اضافہ کرتی ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ اس خصوصیت کو مردانِ خدا کا امتیاز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"مثل المؤمن مثل سبیکة الذهب ان نفخت علیها احمرت وان وزنت لم تنقص"

"مومن کی مثال سونے کی ڈلی کی سی ہے کہ اگر اس کا رنگ سرخ ہونے تک اسے آگ کی بھٹی میں پکایا جائے تب بھی اس کے وزن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔" (نہج الفصاحہ، ص ۵۶۴)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"المؤمن نفسه اصلب من الصلد"

"مومن کا نفس سخت پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔"

(بحار الانوار ج ۱۵۔ ص ۹۴)

"مان" کہتا ہے کہ۔

"جب ہدف تک پہنچنے کے سلسلہ میں ہماری کوششوں کے درمیان کوئی ایسی رکاوٹ حائل ہوجائے جس کو عبور کرنا مشکل یا غیر ممکن ہو، تو ہمارے اندر ناکامی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ ہماری ناکامی کا باعث بننے والی رکاوٹیں ممکن ہے بیرونی ماحول کی پیداوار ہوں، دوسرے افراد ہوں اور ممکن ہے ہمارے اپنے نقائص ہوں۔ ناکامیوں کو برداشت کرنے کی طاقت مختلف لوگوں میں مختلف ہوتی ہے۔ ممکن ہے ایک معین حد تک ناکامی کا سامنا کرنے سے بعض لوگ نفسیاتی طور پر شکست و ریخت کا شکار ہوجائیں اور عین ممکن ہے کچھ دوسرے لوگ اسے آسانی سے سہ جائیں۔ وہ لوگ جن میں ناکامیاں برداشت کرنے کی طاقت کم ہو، ممکن ہے ناکامی کے موقع پر اپنی راہ

Marfat.com

گم کر بیٹھیں اور ایسے کام کر بیٹھیں جو انہیں اپنے ہدف سے دور کر دیں۔" (اصولِ روان شناسی" "مان" ص ۱۴۸)

ضعف و ناتوانی کی پردہ پوشی

کسی عمل سے گریز کے لئے خود اپنے آپ کو دھوکا دینا اور جو کام انسان اپنے ضعف و کمزوری کی بناء پر انجام دینے سے قاصر ہے اس کے بارے میں بہانے تراشنا ایک نفسیاتی مسئلہ ہے۔ جو شخص اپنے کاموں میں ثابت قدمی اور مسلسل جدوجہد کا مظاہرہ نہیں کرتا وہ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتا ہے اسے یا تو ناتمام چھوڑ دیتا ہے یا زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے سے ہچکچاتا ہے، اپنے اس نقص کے سلسلہ میں مسلسل عذر و بہانے تراشتا ہے اور یوں خود کو فریب دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"قد یکذب الرجل علی نفسه عند شدة البلاء بما لم یفعله"

"بسا اوقات انسان مشکلات و مصائب سے گھبرا کر جب عمل سے کترانا چاہتا ہے تو خود سے جھوٹ بولتا ہے اور اپنے نفس کو فریب دیتا ہے۔" (غرر الحکم ص ۵۳۷)

یہ بات اب علمی سطح پر بھی ثابت ہو چکی ہے جس کے لئے نفسیات دان "خود فریبی" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

"جب کوئی شخص کسی کام کی انجام دہی سے عاجز رہتا ہے اور اپنا پیشہ

Marfat.com

ترک کرکے کوئی دوسرا پیشہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے یہ استدلال پیش کرتا ہے کہ "میرے خیال میں اس پیشہ کو اختیار کرکے میں لوگوں کی اور اپنے وطن کی زیادہ خدمت کرسکتا ہوں"۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے کیونکہ وہ یہ کام کرنے کی لیاقت و اہلیت نہیں رکھتا اس لئے اپنا پیشہ بدل لیتا ہے۔ انسان اپنے اعمال و افعال کے حق میں دلائل و براہین لاتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اپنے کاموں کو درست اور صحیح ثابت کرے۔

غیر واقعی استدلال ایک دفاعی عمل یا شکست کی علامت ہے۔ یا اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان مشکلات کے مقابلہ کی راہ سے واقف نہیں۔ ایسے لوگ جو واضح طور پر نقائص میں مبتلا ہوتے ہیں اس قسم کے غیر واقعی استدلال کا سہارا لیتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے نقائص کی تشخیص کے بعد ان کے علاج کی کوشش کریں۔ جب ہم شکست کھاتے ہیں تو ہمارا غافل ضمیر یاس و پژمردگی پیدا کرتا ہے ہمیں غیر حقیقی استدلال پر اکساتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ ایسے لوگ اپنے یاس و ناامیدی کا اعتراف کریں اور مشکلات پر قابو پانے کے لئے قوّت کے حصول کی کوشش کریں اور اس شکست کو بھول جائیں جو ہمارے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے کا نتیجہ تھی اور مستقبل کی منصوبہ بندی میں اس شکست سے فائدہ اٹھائیں۔

مشکلات اور دشواریوں سے فرار غلط علاج ہے کیونکہ ایک قلیل مدّت تک تو یہ فریب کارگر ہے لیکن بہت جلد انسان درد و بیماری اور

Marfat.com

ضعف و ناتوانی محسوس کرنے لگتا ہے۔ جب انسان مشکلات کے مقابل ردِ عمل کا اظہار کرتا ہے تو اسے خود سے سوال کرنا چاہئے کہ کیا میں خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکا دے رہا ہوں؟ کیا میں نے غیر واقعی استدلال کا سہارا لیا ہے؟ مجھے کس طرح حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا چاہئے؟

کسی موضوع پر محض گفتگو کرنا کافی نہیں بلکہ مشکل کے حل کے لئے قدم بڑھانا چاہئے اور اس پر وقت صرف کرنا چاہئے اور عذر تراشی و بہانہ بازی کے ذریعہ وقت نہیں گزارنا چاہئے۔

غیر واقعی استدلال ناپسندیدہ اور مذموم ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرح سے خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو نادانستگی میں فریب دینا ہے۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ حقائق کا سامنا کرے صواب اور ناصواب کی تشخیص کرے اور مشکلات کے حل کے سلسلہ میں قدم بڑھائے۔"

(روان شناسی برای زیستن -ص ۱۹۴-۱۹۱-۱۸۹)

مشکل حالات اور بحرانی صورتِ حال میں یاس و ناامیدی کی ممانعت کرتے ہوئے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نصیحت کرتے ہیں کہ پیچیدہ ترین اور دشوار ترین مراحل میں بھی انسان کو مشکلات سے فرار اختیار نہیں کرنا چاہئے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔

"عند تناهی الشدائد یکون توقع الفرج"

"سختیاں اور پریشانیاں اپنی انتہا کو پہنچ جائیں تب بھی فراخی اور کامیابی کی امید رکھو۔" (غرر الحکم ص ۴۸۹)

Marfat.com

"عند تضایق حلق البلاء یکون الرخاء"

"جوں ہی مشکلات کی زنجیر کا حلقہ تنگ ہوتا ہے آسائش آپہنچتی ہے۔" (غرر الحکم ص۴۸۹)

مصائب کے مقابل صبر و شکیبائی پیغمبرانِ الٰہی کی ان تعلیمات میں شامل ہے جو وہ انسانیت کی تربیت کے لئے لے کر آئے ہیں۔

"کسی پیغمبر کو بتایا گیا کہ ایک بوڑھی عورت کا اکلوتا لڑکا جو نہایت لائق و فائق تھا وفات پا گیا ہے۔ عورت کا غم سے بُرا حال ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ اس کی روح بھی قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے گی۔ آپؑ سے گزارش ہے کہ اس کے یہاں تشریف لے چلئے اور پند و نصیحت اور نرم گفتاری کے ذریعہ اسکو دلاسہ دیجئے' اس کا غم ہلکا کیجئے۔ پیغمبرِ خداؑ اس عورت کے گھر تشریف لے گئے اسی دوران انہوں نے دیکھا کہ گھر کے ایک کونے میں کبوتر پلے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑھیا سے دریافت کیا : کیا یہ کبوتر یہاں بچّے دیتے ہیں۔

عورت نے جواب دیا : ہاں۔

کیا وہ تمام بچّے اپنی عمر پوری کرتے ہیں؟ پیغمبرؑ نے سوال کیا۔

عورت نے کہا : ان میں سے بعض کو ہم ذبح کر کے ان کا گوشت استعمال کر لیتے ہیں۔

پیغمبرؑ نے پھر سوال کیا : کیا انہیں ان کی ماؤں کے سامنے ذبح کرتے ہو؟

Marfat.com

جواب ملا : جی ہاں۔

کیا اس کے بعد ان بچّوں کے ماں باپ تم سے دور ہو جاتے ہیں؟

نہیں ہرگز نہیں۔ عورت نے جواب دیا۔

جب گفتگو یہاں تک پہنچی تو پیغمبر نے فرمایا۔ اے خاتون تم خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اور اس کی مشیت کے سامنے ان کبوتروں سے زیادہ ضعف اور کم ہمتی کا اظہار نہ کرو۔ حالانکہ تم ان کی نگاہوں کے سامنے ان کے بچّوں کو ذبح کرتے ہو تب بھی وہ تم سے دوری اختیار نہیں کرتے اور تمہارا گھر نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ تمہارا یہ عمل خود تمہارے ہی لئے مفید ہوتا تھا اس کا ان کبوتروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تھا۔ جب کہ تمہارے فرزند کی موت میں خود تمہاری اور تمہاے فرزند کی مصلحت ہے۔

یہ گفتگو سن کر عورت کی حالت میں یک بیک تغیّر رونما ہوا اُس کے اندر ایک عجیب انقلاب پھوٹ پڑا' بے اختیار سجدے میں گر پڑی' عذر خواہی کرنے لگی اور بارِ غم اس کے دل سے ہلکا ہو گیا۔

"ہے کوئی ایمان سے بڑی قوّت جو چند کلمات کے ذریعہ زخمی دلوں کو یوں آسودہ کردے؟"

پائیدار دوستی

ایک اور اخلاقی فضیلت جس کی پابندی ہر مسلمان پر ضروری ہے دوستی اور مودت میں ثابت قدمی و پائیداری ہے۔ پیغمبرِ اسلامؐ اپنے ماننے والوں کو آپس

Marfat.com

میں پائیدار قلبی روابط اور باہمی دوستی کی تاکید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ان اللہ یحب المداومۃ علی الاخاء القدیم فداو موا"

"خداوندِ بزرگ و برتر کو یہ بات پسند ہے کہ مسلمان اپنی دوستیوں میں ثابت قدم رہیں اور اپنی قدیم دوستیوں کو اسی طرح محفوظ رکھیں۔ پس ہمیشہ دوستی اور قلبی تعلق میں وفادار رہو۔"

(نہج الفصاحہ ۔ص ۱۵۲)

اسی بارے میں "ڈاکٹر آویبری" لکھتا ہے کہ۔

"بسا اوقات مدّتِ مدید تک ہم کسی کے ساتھ میل ملاپ رکھتے ہیں لیکن پھر بھی خاطر خواہ طور پر اسے پہچاننے سے عاجز رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ "قدیم دوستوں کو کسی صورت گوانا نہیں چاہئے کیونکہ ان جیسے آسانی سے نہیں پاسکتے۔"

حقیقی دوست وہ ہے جو مشکل وقتوں میں محبت کے رشتے کو کمزور نہ پڑنے دے اور جب مصائب کا سیلاب ہمارے سروں سے گزر رہا ہو تو اس کی آتشِ مودت ٹھنڈی نہ پڑے ۔ اگر تمہیں ایسے دوست میسّر ہوں تو ان کی قدر کرو۔ اس نکتہ کو ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ دوست بنانا جتنا مشکل ہے اس سے کہیں زیادہ مشکل اس دوستی کی حفاظت ہے۔ ہم انصاف سے کام نہیں لیتے وگرنہ اس بات کا اعتراف کریں کہ ہمارے اکثر دوست ہماری سستی کی وجہ سے ہم سے دور ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر کہتا ہوں کہ یوں ہی آسانی کے ساتھ اپنے دوستوں سے

Marfat.com

ہاتھ نہ دھویئے کیونکہ سچے دوست کیمیا کی طرح کمیاب اور سونے کی طرح گرا نبہا ہیں۔ دوستی وہ ہے جو تادمِ مرگ پائیدار ہو اور مرنے کے بعد بھی اس میں کمی نہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اپنے دوستوں کا دقت کے ساتھ اور حکمت کے تقاضوں کے تحت انتخاب کریں اور ان کو ان کی فضیلت و تقویٰ' عظمت و روحانیت کی وجہ سے دوست رکھیں تو کسی وقت بھی حوادثِ روزگار ہمارے اور ان کے درمیان دوری پیدا نہ کر سکیں۔"

(در آغوش خوشبختی۔ ص ۷۱-۶۹)

Marfat.com

نواں باب

حقیقی عزّت و شرافت

ایک روحانی ضرورت ۔۔۔۔ ۳۴۴

مصنوعی امتیازات ۔۔۔۔ ۳۴۷

اسلام کی نگاہ میں عزّت کا مفہوم ۔۔۔۔ ۳۵۳

ذلّت و پستی سے اجتناب ۔۔۔۔ ۳۵۶

روحِ بے نیازی ۔۔۔۔ ۳۶۲

عاقبت اندیشی ۔۔۔۔ ۳۶۵

حقیقی آزادی ۔۔۔۔ ۳۶۸

ہدف کا انتخاب استعداد کے مطابق ہونا چاہیے ۔۔۔۔ ۳۶۹

گناہوں کے نتیجہ میں احساسِ ندامت ۔۔۔۔ ۳۷۱

ایک بڑا نقص ۔۔۔۔ ۳۷۶

Marfat.com

ایک روحانی ضرورت

انسان بنیادی طور پر جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ روحانی ضروریات بھی رکھتا ہے جن کا ہر حال میں پورا ہونا اس قدر واضح و آشکارا ہے کہ اس کے بارے میں کسی بحث و گفتگو کی گنجائش نہیں۔ اگر کسی وقت اچھی طرح اور مناسب موقع پر ان ضروریات کی تسکین نہ ہو پائے تو روح اعتدال کی راہ چھوڑ دیتی ہے اور اجتماعی و انفرادی زندگی میں مشکلات اور نقصانات وجود میں آتے ہیں اور ایسے ناقابلِ برداشت اختلال و ناگواریاں ظاہر ہوتی ہیں جن کی تلافی تقریباً ناممکن ہوتی ہے۔

انسان کی مادی احتیاجات کے برخلاف اس کی روحانی ضروریات بہت وسیع ہیں۔ اسی بناء پر روحانی تقاضوں اور خواہشات کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ ہرچند روحانی ضروریات کے بارے میں علمی تحقیقات کے آغاز کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا لیکن ان کا وجود کوئی نئی بات نہیں بلکہ انسانی حیات کے آغاز سے ہی یہ احتیاجات اس کے ساتھ ساتھ ہیں۔

روحانی اعتبار سے افرادِ بشر مساوی سطح پر نہیں بلکہ ان کے درمیان تفاوت پایا جاتا ہے اور یہی چیز لوگوں کا طرزِ تفکر اور احساس و عمل ایک دوسرے سے

Marfat.com

مختلف و متمائز بناتی ہے اور بے شک انسان کی سعادت یا بدبختی کے سلسلے میں اس کے اثرات ان اختلافات سے زیادہ موثر ہوتے ہیں جو انسانوں کے اپنے ساختہ وپرداختہ مقررات کا نتیجہ ہیں۔

انسان کی بنیادی روحانی ضرورت اور کمال دوستی کے لوازم میں سے ایک "عزّت طلبی" کی حس ہے جو اس کی بہت سی سرگرمیوں کا ہدف ہے۔ آدمی عزّت کا شیفتہ ہے اور اسی نسبت سے ذلّت و خواری سے متنفر و بیزار رہتا ہے۔ جب اس کی عزّت و آبرو کو خطرے کا سامنا ہو تو وہ اس سے نجات کے لئے اپنی تمام قوتوں اور استعداد کو بروئے کار لاتا ہے اور ہر ممکن طریقہ سے اپنی شکست کی راہیں مسدود کرتا ہے۔ انسان کے لئے ناکامی کا خوف اور اس رنج و ناگواری کا احساس جو بے عزّتی کے تصور سے ہوتا ہے اصل شکست اور عقب ماندگی سے زیادہ سنگین ہے اور یہ اکثر زندگی کو وحشت ناک بنانے کا سبب بنتا ہے۔

بے عزّتی کا یہی احساس ہے جو بعض افراد کی حساس روح میں غمگین اور مہیب طوفان بپا کردیتا ہے یہاں تک کہ ان کی نظر میں دنیا ملامت خیز اور بے مفہوم ماتم کدے کا روپ دھار لیتی ہے اور بسا اوقات ان میں سے بہت سے لوگ اس وحشت اور اضطراب سے نجات کے لئے خودکشی کے دامن میں پناہ لیتے ہیں۔

شکست اور ناکامی کے بعد ایک شرمندہ اور مایوس وجود میں بدل جانے کی بجائے انسان کو چاہئے کہ وہ اس صورتِ حال سے مقابلہ کی صحیح اور مناسب راہ کے بارے میں غور و فکر کرے۔ عاقلانہ رَوِش یہ ہے کہ اپنی صلاحیتوں کو ایک مناسب راہ پر بروئے کار لائے اور شائستہ طریقے سے اپنی لیاقت کا اظہار اور

Marfat.com

شخصیت کا اعلان کرے تاکہ اسے کھویا ہوا روحانی اعتدال اور شخصیت کا توازن دوبارہ حاصل ہو جائے اور اس تلافی کے بعد اپنی بقیہ عمر کو عزّتِ نفس اور استقلال کے ساتھ بسر کر سکے۔

عزّت طلبی کی حس' جس کا بیج خود دستِ قدرت نے انسانی وجود میں بویا ہے' بچپن ہی سے مختلف صورتوں میں پروان چڑھنا شروع ہو جاتی ہے اور دوسری روحانی خصوصیتوں کی نسبت بہت جلد ظاہر ہونے لگتی ہے۔ کم سن بچے کا حساس دل بھی عزّت افزائی کے لئے بے قرار رہتا ہے۔ فطرتاً اکثر بچّے اپنے اطراف زندگی بسر کرنے والوں سے عزّت افزائی کی توقع رکھتے ہیں اور اس میں دوسروں کی حصّہ داری برداشت نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے گھر میں کسی نئے بچّے کا اضافہ ہوتا ہے اور ماں کی زیادہ توجہ اس نومولود کی طرف ہو جاتی ہے اور اسے بڑے بچّے پر پہلے جیسی توجہ کا موقع نہیں مل پاتا تو یہ بچّہ عجیب گستاخانہ اور تند خوئی پر مبنی رویہ اپنا لیتا ہے۔ نومولود سے غصّہ و نفرت کا اظہار کرتا ہے اور اسے اپنا رقیب سمجھنے لگتا ہے۔

اگر بچے کو مسلسل حق تلفی اور اس بات کا احساس ہونے لگے کہ اسے نظر انداز کیا جا رہا ہے تو اس کے نتیجہ میں اس کی اندر کینہ توزی' ضد اور حسد کے جذبات جڑ پکڑنے لگتے ہیں اور وہ بہت آسانی سے گمراہی اور فریب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس میں نفسیاتی عوارض جنم لینے لگتے ہیں اور متعدد پیچیدہ مشکلات اسے گھیر لیتی ہیں۔

ہر قوم کی عظمت و انحطاط یا عزّت و پستی اس کے نفسیاتی حالات سے وابستہ ہے۔ اور آخرکار یہ کیفیات قوموں کے طرزِ تفکر اور اعمال پر اثر انداز

Marfat.com

ہوتی ہیں۔ انفرادی خصوصیات' جیسے پاکیزہ احساسات اور نمایاں روحانی خصائل کا ایسے امتیازات سے جو زندگی میں کسب کیے جاسکتے ہیں مثلاً منصب و مقام وغیرہ کوئی مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی بھی شخص یا قوم کی عزّت و احترام کے سلسلہ میں بیرونی عوامل سے زیادہ اندرونی اسباب کا دخل ہوتا ہے۔ بدبختی و ذلّت اور سعادت و شرف اندرونی حیات کے تابع ہے حالانکہ کوتاہ فکر افراد کا خیال ہے کہ طبقاتی تفاوت اور ذات پات شرافت کے درجات کے تعیّن میں اصل عامل ہیں۔

مصنوعی امتیازات

معاشرہ میں بکثرت ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو عزّت و شرف کے عوامل کی تشخیص کے سلسلے میں غلطی کا شکار ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی روحانی ضروریات صحیح راستے سے پوری نہیں ہوتیں اس لئے وہ اصل راستہ ترک کرکے انحرافی اور ضرر رساں راستے اختیار کرلیتے ہیں' اپنی تسکین کے جعلی طریقے دریافت کرتے ہیں اور بالکل اس ڈوبنے والے کی مانند جو اپنی نجات کے لئے ہر بے قیمت سہارے کی جانب ہاتھ بڑھاتا ہے عزّت پانے کے لئے جعلی امتیازات کے حصول کی خاطر کسی قسم کی کوشش سے دریغ نہیں کرتے۔

مثلاً ممکن ہے ایسے لوگوں میں مال و دولت کے حصول کی نہ ختم ہونے والی خواہش جنم لے لے اور یہ خواہش اس قدر حاوی ہوجائے کہ ان کے اندر سے اختیار' عقل' انصاف اور مصلحت جیسی چیزوں کو ختم کردے۔ یہ غیر صحت مندانہ کیفیت انسان کو ایک بے چین اور مجبور و لاچار وجود کی صورت میں بدل

Marfat.com

دیتی ہے جو خود اپنے لئے بھی رنج و غم کا سبب ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ضرر رساں بن جاتا ہے اور اگر کسی معاشرہ میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ جائے اور اکثریت ایسے افراد پر مشتمل ہو جائے تو یہ لوگ سماج کو اختلال اور دشواری میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

مصیبت یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال و دولت اکثر ان دو صفات کا سبب بنتی ہے کہ جن میں سے ہر صفت اپنے مقام پر شقاوت و بدبختی پر منتہی ہوتی ہے۔ یا تو یہ کہ انسان کو جادۂ اعتدال اور راہِ مستقیم سے منحرف کر کے ہوس بازی کی جانب لے جاتی ہے اور یا یہ کہ انسان دولت و ثروت کے عشق کا اس قدر اسیر ہو جاتا ہے کہ بت کی مانند اس کی پرستش کرنے لگتا ہے اور ہر چیز کو اس کی بھینٹ چڑھانے پر آمادہ رہتا ہے۔

البتہ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ انسان کو مال و دولت کے حصول اور ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے سلسلے میں کسی قسم کی رغبت کا اظہار نہیں کرنا چاہئے بلکہ مراد یہ ہے کہ ضرورت سے زیادہ مال و دولت کسی کی خوش بختی میں معمولی سا اثر بھی نہیں رکھتے۔ یہ چیز کسی صورت کسی کی روحانی تسکین اور آسودگی کا سبب نہیں بن سکتی ــــــــ انسانوں میں پائے جانے والے اکثر روحانی عوارض کا سبب مال و دولت کی جانب ضرورت سے زیادہ میلان اور محض اسی جانب جھکاؤ ہے۔

ظاہر ہے کہ نامناسب ہدف کے ذریعہ اچھا نتیجہ حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ روحانی اضطراب بے سوچے سمجھے نامناسب ہدف کے انتخاب کا منطقی نتیجہ ہے۔ لہٰذا ایسے بے حساب دولت مند بھی ملتے ہیں جو معنوی اقدار سے فاقد ہونے کی

Marfat.com

بناء پر نہ صرف یہ کہ عزّت و شرافت کے احساس سے بے بہرہ ہوتے ہیں بلکہ زندگی کی بپھری ہوئی موجوں کے سامنے خود کو تنہا' بے یارومددگار اور پریشان پاتے ہیں اور بالآخر اسی بے چارگی اور تنہائی کے عالم میں موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

عزّت ایک ایسا شیریں احساس ہے جو روح کی گہرائیوں سے ابھر کر ہر سو پھیل جاتا ہے۔ ایسا انسان جو عزّتِ نفس کا حامل ہو معاشرہ کا بھی محبوب ہوتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں افتخار کے اعلیٰ درجات کے حصول کی خواہش ہوتی ہے' سماج کے افق پر ستاروں کی مانند چمکنا چاہتے ہیں' اپنے شکوہ و رونق سے دوسروں کو خیرہ کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں۔ ان کا دل چاہتا ہے کہ نہ صرف ان کا نام لوگوں کے وردِ زبان ہو بلکہ لوگ ان کی تصویر دلوں میں سجائے رکھیں۔ لیکن اس آرزو کی تکمیل کے لئے انسان کو اپنا وطیرہ حقیقت بنی بنانا چاہئے اور زندگی کے ستون کو عزّت و شرافت کی حقیقی بنیادوں پر اٹھانا چاہئے۔

ایک مغربی دانشور کہتا ہے کہ۔

"دولت محض درہم و دینار کا نام نہیں۔ اصل ثروت وہ معنوی صفات ہیں جو چور بھی نہیں چرا سکتے۔ بکثرت ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو ان صفات کی بدولت صاحبِ ثروت لوگوں کی توجہ و احترام کا مرکز بن جاتے ہیں۔دولت محنت و مشقت کے ذریعہ حاصل کی جاسکتی ہے لیکن شرافت و آبرو کا حصول کیونکر ممکن ہے-----؟ یہ وہ چیز ہے جو سونا' چاندی کے ذریعہ بھی حاصل نہیں کی جاسکتی۔

مجھے نہیں معلوم لوگ حقیقت سے کیوں روگرداں ہیں۔ دولت کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ اس کے حصول کے لئے جان ہتھیلی پر لئے مشتاقانہ آگے بڑھتے ہیں اور کسی خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اپنے جسم کی صحت اور روحانی اطمینان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ دولتمند بننے کے لئے اپنی زندگی کے اہم ترین حصے کو رنج و ابتلا کی نذر کردیتے ہیں۔ درحالانکہ سونا انسانی زندگی کے ایک دقیقہ کی برابری نہیں کرسکتا۔

لوگ گمان کرتے ہیں کہ دولت انہیں سعادت تک پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ خوش بختی مال و دولت سے نہیں خریدی جاسکتی۔ (خام خیال) بے چارے جس قدر اس کے حصول کے لئے آگے بڑھتے ہیں اتنا ہی خود سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں اور آخر کار اس پرپیچ و خم راہ میں خود کو گُم کربیٹھتے ہیں اپنی روح' احساسات اور فضائل کو پامال کردیتے ہیں۔

سعادت کے لئے نہ روپیہ پیسہ لازم ہے' نہ دولت و ثروت۔ جو چیز ضروری ہے لوگ اس سے غافل ہیں اور طالبانِ سعادت میں مجھے ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جو اس چیز کی جستجو میں ہو۔"

(در جستجوی خوش بختی۔ص۱۴۶)

جب اسکندر کو ایران پر لشکر کشی کے لئے سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا گیا تو معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ گروہ در گروہ اسے مبارک باد دینے آنے لگے۔ لیکن "دیوژن" جو معروف یونانی فلسفی تھا حاضر نہ

Marfat.com

ہوا۔ اسکندر جو اس فلسفی سے ملنے کا شدید اشتیاق رکھتا تھا خود ہی اس سے ملاقات کے لئے نکل کھڑا ہوا۔

"دیوژن" جو ایک آزاد منش اور بے نیاز انسان تھا اور اپنی عزّتِ نفس کا تحفظ اس کی نمایاں خصوصیت اور شعارِ زندگی تھا زمین پر لیٹا ہوا سورج کی کرنوں کی تپش سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ جوں ہی اسے احساس ہوا کہ کچھ لوگ اس کی سمت آرہے ہیں' اس نے تھوڑا سا اُٹھ کر دیکھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اسکندر جاہ و حشم' شکوہ و جلال کے ساتھ چلا آرہا ہے۔ یہ دیکھنے کے بعد دیوژن پھر بے نیازی سے زمین پر لیٹ گیا۔ اسکندر نے قریب پہنچ کر نہایت ادب سے اسے سلام کیا اور بولا آپ مجھ سے جو چاہیں طلب کیجئے میں تعمیلِ حکم میں کوتاہی نہ کروں گا۔

"دیوژن" نے کہا میرا صرف ایک تقاضا ہے۔ آپ کے آنے سے پہلے میں سورج کی کرنوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ آپ آکے ان کرنوں کی راہ میں حائل ہوگئے ہیں برائے مہربانی ذرا ایک طرف کو ہٹ جایئے۔

یہ سن کر اسکندر کے ساتھ آنے والے لوگ ناک بھوں چڑھانے لگے اور آپس میں کہنے لگے کہ کس قدر نادان شخص ہے جس نے اتنے اچھے موقع کو ضائع کردیا۔ لیکن اسکندر جو "دیوژن" کی اس اعلیٰ ظرفی اور عزّتِ نفس کے سامنے خود کو حقیر سمجھ رہا تھا' سوچ میں پڑگیا' مبہوت ہوگیا۔ بالآخر واپس آتے ہوئے اپنے ہمراہیوں کی باتیں سن کر جو وہ اس فلسفی کی تحقیر و ملامت کے سلسلہ میں کررہے تھے بولا۔ "سچ میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی دیوژن بن جاؤں" (تاریخِ علم۔ از جارج سارٹن' ص ۵۲۵)

Marfat.com

ہر زمانے میں ایسے لوگ ملتے ہیں جو اپنے اکثر احساسات و اعمال پر حکم فرما نیہ سالم روح کے سبب دوسروں کے مقام و منزلت کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے اور چاہتے ہیں کہ اپنی شخصیت کو ان بزرگوں سے برتر جلوہ دیں یا خود کو کم از کم ان سے مساوی و برابر ظاہر کریں۔ لیکن کیونکہ سرمایۂ عظمت سے تہیدست ہوتے ہیں اس لئے مختلف ذرائع سے کوشش کرتے ہیں کہ ان (بزرگوں) کی عظمت کی درخشندگی کی راہ میں حائل ہوجائیں لیکن وہ کسی صورت کامیاب نہیں ہوپاتے۔ مختلف حیلے بہانوں اور تخریبی عوامل کے ذریعہ ان شخصیات کی قدر و قیمت اور منزلت گھٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔

کیونکہ یہ صاحبِ عظمت ہستیاں جنسِ بشر سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے زمان و مکان کے فاصلے پیدا ہوجاتے ہیں اس کے باوجود یہ ناقابلِ فراموش ہوتی ہیں اور جوں جوں زمانہ گزرتا ہے ان کی عظمت کے ستارہ کی چمک دمک میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے۔

نفسانی خواہشات کو حدِ اعتدال میں رکھنے کی خاطر اور نامطلوب میلانات کو قابو میں رکھنے کے واسطے عزّت طلبی کی حس سے مدد لی جاسکتی ہے۔ ممکن ہے کوئی شخص درست اخلاق کا حامل نہ ہو اور باطنی طور پر انحراف کی جانب ایک خاص رجحان رکھتا ہو لیکن کیونکہ اپنی عزّتِ نفس کے تحفظ کا آرزو مند ہوتا ہے اس لئے ناپسندیدہ اعمال اور آلودگیوں سے اجتناب برتتا ہے اور یہ فطری سرمایہ اس بات کا سبب بنتا ہے کہ وہ خلافِ شرافت اور ناپسندیدہ اعمال میں ہاتھ آلودہ نہیں کرتا۔

Marfat.com

اسلام کی نگاہ میں عزّت کا مفہوم

حیوانیت کی سطح سے بلند ہو کر عظمت کی بلندیوں کو چھو لینا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ کیونکہ کمالِ مطلوب تک رسائی کی آرزو ہر انسان میں رکھ دی گئی ہے اور یہ سوچ انسانی روح میں گہری جڑیں رکھتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تربیت کی ضرورت مسلّمہ ہے کیونکہ سقوط و گمراہی کی راہوں کو اپنانے کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں بلکہ پست خواہشات خود بخود انسان کو انحطاط کی راہ پر لگا دیتی ہیں۔

پست حیوانی خواہشات کی تنگنائی سے باہر نکل کر ہی انسان حقیقی کمال تک پہنچ سکتا ہے اور وسیع تر افق اور عالی تر افکار سے آشنا ہو سکتا ہے۔ پس اگر وہ چاہے تو لغزش کے موقع پر پست حیوان ہو جائے اور چاہے تو مخرّب محرّکات کے غلبہ سے قبل ان سے نجات حاصل کر لے اور فرشتوں کی مانند جہانِ بالا کی جانب پرواز کر جائے۔

اسلام خارجی و داخلی عوامل کے درمیان جو ہم آہنگی ایجاد کرتا ہے وہ کامیابیوں تک رسائی کے لئے روح کے ارتقاء کا ذریعہ ہے۔ تاریخ میں بکثرت ایسے افراد ملتے ہیں جو اپنی مسلسل جدوجہد کے بل بوتے پر انسانیت کے بلند و بالا درجہ پر جا پہنچے۔

اسلام کی نظر میں ہر کسی کا مقام و منزلت اس بات سے وابستہ ہے کہ وہ کس قدر بلند انسانی اقدار سے بہرہ ور ہے۔ اس کے بغیر اس پر انسانیت کے معنی کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اسلام تقویٰ اور پرہیزگاری کے سوا کسی دوسرے ظاہری امتیاز کو عزّت و شرافت کے پیمانے کے بطور پیش نہیں کرتا۔

Marfat.com

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"لا عز اعز من التقوی"

"تقویٰ سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں۔"

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

"من اراد ان یکون اعز الناس فلیتق اللہ عزوجل"

"جو شخص لوگوں کے درمیان عزت و مقبولیت حاصل کرنا چاہتا ہے اسے تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنا شعار بنانا چاہئے۔"

(بحار الانوار۔ ج ۱۷۔ ص ۴۸)

مومن کے باطن میں جوں ہی نورِ تقویٰ چمکتا ہے وہ اس کی اہمیت اور قدر و قیمت سے آگاہ ہو جاتا ہے اور اس آگاہی و وسیع النظری کے نتیجہ میں وہ عزت و کمال کو طاقت و قدرت اور نسب و نژاد میں تلاش نہیں کرتا۔ بلکہ اپنی ذاتی شرافت کا ایمان و اعتقاد کے پیمانے اور اس طاقت سے جو قطعی طور پر اس دنیا میں موثر ہے اور ان فضائل سے جو اس نے اپنے اندر پیدا کئے ہوتے ہیں موازنہ کرتا ہے۔ اُسے تقویٰ سے تہیدست لوگوں کے مقابلے پر اپنی برتری کا احساس ہوتا ہے اور وہ ذلت میں مبتلا کرنے والی ہر عاجزی و انکساری سے اجتناب برتتا ہے۔ اس لئے خضوع و خشوع اور عاجزی و فروتنی کا اظہار صرف خدا کی بارگاہ میں جائز ہے کیونکہ موجودات اور جہانِ ہستی اسی کے ارادہ سے خلق ہوئے ہیں' انسان اسی کے بندہ ہیں لہٰذا کائنات کے بے مثل خالق کے سامنے اظہارِ عاجزی خود ایک بڑی سربلندی کا سبب ہے۔

یہ برتری و استیلا جو متقی انسان کائنات کے اصلی مبداء سے ارتباط کے ذریعہ

Marfat.com

حاصل کرتا ہے، تمام مراحلِ حیات میں اس کے ہمراہ ہوتا ہے۔ تقویٰ وپاکیزگی کی یہ قوّت اس قدر ہمہ گیر اور متقی کی نمایاں نشانی بن جاتی ہے کہ دوسرے بھی یہ احساس کرنے لگتے ہیں کہ اس کی روح میں ایک محکم واستوار حقیقت مستقر ہے، یہ کوئی کھوکھلا وجود نہیں کہ معمولی ساجھٹکا بھی اسے اپنی جگہ سے ہٹادے۔

متقی انسان کے باطن میں پوشیدہ یہ قوّت اسے زندگی کی حقیقتوں سے آشنا کرتی ہے اور وہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے مادیات کے سمندر میں غرق نہیں ہوتا کیونکہ اس کی عقل و روح اسلامی اصولوں سے سیراب ہوتی ہے۔ وہ ہر چیز کے بارے میں خدائی نکتہ نظر کا حامل ہوتا ہے اور اس کے نزدیک کوئی جھوٹی قدر حقیقی اقدار کی برابری نہیں کرسکتی اور یہ ممکن ہی نہیں کہ پست خواہشات اس کی ناقابلِ شکست روح اور ادراکات پر غالب آجائیں۔

وہ زرق و برق مادّیات اور فریبی خواہشات کے مقابل شجاعت سے ڈٹا رہتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ کوئی بھی چیز خواہ کتنی ہی قدر وقیمت پالے اور کسی بھی بلندی پر پہنچ جائے خدا کی عظمت و کبریائی اور گرانبہا احساسات کے مقابل پست و حقیر ہے اور اس کی بڑائی اک دن نابود ہونے والی ہے۔ قرآنِ کریم کہتا ہے کہ۔

"ولا تمدن عینیک الیٰ ما متعنا بہ ازواجاً منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربک خیر وابقی"

"اور خبردار ہم نے ان میں سے بعض لوگوں کو جو زندگانیٔ دنیا کی رونق سے مالامال کردیا ہے اس کی طرف آپ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں کہ

یہ ان کی آزمائش کا ذریعہ ہے اور آپ کے پروردگار کا رزق اس سے کہیں زیادہ بہتر اور پائیدار ہے۔" (سورہ طہٰ ۲۰-آیت ۱۳۱)

اسلام کی نظر میں ایک مسلمان کی اتنی قدر و اہمیت ہے کہ وہ خدا اور رسولِ خدا کی عزّت کے بعد اس کے شرف و فضیلت کا قائل ہے۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ۔

"وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین"

"ساری عزّت اللہ، رسول اور صاحبانِ ایمان کے لئے ہے۔"

(سورۂ منافقون ۶۳ - آیت ۸)

ذلّت و پستی سے اجتناب

عزّتِ نفس اور اس کی سماجی و اخلاقی اہمیت کے بارے میں اولیاء اسلام سے بکثرت روایات منقول ہیں اور ان ہستیوں نے لوگوں کو خود عملی طور پر بھی یہ عظیم اخلاقی درس دیا ہے۔ سرورِ آزادگان حضرت امام حسین علیہ السلام سے سوال ہوا کہ۔

انسان کی عزّت کس بات میں ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ۔

"انسان کی عزّت اس میں ہے کہ لوگوں سے بے نیاز رہے۔"

رسولِ مقبولؐ ایک جملہ میں اس حقیقت کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

"لیس الغنی عن کثرۃ العرض ولکن الغنی غنی النفس"

"بے نیازی مال و دولت کی فراوانی سے حاصل نہیں ہوتی' حقیقی بے نیازی ضمیر و باطن کی بے نیازی ہے۔" (نہج الفصاحہ ص ۵۴)

"لوکرس" کہتا ہے کہ۔

"امیر ترین شخص کے بارے میں ایک لحہ کے لئے یہ تصوّر کیجئے کہ وہ بسترِ بیماری پر پڑا ہوا ہے' پھر اس کی حالت کو نظروں میں مجسم کیجئے۔ اس موقع پر آپ اس پر روپیہ پیسے کی بارش کردیجئے' روئی کے گدے سے اطلس و دیبا کے بستر پر منتقل کردیجئے۔ اگر یہ مال و دولت اس کی بے چارگی اور ناامیدی کا ازالہ کرسکتا ہے تو دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اس کا مال اس کے حال اور اس کی سعادت کے لئے موثر ہے لیکن اگر یہ ثروت اس کے جسم کو آرام نہ پہنچا سکی تو کیسے ممکن ہے کہ روح کو رنج و غم سے بے نیاز کردے گی اور خوشی و نیک بختی سے اس کی ہمکناری کا موجب ہوگی۔" (تلقین بنفس، ص ۱۹)

ڈاکٹر مارڈن لکھتا ہے کہ۔

"اگر ہماری خوش بختی کی بنیاد مادّی لوازم پر رکھی جائے تو وہ بہت جلد ڈھے جائے گی۔ کیونکہ مادّی دنیا فانی اور متغیّر ہے اور اس کے لوازم بجلی کے کوندے کی طرح جلد گزر جانے والے' بخارات کی مانند ناپائیدار اور بھڑکتی آگ کے شعلوں کی مانند متزلزل ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسے فانی اور ناپائیدار لوازم کے ساتھ کیونکہ خوش رہا جاسکتا ہے۔

ایسا شخص جو مادّی لوازم سے آسائش و خوشی کا طلبگار ہو اس شخص کی مانند ہے جو سمندر کی طوفانی موجوں کے درمیان برف کے ایک

Marfat.com

بڑے ٹکڑے پر بے خبر سو رہا ہو۔ ظاہر ہے کہ کچھ ہی دیر میں برف پانی میں بدل جائے گا اور یہ غافل سمندر کی لہروں کی نذر ہو جائے گا۔ دولت و ثروت سعادت کا سرمایہ نہیں بلکہ ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ ہے۔ ہماری خوش بختی کا سرمایہ روح کی آسائش ہے جس پر مادّی لوازم کوئی اثر نہیں ڈالتے۔

یہ گمان نہ کیجئے گا کہ میں مال و دولت کے عیب بیان کر رہا ہوں' مال اگر عقل و اعتدال کے ہمراہ ہو تو سکونِ قلبی کے ذرائع میں سے ایک ہے۔

یہ بات مسلّم ہے کہ مادّی لوازم کی جستجو میں حد سے زیادہ مشغول ہو جانا روحانی اعتدال کو ختم کر دیتا ہے اور حسد' کینہ اور تند خوئی جو مادّہ پرستی کے لوازم میں سے ہیں یکایک ہماری روح کو تسخیر کر لیتے ہیں۔ خوش بختی کے لئے اعتدال و میانہ روی لازم ہے۔ ہمیشہ اپنا جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے تاکہ زندگی کی راہوں میں افراط و تفریط کا شکار نہ ہوں۔

میں نے مذہبی داستانوں میں پڑھا ہے کہ دوسرے جہاں میں گناہگار ایک ایسے راستے کو عبور کرتے ہیں جو آگ سے زیادہ جلا ڈالنے والا' تلوار سے زیادہ تیز دھار اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ زندگی کا راستہ اسی راہ کی مانند ہے۔ کیونکہ بال کی طرح باریک ہے اس لئے اگر ایک لحہ کی بھی غفلت کے مرتکب ہوں تو منحرف ہو جائیں گے' کیونکہ تلوار کی طرح تیز دھار ہے اس لئے اگر احتیاط کو ملحوظ نہ

رکھیں گے تو خود کٹ مریں گے اور کیونکہ آگ کی طرح جلا ڈالنے والا ہے اس لئے ایک لمحہ کی غفلت سے اس کے شعلے ہمارے خرمنِ ہستی کو جلا کر بھسم کردیں گے۔

اگر خوش بختی کا حصول چاہتے ہو تو آگ کی مانند آزمند و سرکش نہ بنو۔ خوش بختی حرص و طمع سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ طمع حریص طوفانی دریا ہے اور اس شخص سے زیادہ قابلِ رحم کوئی نہیں جو طوفان سے سکون و آسودگی کی تمنا رکھے۔" (اسرارِ نیک بختی ص ۱۰۱-۹۸)

ہر وہ مسلمان جو اپنی عزّتِ نفس کی حفاظت کرنا چاہتا ہے اور اس بات کا خواہشمند ہے کہ اپنی روح کو محدودیت سے رہائی دلائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ذلّت و خواری سے اجتناب برتے۔ پیشوایانِ اسلام ہمیشہ مسلمانوں کو ان پست اہداف سے دوری کی ترغیب دیتے تھے جو ان کی عزّتِ نفس سے سازگار نہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"مااقبح بالمؤمن ان یکون له رغبة تذله"

"کس قدر قبیح و ناپسندیدہ بات ہے کہ مومن اس چیز کے بارے میں رغبت کا اظہار کرے جو اس کی ذلّت و پستی کا موجب ہو۔"

(تحف العقول ص ۴۸۹)

دورانِ حیات بے قیمت خواہشات پر اتنی توجہ نہیں دینی چاہئے کہ گویا کوئی چیز ان سے بڑھ کر چاہے جانے کے لائق ہی نہیں..... کیونکہ یہ صورتِ حال فکری جمود اور انحطاط کا سبب ہے۔ ان بے وقعت چیزوں سے دل لگانے کے

Marfat.com

نتیجے میں انسان کے اندر ایسے احساسات پیدا ہوجاتے ہیں جو ایک لمحہ کے لئے بھی اسے مادّیات سے بلند نہیں کرتے' نیز انسان کی عظمت و حیثیت بھی دو کوڑی کی ہوکے رہ جاتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"عظموا اقدارکم بالتغافل عن الدنی من الامور"

"پست و معمولی خواہشات سے چشم پوشی کے ذریعہ اپنی قدر و منزلت میں اضافہ کرو۔" (تحف العقول' ص ۲۲۴)

بعض افراد پر مفاد پرستی کی حس اس قدر غالب آجاتی ہے کہ وہ مادّی منافع کے حصول کے لئے اپنی عزّت و شرافت کو بھی داغدار کرلیتے ہیں اور ہر قسم کی ذلّت و پستی کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیتے ہیں۔ اور کیونکہ ہر کسی سے فائدہ اٹھانے کے جداً جداً طریقے ہیں اس لئے یہ لوگ دوسروں سے میل ملاپ کے دوران خاص تیکنک اختیار کرتے ہیں اور زور شور کے ساتھ اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگوں کا بے جا احترام و تعظیم اور ایسی باتیں جو صرف ذلّت و پستی کے اظہار کے معنی رکھتی ہیں ان کی عادت بن جاتی ہیں۔ یہ طرزِ عمل ان کے باطن کی ناآسودگی اور پستی کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"ساعة ذل لا تفی بعز الدهر"

"ایک لمحہ کے لئے بھی ذلّت قبول کرلینے کی تلافی زمانہ بھر کی عزّت قدموں میں ڈھیر ہوجانے سے بھی نہیں کی جاسکتی۔"

(غرر الحکم ص ۴۳۴)

Marfat.com

"ایمرسن" کہتا ہے کہ۔

"جہاندیدہ لوگ ہر ترقی و کامیابی کے لئے ایک خاص قیمت کی ادائیگی بہتر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اکثر اوقات اس سلسلہ میں کنجوسی سے کام لینے کی وجہ سے بڑا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے اور یہ عدم ادائیگی ہمیشہ ایک فرض کی صورت انسان پر سوار رہتی ہے۔

کیا کبھی کوئی ایسا شخص فائدہ میں رہا ہے جسے اس کے ساتھیوں نے سینکڑوں مرتبہ فائدہ پہنچایا ہو لیکن اس نے کبھی ایک مرتبہ بھی انہیں اس کا صلہ نہ دیا ہو؟

کیا کوئی شخص بے غیرتی اور دھوکہ سے اپنے ہمسایہ کے مال کو استعمال کرکے فائدہ میں رہا ہے؟

نعمت ملنے پر ایک طرف تو شکرِ نعمت اور دوسری طرف احسان کا اعتراف ضروری ہے۔ ہمسائے کے ساتھ معاملات برابری کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ ہمیشہ کسی ایک کا ہاتھ اوپر اور دوسرے کا نیچے نہیں رہنا چاہئے۔ ایک ہمسائے کا احسان ہمیشہ دوسرے کو یاد رہنا چاہئے یہاں تک کہ اس احسان کا بدلہ چکا دے۔ ایسا شخص جو ہمسائے کی بگھی میں سفر کرتا ہے اگر اپنی خودی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اس کی ہڈیوں کا ٹوٹ جانا' مانگنے کی ذلّت سے بہتر ہے کیونکہ دستِ سوال دراز کرنے کی ذلّت بہت بڑی قیمت ہے۔"

(فلسفہ اجتماع ص ۳۸۷)

Marfat.com

روحِ بے نیازی

بے نیازی اور عالی ہمتی ان لوگوں کا خاصہ ہے جنہوں نے اپنی انسانی قدر و قیمت کو پہچان لیا ہے۔ ایک ایسا مسلمان جو اسلام کی گرانمایا تعلیمات پر عمل پیرا ہو اگر مالی بحران سے دوچار ہو جائے تو ذلت و پستی کا مظاہرہ نہیں کرتا بلکہ ان مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتا ہے۔

اسلام میں حلال آمدنی کے حصول کے لئے جدوجہد کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے تاکہ انسان ایک کامیاب زندگی بسر کر سکے۔ لیکن اسی حال میں اسے بے حد و حساب دولت کے حصول کی ایسی خواہش سے باز رکھا گیا ہے جو دولت کی غلامی پر منتج ہوتی ہے۔ کیونکہ دوسروں کا محتاج ہونا اور مال و دولت کا اسیر ہونا دونوں ہی ذلتِ نفس اور انسانی عظمت و شرف کے خاتمہ کا سبب ہیں۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اپنے مختلف کلمات میں ان دونوں صورتوں میں ذلت و خواری کا یوں تذکرہ کرتے ہیں۔

"السؤال يضعف لسان المتكلم و يكسر لب الشجاع البطل و يوقف الحر العزيز موقف العبدالذليل ويذهب بهاءالوجه ويمحق الرزق"

"لوگوں سے کسی حاجت کے سلسلہ میں سوال زبان آوروں کی زبان کو بھی لڑکھڑا دیتا ہے' بہادر انسان کی عقل کو زائل کر دیتا ہے' آزاد مرد کی حیثیت کو گھٹا کر غلاموں کی سطح پر لے آتا ہے۔ رخساروں کی طراوت کو ختم کر دیتا ہے اور رزق کو روک دیتا ہے۔"

(غرر الحکم۔ ص ۹۸)

Marfat.com

"رب غنی اذل من فقد"

"ناداری سے زیادہ بدبختی کا موجب ایسی دولت ہے جس کا انسان اسیر ہوجائے۔"(غررالحکم۔ص ۴۱۴)

"کم من فقیر غنی و غنی مفتقر"

"بہت سے نادار ایسے ہوتے ہیں جو حقیقتاً ثروت مند ہیں اور بہت سے صاحبِ ثروت ایسے ہوتے ہیں جو درحقیقت فقر و بدبختی سے دوچار ہیں۔"(غررالحکم۔ص ۵۵۲)

قرآنِ کریم باشرف تہیدستوں کا ان الفاظ میں تعارف کراتا ہے۔

"یحسبھم الجاہل اغنیاء من التعفف تعرفھم بسیمٰھم لا یسئلون الناس الحافا"

"ناواقف افراد انہیں ان کی حیا و عفت کی بنا پر مالدار سمجھتے ہیں حالانکہ تم آثار سے ان کی غربت کا اندازہ کرسکتے ہو۔ اگرچہ یہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے ہیں۔"(سورۂ بقرہ ۲۔آیت ۲۷۳)

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"ما احب ان لی بذل نفسی حمر النعم"

"مجھے عزتِ نفس کھودینے کے عوض عمدہ عمدہ نعمتوں کا حصول گوارہ نہیں۔"(مستدرک،ج ۲ص ۳۶۴)

ضروری مواقع پر قدر شناسی اور شکرگزاری کو اسلام پسندیدہ اور نمایاں خصوصیات میں شمار کرتا ہے لیکن ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی شکرگزاری اور قدر شناسی کے پردے میں تملق و چاپلوسی کرے اور دوسروں کی

Marfat.com

تمجید و تعریف کے نام پر اپنی شخصیت کو مجروح کرے۔ کسی مسلمان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ خوشامد و چاپلوسی (جو شرافتِ نفس اور آزادگی کے منافی ہے) کے ذریعہ اپنے آپ کو آلودہ کرے۔

شکرگزاری کی بنیادی شرط شکرگزار فرد کا یہ اطمینان ہے کہ وہ اسی وقت یہ عمل انجام دے رہا ہے جب اس کی واقعی ضرورت ہے۔ لیکن بعض افراد جو ناقص اخلاق اور باطنی ضعف کا شکار ہوتے ہیں وہ تملق آمیز اور ذلت آور تحسین و تمجید کے ذریعہ اپنی باطنی حقارت و پستی کو چھپانا چاہتے ہیں۔ بے شک ایسی حالت جو نفسیاتی ضعف کا ردِ عمل اور زبونی و فرومائیگی کی دلیل ہے کسی قسم کی اخلاقی و معنوی حیثیت نہیں رکھتی۔

امیرالمومنینؑ اپنے ایک جملہ میں تصریح فرماتے ہیں کہ تملق آمیز تعریف دو زیاں بخش اور نامطلوب نتائج کا سبب بنتی ہے۔ ایک طرف تو چاپلوس کی عزتِ نفس برباد ہوجاتی ہے اور دوسری طرف جس کی چاپلوسی کی جارہی ہوتی ہے وہ نفرت انگیز غرور و تکبّر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

"کثرۃ الثناء ملق یحدث الزھو ویدنی من العزۃ"

"تحسین و ستائش کی زیادتی چاپلوسی و تملق ہے کہ (جس کی وجہ سے) ایک طرف تو مخاطب کے اندر نخوت و تکبّر پیدا ہوجاتا ہے اور دوسری طرف (خوشامدی کی) عزّتِ نفس ختم ہوجاتی ہے۔"

(غررالحکم۔ص ۵۶۳)

شریف النفس اشخاص خواہ کسی بھی مقام و مرتبہ کو پہنچ جائیں اپنی شخصیت کو گم نہیں کرتے۔ اس کے علیٰ الرغم ایسے لوگ جو شرافتِ نفس سے بہرہ ور

Marfat.com

نہیں ہوتے معمولی سا عہدہ و مقام ملنے پر آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام اس نکتہ کو ایک خوبصورت جملہ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ۔

"ذوالشرف لا تبطره منزلة نا لها و ان عظمت کالجبل الذی لا تزعزعه الریاح'والدنی تبطره ادنی منزلة کالکلاءالذی یحرکه مر النسیم"

"شریف انسان ترقی و تعالی کے خواہ کسی بھی مرحلہ پر جا پہنچے ناشکری نہیں کرتا۔ ایسا شخص مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کی مانند ہے جسے بڑے سے بڑا طوفان بھی متزلزل نہیں کرسکتا لیکن پست انسان معمولی سا مقام پالینے پر بھی ناشکرے پن کا اظہار کرتا ہے۔ ایسا آدمی اس گھاس کی مانند ہے جسے ہوا کا معمولی جھونکا بھی ہلا دیتا ہے۔"

(غرر الحکم۔ص ۴۰۷)

عاقبت اندیشی

ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی بھی کام کی انجام دہی کے ارادہ سے قبل اس کے نتائج و عواقب کا باریک بینی سے جائزہ لے اور اپنی شرافت اور عزّتِ نفس کی حفاظت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کام کا آغاز کرے۔ ایسے لوگ جن کی فکر جامد اور باطن تاریک ہوتا ہے وہ پست ترین مقاصد کے لئے بھی ہر قسم کی غلامی و ذلّت قبول کرلیتے ہیں۔ نیز اس مقصد کے لئے کسی قسم کے عمل کی انجام دہی سے دریغ نہیں کرتے۔ لیکن کیا اس قسم کے مقاصد اور ایسے اعمال کسی

Marfat.com

شریف النفس انسان کے لئے مناسب ہیں؟

ایک شخص رسولِ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وعظ و نصیحت کی فرمائش کی۔ آنحضرتؐ نے اس کی درخواست کے جواب میں فرمایا کہ کیا تم اس بات کا وعدہ کرتے ہو کہ میری نصیحت پر خوب اچھی طرح عمل کروگے؟ اس نے کہا ہاں وعدہ کرتا ہوں۔ رسولِ اکرمؐ نے یہ جملہ تین مرتبہ دُہرایا اور اس طرح اس شخص کو اپنے پیشِ نظر موضوع کی اہمیت کا احساس دلانے کے بعد فرمایا:

"جب بھی کسی کام کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے نتیجے پر غور کرلو۔ اگر اس کا نتیجہ درست اور صحیح نظر آئے تو اس کام کو نتیجے کے حصول تک انجام دو لیکن اگر تمہیں اس کام کا نتیجہ گمراہی و تباہی محسوس ہو تو اپنے ارادہ سے باز رہو اور کام کی انجام دہی سے پرہیز کرو۔" (وسائل، ج۲ ص۴۵۷)

ایک یورپی دانشور لکھتا ہے کہ۔

"کاموں کی اونچ نیچ کا قبل از وقت جائزہ لے لینا اور ان کی خوبی و بدی پر غور کرلینا ضروری ہے دیکھ لینا چاہئے کہ آیا موردِ نظر مقصد اس قدر فداکاری اور جانفشانی کے لائق ہے بھی کہ نہیں۔ اگرچہ اس بارے میں مختلف افکار و نظریات پائے جاتے ہیں اور ہر ایک اپنے مقصد و ہدف کو دوسروں سے بہتر و اعلیٰ سمجھتا ہے جیساکہ "مارکوس" کہتا ہے کہ "مکڑی، مکھی کو شکار کرکے اتنی ہی خوش ہوتی ہے جتنا کوئی شکاری ہرن کے شکار کے بعد مسرور ہوتا ہے۔"

بنا برایں ہر ایک کا مقصد مختلف ہوتا ہے۔ شہرت کے لئے ضروری

Marfat.com

ہے کہ وہ افتخار کے لئے ہو وگرنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تاریخِ سلف میں بعض اشخاص اپنی بدی اور رذالت کے حوالے سے اتنے معروف تھے جیسے سورج روشنی کے لئے اور آگ گرمی کے لئے۔ کیا ان لوگوں کو ایسی شہرت سے لعن و نفرین کے سوا کچھ حاصل ہوا......؟

وہ عظیم لوگ جنھوں نے اپنی حیات کو عدالت و فضیلت کی ترویج اور تہذیب و تمدّن کے فروغ کے لئے وقف کیا ہوا تھا' زندہ و جاوید ہیں' وقت کا گزرنا ان کی عظمت کو ذرّہ برابر کم نہ کرسکا۔ اس قبیل کے لوگ اپنے کارناموں کی وجہ سے زمان و مکان کی حدود سے بلند ہوجاتے ہیں۔ ہر زمانہ میں ان کا نام لوگوں کے وردِ زبان رہتا ہے' ان کی یاد دلوں میں نقش رہتی ہے اور روز بروز ان کی عظمت کا آوازہ بلند سے بلند تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

تاریخ مشاہیر کے جسموں سے کوئی سروکار نہیں رکھتی بلکہ ان کی خدمات کی وجہ سے ان کی روح کو سراہتی ہے۔ مردانِ عمل پہاڑوں سے زیادہ بلند ہمت اور سمندروں کی وسعت سے زیادہ وسیع روحوں کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی ہمت ہر چیز کو عبور کرجاتی ہے اور ان کی روح ہر چیز کو اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ ان کے نزدیک ناامیدی کوئی معنی نہیں رکھتی اور وہ کسی صورت مغلوبیت کا شکار نہیں ہوتے۔ ان کی فکر بہت گہری ہوتی ہے۔ وہ فرصت کے مواقع کو خوب پہچانتے ہیں اور اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے کیونکہ فرصت جنگلی ہرن کی مانند ہے کہ اگر ہاتھ سے نکل جائے

تو پلٹ کر نہیں آتی۔" (در آغوشِ خوش بختی ص ۱۱۵-۱۱۴)

حقیقی آزادی

انسان کائنات کا مترقی ترین اور برترین موجود اور ایک مثبت' فعال اور خود مختار قوت ہے جو اپنی صلاحیتوں کے ذریعہ مختلف جہات میں کمال کے مراحل طے کر سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی سرگرمیوں اور کوششوں کو پست اہداف کے حصول کے لئے صرف کردے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو اسی ایک نکتہ پر مرکوز کردے تو کیونکر وہ اپنی حقیقی انسانی سرشت کو پاسکتا ہے؟

نامناسب مقاصد کا انتخاب اور ان کے پیچھے چل پڑنا رفتہ رفتہ انسان میں موجود صلاحیتوں کو ضائع کردیتا ہے اور یوں اس کے اندر ترقی کے لئے مطلوب قوت باقی نہیں رہتی۔ اس صورت میں نفس اس قدر انحطاط کا شکار ہوتا ہے اور شعور و ادراک کے درجہ سے نیچے آجاتا ہے کہ اگر اس کی حقیر خواہشات کی راہ میں کوئی رکاوٹ آجائے تب بھی وہ پستی کی جانب جانے پر مصر رہتا ہے۔

ترقی کی جانب گامزن نفس جو اپنے مرتبہ انسانی میں اضافہ کررہا ہوتا ہے ایک خاص حرّیت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو حقیقی آزادی سے بہرہ مند ہو نہ خود کو ذلیل و پست کرتا ہے اور نہ اپنی انسانی کرامت پر دھبا لگاتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ زندگی ایک عالی ہدف رکھتی ہے اور یہ ہدف ہر چیز سے زیادہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کے حصول کی جدوجہد کی جائے۔ گوناگوں رغبتیں اس آزاد اور صاحبِ اختیار شخص کو اپنی جانب مائل نہیں کرپاتیں بلکہ یہ

Marfat.com

رغبتیں اس کی مطیع و فرمانبردار ہو جاتی ہیں نیز اس کے وجود میں زندہ مختلف صلاحیتیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں اپنی ذمہ داریاں نہایت درستگی کے ساتھ انجام دیتی رہتی ہیں۔

یہ انمول انسان پاک روح' بلند ہمت اور اعلیٰ مقاصد کا حامل ہوتا ہے۔

ہر کسی کے مقام و منزلت کو اسی پیمانے پر پرکھنا چاہئے کیونکہ بلند ہمت شخص ہی بلند پایہ شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"قدر الرجل علی قدر همته"

"ہر شخص کی قدر و قیمت اس کی ہمت کے مساوی ہوتی ہے۔"

"ینبغی لمن عرف شرف نفسه ان ینزهها عن دنائة الدنیا"

"جس شخص نے اپنی شرافتِ نفس کو پہچان لیا ہے اسے چاہئے کہ خود کو زندگی کی پستیوں اور آلودگیوں سے پاک و منزہ کرے۔"

(غرر الحکم۔ص ۲۶۵-۸۶۰)

ہدف کا انتخاب استعداد کے مطابق ہونا چاہئے

انسان کو مقاصد کا چناؤ کرتے وقت اپنی طاقت و توانائی اور استعداد کو مدِ نظر رکھنا چاہئے۔ بے جا اور نامعقول بلند پروازیوں سے اجتناب برتنا ضروری ہے کیونکہ ان کا نتیجہ محرومیت اور ناکامی کی صورت میں نکلتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اس نکتہ کی جانب یوں نشاندہی فرماتے ہیں کہ۔

Marfat.com

"من سئل فوق قدرہ استحق الحرمان"

"جو شخص اپنے استحقاق سے بڑھ کر کوئی چیز چاہے گا وہ محرومی کا حقدار ہوگا۔" (غرر الحکم ص ۵۳۶)

"من سئل مالا یستحق قوبل بالحرمان

"جو شخص کسی ایسی چیز کی جو اس کی حد و اختیار میں نہیں تمنا کرے وہ ناکامی سے دوچار ہوگا۔" (غرر الحکم ص ۶۶۲)

نفسیات داں ناکامی کے اسباب میں سے ایک سبب اونچے خیالات اور استعداد اور ہدف میں عدم تناسب بیان کرتے ہیں۔

"ناکامی کے اسباب یا تو خود شخص میں پائے جاتے ہیں' یا ماحول اس قسم کا ہوتا ہے یا دونوں ہی چیزیں موثر ہوتی ہیں ----- لوگ مشکلات سے مقابلہ کرنے کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے مختلف قوتیں رکھتے ہیں۔ بکثرت لوگ استعداد کی کمی کے باعث مشکلات پر قابو نہیں پا سکتے۔ خود انسان کے اندر ناکامی کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ قوت نہ ہونے کے باوجود اپنی تمناؤوں کے پالینے کی توقع رکھتا ہے مثلاً احمد ایک نوجوان صحت مند اتھلٹ ہے یونیورسٹی میں منعقد ہونے والے کھیلوں میں حصہ لیتا ہے' اس کی شخصیت ایسی ہے کہ بہت سے لوگوں کو دوست بنا سکتا ہے اور ان کی ہم نشینی سے محظوظ ہوسکتا ہے۔ لیکن وہ ہمیشہ مغموم و دلگرفتہ رہتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ لوگ کماحقہ اس کی تحسین و تعریف نہیں کرتے' دوسروں کو جو میڈل ملتے ہیں اسے نہیں ملتے' اخبارات صفحہ اوّل پر اس کی تصاویر نہیں

Marfat.com

چھاپتے وغیرہ وغیرہ۔

احمد کی توقعات بے جا ہیں' وہ جس قسم کی پریشانی میں مبتلا ہے اس کا مشاہدہ اکثر افراد خصوصاً جوانوں میں کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ خوب اچھی طرح جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ بہت سے لوگ اپنے حالات سے راضی نہیں ان کی توقعات ان کی استعداد سے زیادہ ہیں۔

جو لوگ دنیا سے زیادہ توقع رکھتے ہیں کسی صورت سعادت مند اور آسودہ نظر نہیں آتے۔ اگر ان میں اپنی تمنائیں پوری کرسکنے کی طاقت ہوتی تو یقیناً اپنی آرزو پالیتے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی توقعات ان کی صلاحیتوں سے زیادہ ہیں۔

ہمیں تعلیم دی جاتی ہے کہ انسان جو چاہے حاصل کرسکتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ صلاحیت و توانائی کی موجودگی ہی میں ایسا ممکن ہے۔ البتہ تمام امور میں کوشش ضروری ہے اور شکست کھانے کے بعد کوششوں سے دستبردار نہیں ہونا چاہئے' ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مطلوب ہدف تک رسائی کے لئے جدوجہد کرے لیکن ہدف کا انتخاب اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق کرنا چاہئے۔"

(روان شناسی برائے زیستن ۱۔ ص۳۳۹-۳۴۷)

گناہوں کے نتیجہ میں احساس ندامت

ارتکابِ گناہ بھی ان عوامل میں سے ہے جو انسان کی عزّتِ نفس کو شدّت کے ساتھ مجروح کرتے ہیں۔ ایسا شخص جو قانون کی حدود عبور کرجائے اور اس

Marfat.com

سے خلافِ شرف و فضیلت اعمال سرزد ہوں اسے اپنے اندر ذلّت و پستی کا احساس ہوتا ہے۔ دائمی شرمندگی جو گناہ کی وجہ سے گناہگار کے دامن گیر ہو جاتی ہے اس کی عزّتِ نفس اور شخصیت کو داغدار بنا ڈالتی ہے۔

ایسے لوگ جو اپنی ہوا و ہوس پر مسلط ہوں' اپنی تمایلات پر حاکم ہوں اور خود کو خطا و معصیت کے گرداب سے محفوظ رکھتے ہوں اور گناہ کے نزدیک بھی نہ جاتے ہوں ایک خاص عزّتِ نفس اور آسودگی کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگ کسی بھی معاشرہ میں نہایت قلیل تعداد میں ملتے ہیں جب کہ لوگوں کی اکثریت اپنی زندگی میں کم و بیش معصیت کی راہ پر ہوتی ہے اور ان کے قلوب پر گناہ کی تاریکی چھائی رہتی ہے۔

جس طرح جسمانی بیماریوں کا علاج ممکن ہے اسی طرح اگر نفس و روح بھی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو ان کا بھی علاج ہے۔ اسلام نے اس قسم کی بیماریوں کے علاج کی نشاندہی کی ہے نیز فضیلت و سعادت کی جانب بازگشت کے لئے توبہ کی راہ کھولی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ رحمت و فضلِ الٰہی کی نوید دی ہے۔

پیغمبرانِ الٰہی ہمیشہ انحطاط و بدبختی' خطرناک نفسیاتی عوارض اور ضمیر کے جانکاہ دباؤ سے نجات کے لئے گناہگاروں کو خداوندِ عالم کے عفو و درگزر کی امید دلاتے ہیں۔ تاکہ اس طرح یہ لوگ حضرتِ احدیت کی بارگاہ میں اپنی خطاؤں پر ندامت کا اظہار کریں' اس سے بخشش و مغفرت کے طالب ہوں اور گناہوں سے پرہیز کا اعلان کریں نیز گزشتہ خطاؤں کے ازالہ کی کوشش کریں۔ اس طرح حتیٰ الامکان ان میں سے جرائم کے آثار زائل ہو جائیں گے جس کے نتیجہ میں وہ ضمیر کی ملامت اور دباؤ سے نجات پاسکیں گے۔ کیونکہ اگر گناہ کا احساس ہمیشگی

اختیار کرلے تو نہایت جانکاہ اور طاقت فرسا ہوتا ہے اور عفو و بخشش اور نفس کی تطہیر سے ناامیدی انسان میں ناقابلِ تلافی مفاسد کے جنم لینے کا سبب بنتی ہے اور اس کے اثرات اس معاشرہ پر بھی رونما ہوتے ہیں جس میں وہ زندگی بسر کررہا ہوتا ہے۔

ایسا انسان جو اپنے لئے سعادت اور شرافتِ نفس پسند کرتا ہے جب کبھی بھی اپنی نادانی اور نفسانی عوامل کے زیرِ اثر گناہ کی طرف کھنچتا ہے یا خداوندِ عالم کے احکام کی مخالفت کا مرتکب ہوتا ہے تو اسے جوں ہی گناہ کا احساس ہوتا ہے بے درنگ خداوندِ عالم سے مغفرت طلب کرتا ہے۔قرآن اس خصوصیت کو اہلِ تقویٰ کے امتیازات میں شمار کرتا ہے۔

"والذین اذا فعلوا فاحشة او ظلموا انفسهم ذکروا اللهفاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا الله و لم یصروا علیٰ ما فعلوا وهم یعلمون۔"

(''متقی اور نیکوکار) وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی نمایاں گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں تو معاً خدا کو یاد کرکے اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہیں اور خدا کے علاوہ کون گناہوں کا معاف کرنے والا ہے اور وہ اپنے کئے پر جان بوجھ کر اصرار نہیں کرتے۔"

(سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۳۵)

لیکن وہ لوگ جنھوں نے گناہ ہی کو اپنی عادت بنا لیا ہے۔ گناہوں کی سیاہی میں اس قدر غرق ہوچکے ہیں کہ انہیں ان کی قباحت کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ موت کی شدت میں مبتلا ہونے تک وہ اسی راستے پر چلتے رہتے ہیں اور پروردگارِ

Marfat.com

عالم کی عظمت و بزرگی اور اپنی معصیت کاری سے غافل رہتے ہیں۔ یہ لوگ اہلِ تقویٰ کے اس امتیاز سے محروم ہیں اور ان کی توبہ قبول نہ کی جائے گی۔

امیرالمومنین علیہ السلام نفسانی آلودگیوں اور گناہوں سے پرہیز کو عزت و شرافت کے حصول کے عوامل میں سے قرار دیتے ہیں۔

"من کرمت علیہ نفسہ لم یھنھا بالمعصیة"

"جو شخص اپنے نفس کی شرافت و کرامت کا قائل ہو اسے گناہ و رزیلتیں پست و خوار نہیں کرتیں۔" (غرر الحکم ص ۷۵۷)

"اذا طلبت العز فاطلبہ بالطاعة"

"اگر عزّت و سرفرازی کے متمنی ہو تو اسے خداوندِ عالم کی اطاعت و فرمانبرداری میں تلاش کرو۔" (غرر الحکم ص ۳۱۴)

خداوندِ عالم کی بارگاہ میں اعترافِ گناہ اور اس سے مغفرت چاہنا آدمی کی عزّتِ نفس کے دامن سے گناہ کے سیاہ داغ دھو ڈالتا ہے اور اسے ضمیر کی خلش سے نجات دیتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"واللہ ما ینجو من الذنب الا من اقر بہ"

"خدا کی قسم کوئی شخص بھی گناہ اور اس کے ملال سے خلاصی نہیں پاسکتا سوائے اس کے جو اپنے گناہوں کا صریحاً اقرار کرلے۔"

(کافی، ج ۲ ص ۴۲۶)

نفسیات دانوں کے نزدیک گناہ کے جانکاہ احساسِ ندامت سے چھٹکارے کی ایک بنیادی راہ یہی اعترافِ گناہ اور اس کے ازالہ کا عزم ہے۔ کہتے ہیں کہ۔

Marfat.com

"جب انسان کسی خلاف کاری کا مرتکب ہوتا ہے تو اپنے اندر گناہ و تقصیر کا احساس کرتا ہے۔ اس موقع پر اضطراب کی مانند ایک دل تنگی سی اس پر مسلط ہوجاتی ہے۔ یہ احساسِ نہایت بجا اور مناسب ہے کیونکہ یہ ہمارے اندر ندامت اور آئندہ اس گناہ سے پرہیز کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ جب انسان میں یہ احساسِ ندامت بیدار ہو تو بہتر ہے کہ وہ اس احساس سے نجات کے لئے جو بکثرت مواقع پر انتہائی ناگوار ہوتا ہے اور یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ حسِ گناہ کس قدر بجا ہے کسی جہاندیدہ اور تجربہ کار شخص سے مشورہ کرے۔ اس طریقے سے وہ ناگوار احساس سے بھی نجات پاسکتا ہے اور مشورہ کے ذریعہ رہنمائی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ بہت سے لوگ اس احساسِ گناہ کو اپنے اندر لئے پھرتے ہیں اور یوں خود اپنے لئے آزار کا سبب ہوجاتے ہیں کیونکہ یہ حس خفتہ ضمیر کے لئے سزا کی مانند ہے اور اس کی وجہ سے انسان دائمی عذاب کا شکار رہتا ہے۔ صحیح راستہ یہ نہیں کہ خفتہ ضمیر سزا میں مبتلا رہے بلکہ راہِ صواب یہ ہے کہ اپنی خطا کا اعتراف کرے اور اس کے ازالہ کا طریقہ اختیار کرے۔"

(روان شناسی برائے زیستن - ص۳۱۱-۳۱۰)

توبہ اور اعترافِ گناہ انسان کے چھنے ہوئے سکون کو لوٹا دیتا ہے اور اسے گزشتہ خطاؤں کے ازالے اور فضیلت و معنوی شخصیت کے حصول کی راہ میں قوّت عطا کرتا ہے۔

Marfat.com

ایک بڑا نقص

انسان کا ایک بڑا اخلاقی نقص ہر وقت زمانہ کا شکوہ کرتے رہنا اور ہر کس و ناکس کے سامنے اپنی مشکلات اور پریشانیوں کا رونا رونا ہے' اس خصلت کا حامل شخص اپنی منزلت گرا بیٹھتا ہے اور خود کو معمولی اور بے وقعت بنا کر اپنی عزتِ نفس کو داغدار بنا لیتا ہے۔

مفضل بن قیس جو مالی پریشانیوں اور اداء قرض سے عاجزی کی بناء پر سخت مشکل میں تھا۔ ایک روز حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی وضع زندگی کے بارے میں حرفِ شکایت زبان پر لاتے ہوئے آنحضرتؑ سے کہنے لگا۔

"ایک کثیر رقم کا مقروض ہوں' نہیں معلوم کس طرح اس کی ادائیگی ہو سکے گی۔ روز مرہ اخراجات کے لئے بھی کوئی ذریعہ آمدنی نہیں۔ نہایت پریشان ہوں' تنگدستی نے مجھے مبہوت کرکے رکھ دیا ہے۔ جس در کا رخ کرتا ہوں بند پاتا ہوں۔"

پھر آنحضرتؑ سے درخواست گزار ہوا کہ دعا فرمایئے کہ خداوندِ عالم میری مشکل حل کر دے۔

اس کی بات سن کر امامؑ نے اپنے خدمتگار سے فرمایا۔

"پیسوں کی وہ تھیلی جو منصور نے بھیجی ہے اٹھا لاؤ۔ خادم گیا اور فوراً ہی تھیلی لئے ہوئے حاضر ہوا۔ پھر آپؑ نے مفضل سے فرمایا۔

اس تھیلی میں سونے کے چار سو دینار ہیں انہیں اپنے اخراجات کے لئے قبول کرو۔

Marfat.com

مفضل نے عرض کیا۔

میں نے اپنی مشکلات اس لئے بیان نہ کی تھیں بلکہ میں تو آپؑ سے محض دعا کا طالب تھا۔

امام نے فرمایا!

ہاں ہاں! میں دعا بھی کروں گا لیکن اس بات کو ذہن نشین رکھو کہ کسی بھی صورت میں لوگوں کے سامنے اپنی مشکلات اور پریشانیوں کا تذکرہ نہ کرو کیونکہ اس کا پہلا اثر یہ پڑے گا کہ لوگ تمہیں ایک ناکام و نامراد شخص سمجھیں گے۔ ظاہر ہے اس طرح لوگوں کی نظر میں تمہاری حیثیت گھٹ جائے گی اور تمہاری شخصیت کُلّی طور پر مٹ جائے گی۔"

(بحار الانوار ج ۷ ص ۱۱۴)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"رضی بالذل من کشف ضرہ لغیرہ"

"وہ شخص اپنی ذلّت پر راضی ہوا جس نے دوسروں کے سامنے اپنی مشکلات ظاہر کیں۔" (غرر الحکم ۴۲۲)

"جلٹ برگس" لکھتا ہے کہ۔

"نہ جانے کیوں لوگ جانتے بوجھتے اپنی ناکامیوں اور نقائص کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حالانکہ اس بارے میں ان کا خاموش رہنا کئی دلائل کی بنا پر سودمند ہے۔ بعض لوگ دوسروں کی مدح و ستائش کرنے سے پہلے تمہیدی طور پر اپنے کچھ نقائص کا تذکرہ کرتے ہیں۔

بعض لوگوں میں یہ عادت خود اپنے اوپر غصہ کی بناء پر ایک قدیم بیماری کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔ کہتے ہیں : میں تھک چکا ہوں نہ جانے آخری مہینہ تک گھر کا خرچہ کیسے چلاؤں گا؟

ان لوگوں کا یہ اظہار ان کے احساسِ کمتری میں مبتلا ہونے کا عکاس ہے۔ اس کے علاوہ کہ نقائص و پریشانیوں کے بیان سے پرہیز فوائد کا حامل ہے، ضبطِ نفس کا عمل خود آپ کے اخلاق کے لئے موثر ہے۔ جس طرح اُبلتے ہوئے پانی کی ایک دیگ سے بھاپ نکلنے کا کوئی راستہ نہ ہو تو وہ بہت طاقتور ہو جاتی ہے۔ اسی مانند ضبطِ نفس بھی انسان کے طاقتور ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ خود اس کی اپنی نظر میں اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

ایسا بچّہ جس کے کسی عضوِ بدن میں نقص پایا جائے لیکن اس کے بارے میں حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتا ہو اور ایسا مرد جو مسکرا کر شکست کا گھونٹ پی جاتا ہو۔ ان سب کی روح ان لوگوں سے کہیں زیادہ قوی ہے جن کو اپنی زبان پر اختیار نہیں ہوتا جو مسلسل شکوہ شکایت میں مشغول رہتے ہیں۔" (کلیدھائی خوش بختی۔ ص ۱۰۲-۱۰۱)

Marfat.com

دسواں باب

مغرور کا ذہنی اختلال

خود کو برتر سمجھنا ______ ۳۸۰

غرور پیدا کرنے میں دولت کا کردار ______ ۳۸۵

غرورِ علمی کے خطرات ______ ۳۸۷

تخریبی سرگرمیاں ______ ۳۹۰

نفس کی سلامتی ______ ۳۹۳

اپنی کوتاہیوں پر عدم توجہ ______ ۳۹۵

خودی اور خود پرستی ______ ۳۹۸

حقیقی و جاویدان عشق ______ ۴۰۲

برتری کا ایک خاص احساس ______ ۴۰۴

Marfat.com

خود کو بَرتر سمجھنا

مخفی ضمیر اور باطنی شعور کی فعالیت اور نفوذ ضمیرِ آگاہ سے کہیں زیادہ گہرے، طاقتور اور اسی کے ساتھ ساتھ پیچیدہ تر ہوتے ہیں۔ لاشعور کی نفسیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے باطن کی ایک مُبہم سرگرمیوں سے واقف ہی نہیں ہوتا۔ انسانی وجود میں بہت سے ایسے عوامل کارفرما ہوتے ہیں جو اسے ایسی چیزوں کی انجام دہی پر ابھارتے ہیں جن سے اس کا آگاہ شعور مکمل طور پر بے خبر ہوتا ہے اور اکثر اوقات ان اندرونی قوتوں کے حکم سے روگردانی انسان کے لئے محال ہو جاتی ہے۔

اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ انسان کی نفسیات کے مخفی محرکات کبھی اس کی منفعت کے لئے کام کریں اور کبھی زیاں کا باعث ہوں۔ خلاصہ یہ کہ غیر شعوری افکار و محرّکات انسان کے رفتار و سلوک میں تعمیری کردار ادا کر کے اس کے اعمال و افعال کو پسندیدہ بھی بنا سکتے ہیں اور مخرّب اور خلل ڈالنے والی قوّت کا کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔

ممکن ہے کوئی شخص خاص حالات کی بناء پر ایک آئیڈیل کا تصوّر اپنے ذہن میں مجسم کر لے لیکن کبھی بھی خود کو ذہن میں موجود اس تصویر کے مطابق نہ بنا

سکے۔ انسان جس قدر اپنی شخصیت کو اس تصویر سے سازگار کر سکے گا اسی تناسب سے یہ بات اس کے انبساط یا تشویش اور نفسیاتی بیماری یا سلامتی پر اثر انداز ہوگی اور مختلف کیفیات کے ساتھ انسان کے اعمال و آثار میں نمایاں ہوگی۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انسانی سماج میں بکثرت ایسے افراد پائے جاتے ہیں جو اپنی افراطی اور مبالغہ آمیز تصویر کا شکار ہیں اور نکتہ افراط کی جانب جھکاؤ رکھتے ہیں۔

جب ذہن اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے تو خود پسندی انسان کی خود اس کے سامنے غیر حقیقی اور نہایت مبالغہ آمیز تصویر پیش کرتی ہے اور بہت آسانی کے ساتھ اسے حقیقت تک پہنچنے سے باز رکھتی ہے۔ ممکن ہے اس قسم کی خود پسندی اس کے بچپنے ہی سے اس میں پیدا ہو جائے۔ بچّہ اس سے قبل کہ شعور و آگاہی کے مرحلہ پر پہنچے' اپنے ارادہ کی قوت کو بہتر زندگی بسر کرنے کے لئے کام میں لائے' خاندانی اثرات اور اطرافیوں کی تلقین اس کے مستقبل' نفسیات' نوعِ جہاں بینی اور اسی طرح صحیح یا غلط تکامل یا انحراف و خود پسندی پر بہت زیادہ موثر ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ بے جا توقع رکھنے والا' معاشرہ سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت سے عاری یا گوشہ نشینی کی طرف راغب ہو جاتا ہے۔ خلاصہء کلام یہ کہ مختلف سلوک مثبت یا منفی' یا تعمیری و تخریبی طور پر بچّوں کے اوپر ناقابلِ بیان اثر ڈالتے ہیں۔

اکثر ایسے لوگ جو اپنے آپ کو مطمئن و آسودہ ظاہر کرتے ہیں سخت نفسیاتی دباؤ میں مبتلا ہوتے ہیں جو ممکن ہے کسی ایسی معمولی علامت کی صورت میں ان سے ظاہر ہو رہا ہو جو خود ان کے نزدیک یا دوسروں کے نزدیک بے قیمت ہو اور

Marfat.com

اسی وجہ سے وہ اس کے ردِّ عمل کی جانب متوجہ نہیں ہوتے۔ حالانکہ ممکن ہے یہ علامت ایک بڑی روحانی بیماری کا پیش خیمہ ہو۔

کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص سے جس کے بارے میں یہ سوچا بھی نہ جاسکتا تھا ایسے خلافِ توقع کام سرزد ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے اعمال ان لوگوں میں پائی جانے والی ان قوتوں کی واضح علامت ہیں جو میل و مصلحت کے برخلاف اس شخص کے ارادہ کی عنان تھام کر اس کے رفتار و کردار کو اپنے شدید نفوذ میں لے لیتی ہیں۔

انسان ہر عمل اپنی کسی نہ کسی ایسی عادت کی تسکین کے لئے انجام دیتا ہے جو اس کی طبع و سرشت کا حصہ ہوتی ہے۔ عام تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قوی میلان جب شدّت اختیار کرتا ہے تو دوسرے احساسات و میلانات کو پامال کردیتا ہے اور انسان اس موقع پر دوسری تمام پیشِ نظر چیزوں سے چشم پوشی برتنے لگتا ہے۔

مغرور شخص اپنے احساسِ برتری کی تسکین کے واسطے اپنی تمام رفتار و گفتار کے لئے اپنے ذہن میں ایک بے نقص، کامل اور عالی نمونہ و قالب بنا لیتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اپنے تمام اعمال اور احساسات کو اس مصنوعی قالب کے مطابق بنائے۔ اپنے خصائل کو اس قدر بلند سمجھنے لگتا ہے کہ اسے یقین ہی نہیں آتا کہ اس کے وجود میں بھی کوئی نقص ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اپنے بارے میں معمولی سی تنقید سننے کا بھی روادار نہیں ہوتا اور اتفاقاً اگر کوئی نہایت بے غرضی کے ساتھ اور سو فیصد منصفانہ طور پر بھی اس کے کسی نقص کی جانب اشارہ کرے تو یہ دیوانہ وار غصّہ کا اظہار کرنے لگتا ہے اور اس شخص کو مغرض، دشمن

Marfat.com

اور کینہ توز و بدخواہ سمجھنے لگتا ہے۔

اس موقع پر مغرور کی روح میں ایک طوفان بپا ہو جاتا ہے اور معترض سے سخت عناد و پرخاش برتتا ہے تاکہ اسے خجل و شرمندہ کرکے اپنے احساسات کو تسکین پہنچائے۔

لاشعوری طور پر ایک مرموز قوت اسے ہمیشہ اپنی برتری کے اثبات اور دوسروں پر فوقیت کے لئے منصوبہ بندی پر ابھارتی رہتی ہے اور اسی بناء پر وہ کسی ایسے اقدام سے نہیں چوکتا جو دوسروں پر برتری اور خود نمائی کا موجب ہو۔ اس کے اکثر میل ملاپ، سرگرمیاں، حتیٰ سماجی بہبود کے کام خلوص پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس لئے ہوتے ہیں کہ لوگ اسے اہمیت دیں، اسے سراہیں اور اس کے بارے میں اچھے خیالات رکھیں۔ ایسا شخص ہمیشہ اس بات سے خوفزدہ رہتا ہے کہ کہیں لوگ اس سلسلہ میں اس کے حقیقی مقصد سے آشنا نہ ہو جائیں۔

مغرب کا ایک فلسفی ''اسپنوزا'' کہتا ہے کہ۔

''غرور اپنے بارے میں انسان کی حد سے زیادہ خوش فہمی کا نام ہے۔ مغرور انسان حتیٰ الامکان اس فکر کو پروان چڑھاتا ہے لہٰذا طفیلیوں اور خوشامدیوں کے جھرمٹ میں بیٹھنے کو پسند کرتا ہے اور ایسے نیک سیرت لوگوں کی صحبت سے گریز کرتا ہے جو اسے اس کی حیثیت کے مطابق مقام دیتے ہیں۔

غرور کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقائص کے شمار کے لئے بہت سا وقت درکار ہے۔ اس موضوع کے ادراک کے بعد بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ مغرور شخص لازماً حاسد بھی ہوتا ہے اور سب سے زیادہ ان

Marfat.com

لوگوں سے متنفر ہوتا ہے جو اپنی فضیلتوں کی باعث موردِ ستائش قرار دیئے جاتے ہیں اور اس کی یہ نفرت مہر و محبت کے ذریعہ آسانی سے ختم نہیں ہو سکتی۔ اسے ایسے ہی لوگوں کے درمیان مسرت ہوتی ہے جو اس کی کمزوریوں کے باوجود چاپلوسی میں مشغول ہوں اور اسے حماقت کے گڑھے سے وادیٔ جنون میں لے جائیں۔"

(فلسفہ نظری۔ ص ۱۰۶)

اکثر ایسے لوگ جو سماج کے نچلے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اگر کامیابیاں ان کے قدم چومنے لگیں تو وہ غرور و نخوت کا شکار ہوجاتے ہیں اور اس طرح خاندانی نقص کی جو حقارت ان کے دامن گیر ہے اس کے ازالہ کی کوشش کرتے ہیں۔

البتہ پُرعظمت روح کے مالک لوگ معمولی زندگی پر راضی نہیں ہوتے۔ جب انسان کا ہدف عالی ہوتا ہے تو اس کی کوشش اور جدوجہد کا دامن بھی اسی قدر وسیع ہو جاتا ہے۔ جب انسان جمود و رکود سے دوچار ہوتا ہے تو وہ آگے بڑھنے سے عاجز رہتا ہے اور اس کی بلند خواہشات توقف کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسے موقع پر عالی ہمت کے حامل لوگ مسلسل کوشش و جدوجہد میں مشغول رہتے ہیں تاکہ اپنی عظمت کو انسانیت اور حقیقی انسانی خصائل کی بنیادوں پر استوار کریں اور افتخار کے اونچے مدارج پر جگہ پائیں۔ لیکن انہیں کسی صورت یہ پسند نہیں ہوتا کہ اظہارِ غرور و نخوت کے ذریعہ خود کو عظیم اور جلیل ظاہر کریں۔ کیونکہ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ غرور کے ذریعہ کسی نے عظمت و امتیاز حاصل نہیں کیا۔ مرد وہ ہے جو خود بخود معروف ہو' ہر کام میں سریع اور برق

رفتار پیش رفت کرے نہ وہ جو چاپلوسوں کے منہ سے اپنی موہوم عظمت کے بارے میں سننے کا متمنی ہو اور دوسروں سے جھوٹی ستائش و تمجید ی توقع میں رہتا ہو۔

غرور پیدا کرنے میں دولت کا کردار

دولت کی فراوانی بھی ان چیزوں میں سے ہے جو انسان کو خود پرستی اور غرور میں مبتلا کر دیتی ہے۔ ایسا شخص جو ثروت مندی کی بناء پر "میں" کی قید میں اسیر ہو جاتا ہے اپنی انتہائی نادانی کی وجہ سے بینواؤں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کے وجود کو زائد و بے وقعت شمار کرنے لگتا ہے۔ لیکن وہ اس بات سے غافل رہتا ہے کہ دولت مندی درہم و دینار پاس ہونے اور مال و دولت کا ذخیرہ کر لینے کا نام نہیں۔ بکثرت ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو بے سروسامانی اور مالی تنگدستی کے باوجود معنوی سرمایئے کے حامل ہونے اور اپنے روحانی فضائل کی بنا پر بڑے بڑے دولتمندوں کی صف میں شمار ہوتے ہیں اور اپنے انہی خصائل کی وجہ سے بہت سے ثروتمندوں کی توجہ و احترام کا محور قرار پاتے ہیں۔ یہی حقیقت ملتوں پر بھی مکمل طور پر صادق آتی ہے۔ ایسی قوم کو غنی قرار دیا جا سکتا ہے جس میں دوسری اقوام سے زیادہ عظیم باسعادت اور دانشمند انسان پائے جائیں۔

مادّی اسباب میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ سعادت و آسائش کی سوغات بخش سکیں۔ لوگوں کی اکثر پریشانیاں زیادہ طلبی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگ مال و دولت کے انبار پر بیٹھ کر بھی راحت و آسودگی سے تہیدست ہوتے ہیں۔

Marfat.com

اس کے علاوہ ممکن ہے خود مال و دولت شر و آفت کا سبب بن جائے' مغرور مالدار کے قلب کو سیاہ کردے' اسے آلودگی' رزالت اور گناہ کی راہ پر ڈال دے اور ویران گر سیلاب کی مانند اس کی سعادت کی بنیادوں کو تہس نہس کردے۔

مادّی اسباب آسائشات کے حصول کا ایک ذریعہ ہیں بذاتِ خود آسائش نہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ مال ایک ایسی زنجیر ہے جس کی کڑیوں کی کوئی انتہا نہیں۔ عاقل انسان اس کو کنٹرول کرلیتا ہے لیکن بے خرد اس کا اسیر ہو جاتا ہے۔

بعض لوگ تصوّر کرتے ہیں کہ بے حساب دولت کے ذریعہ امن و سکون کی منزل پائی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے کہ جتنا انسان مادّیات کے حصول کے لئے آگے بڑھتا ہے خود سے دور ہوتا چلا جاتا ہے اور آخر کار اس پُر پیچ و خم راہ پر اپنے پاک احساسات گُم کر بیٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر اوقات جب کوئی انسان مالی اعتبار سے اپنے دوستوں پر سبقت لے جاتا ہے تو غرور و نخوت اسے ان سے قطع تعلق پر مجبور کردیتی ہے۔

"اپیکٹاتوس" کہتا ہے کہ۔

"میرے دوست مجھ سے کہتے ہیں کہ کیوں خوب مال نہیں بناتے تاکہ ہمیں بھی کچھ فائدہ ہو۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ کاش میں مال و دولت اور تمہاری محبت و وفا کو ایک ساتھ جمع کرسکوں۔ یعنی مالدار بھی ہو جاؤں اور تمہارا وفادار بھی رہوں' تم سے دوستی بھی برقرار رکھوں۔ لیکن افسوس کہ مال و دولت مجھے تمہاری مصاحبت سے محروم کردے گی۔ تمہارے دوست کا تہیدست' باوفا اور مہربان ہونا

Marfat.com

اس سے بہتر ہے کہ وہ مالدار لیکن مغرور اور متکبّر ہو۔ پس تم کیوں اپنے مہربان دوست سے ہاتھ دھونا چاہتے ہو اور مجھے خود سے جدا کرنے پر تُلے ہوئے ہو۔"

غرورِ علمی کے خطرات

بعض انسانوں میں پایا جانے والا غرورِ علمی بھی ان کی ترقی و پیشرفت اور کسبِ کمال کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس عارضہ کا شکار انسان خود کو اس قدر عالم و فاضل سمجھنے لگتا ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ غرورِ علمی سے دوچار اور اپنے آپ کو ایک استثنائی وجود سمجھنے والے اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی سطح معلومات انتہائی پست یا متوسط درجہ کی ہوتی ہے۔

جتنا انسان کا علم بڑھتا جاتا ہے اتنا ہی اسے اپنی حقارت، جہل اور نادانی کا زیادہ احساس ہونے لگتا ہے۔ ایسا شخص جو اپنے مراتبِ علمی کے ذریعہ مراتبِ نادانی سے آشنا ہوتا ہے بہت زیادہ خود شناس ہوتا ہے۔ لہٰذا حقیقی دانشمند لوگ آسانی کے ساتھ غرور اور باطل تصوّرات کے دام میں نہیں آتے۔

راقم الحروف خود ایک ایسے فرد سے واقف ہے جو دوسروں کی معلومات اور قابلِ تحسین خدمات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، یا انہیں شمار میں ہی نہیں لاتا۔ جب کہ اس کی اپنی معلومات اور تعلیم متوسط ہے اور شاید اس کا اپنا وجود انتہائی بے اہمیت ہو۔ جب کبھی کسی محفل میں دوسروں کے علم و فضل یا کارناموں کا تذکرہ آتا ہے اور حاضرین میں سے ہر ایک اس موضوع پر اپنے

Marfat.com

خیالات بیان کرتا ہے تو یہ شخص تحقیر آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ان خیالات کی تائید میں گردن ہلانے پر اکتفا کرتا ہے اور جب یہ خود اپنے انتہائی معمولی کارنامے و اقدام کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو اس قدر گھن گرج کے ساتھ بولتا ہے کہ گویا اس سے بڑا کارنامہ کسی نے انجام ہی نہیں دیا ہے!

ایک مغربی دانشمند کہتا ہے کہ۔

"اگر ہم دنیا کو اس سے بہتر پہچانتے یا اپنی معلومات و مجہولات کا تقابل کرسکتے تو ہمارا عقیدہ کچھ اور ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری معلومات ان چیزوں کے مقابلہ میں انتہائی مختصر ہیں جن کا ہمیں علم نہیں۔ ہم عناصر میں سے کون سے عنصر کے متعلق اچھی معلومات رکھتے ہیں اور اس کے تمام فوائد اور استعمال سے آشنا ہیں؟ نباتات و حیوانات میں سے کس کی تاریخِ حیات کو اوّل سے آخر تک جانتے ہیں؟

ہم ایسے مختلف عوامل و اشیاء کے درمیان زندگی بسر کررہے ہیں جن کے بارے میں ہماری معلومات صفر ہیں؟ ہماری آنکھوں کے سامنے صدیوں سے پڑے ہوئے پردے اب تک چاک نہیں ہوئے ہیں۔ قدرت کے عظیم مدرسہ میں اب تک ہماری حیثیت ابتدائی جماعت کے طالب علموں کی مانند ہے۔ بہت سی چیزوں کو ہم صرف دیکھتے ہیں ان کے اسرار و رموز سے بے خبر ہیں۔.

دنیائے تفکر بے کنار سمندر کی مانند ہے۔ ایسا شخص جو کنارے پر کھڑا ہو کے اسکا نظارہ کررہا ہے اور ایسا شخص جو قدم لڑکھڑانے کی وجہ سے اس میں گر پڑے اور فضول اس میں ہاتھ پیر مار رہا ہو دونوں کسی مقام

Marfat.com

پر نہیں پہنچتے۔

انسان کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ حقیقت کے چہرہ سے پردہ ہٹادے اور علم و معرفت کی راہ میں قدم بڑھائے لیکن اس راہ میں بڑھنے والا ہر قدم ہماری مشکلات میں اضافے کا موجب ہوتا ہے۔

ہماری معلومات دائرہ کے قطر کی طرح ہوتی ہیں اور مجہولات اس کے محیط کی مانند اگر دائرہ کے قطر کو لمبا کریں تو اس کا محیط اس سے کہیں زیادہ وسیع ہوجاتا ہے۔ شاید ہماری آئندہ نسلیں ہم سے زیادہ اس راہ پر آگے بڑھیں اور اسرارِ کائنات کے نئے نئے حقائق کشف کریں۔ لیکن ہم مجبور ہیں کہ اپنے تمام تر غرور و خود پرستی کے باوجود زمین پر گھٹنے ٹیک کر اعتراف کریں کہ ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ دور کیوں جائیں ہم اب تک خود اپنے آپ کو بھی نہیں پہچان سکے ہیں اور اس بات سے ناواقف ہیں کہ ہم کون ہیں اور طبیعت سے کیا ربط رکھتے ہیں۔ ہاں! ہم کچھ نہیں جانتے اور مجبور ہیں کہ ہر چیز کے سامنے ایک استفہامی علامت رکھدیں۔"

(در جستجوی خوش بختی۔ ص۵۸ اور ۲۱۹)

حقیقت کی جستجو اور کسی بھی مطلب کو سمجھنے کے لئے اوّلین شرط یہ ہے کہ انسان بحث و گفتگو کے دوران جدال و مناقشہ کی راہ اختیار نہ کرے لیکن خود پسندی کے شکار مغرور انسان کی کوشش ہوتی ہے کہ دوسروں کی باتیں اپنے مفاد میں استعمال کرے۔ اس ناپسندیدہ رَوِش کو اختیار کرتے ہوئے وہ کٹ حجّتی اور بحثا بحثی کرتا ہے۔ دراصل ایسے شخص کا مقصد حقیقت سے پردہ اٹھانا نہیں ہوتا

بلکہ وہ اس طریقے کو اختیار کر کے اپنی علمیت اور زبردستی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔

خود شناسی کے مرتبہ تک رسائی کے لئے اوّلین ضرورت یہ ہے کہ حقائق کو صحیح طریقے سے پہچانیں اور ان کی صحت و درستی پر مکمل ایمان حاصل کریں۔ اس طرح ہم بہتر طور پر کسی چیز کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ حقائق کا علم حاصل کرنے کے سلسلہ میں ہمارا حقیقی مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ایسے امور جن کی کم و کیف سے ہم آگاہ نہیں بلکہ جن کے متعلق ہماری معلومات اجمالی ہیں انہیں بغیر کسی پیچیدگی اور ابہام کے واضح طور پر درک کریں۔

تخریبی سرگرمیاں

غرور کے ضرر رساں آثار زندگی کے بہت سے شعبوں پر نمودار ہوتے ہیں۔ ان آثار پر توجہ ہمیں روحانی عذاب کا سبب بننے والی اس بیماری کے خلاف سنجیدگی کے ساتھ جنگ پر آمادہ کرتی ہے۔

اگر باہمی بحث و گفتگو کے دوران غرور کی شدید اور مستقیم دخالت کا خاتمہ کردیا جائے تو بہت سے اختلافات اور جھگڑوں کا خود بخود ازالہ ہوجائے۔ کیونکہ لوگوں اور طبقات کے درمیان پائے جانے والے بے وجہ کے تنازعات کا اصل سبب ان کا غرور میں مبتلا ہوجانا ہوتا ہے اور اس طرح وہ خود اپنے اور دوسروں کے فائدہ کے بجائے نقصان کا سبب بن جاتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں وہ باہمی افہام و تفہیم، صحیح منطق اور بے غرضی کے ساتھ مشکلات کا حل نکالنے سے عاجز رہتے ہیں۔

مغرور شخص کے دوسری ناپسندیدہ صفات مثلاً حسد، بخل اور بد بینی وغیرہ

Marfat.com

میں مبتلا ہوجانے کا امکان رہتا ہے۔ ایسا شخص دوسروں کی ناکامی و نامرادی کا آرزو مند رہتا ہے۔ اگر اسے کوئی کسی کام میں اپنے سے بہتر و لائق تر نظر آتا ہے تو اس کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ حتیٰ ایسے موقع پر بھی اس کا یہی حال ہوتا ہے جب کامران شخص اور اس کے میدانِ کار میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ یہ احساس اس کے لئے اس قدر ناقابلِ برداشت اور درد ناک ہوجاتا ہے کہ بتدریج اس پر دشمنی اور خصومت کے جذبات مُسلّط کردیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی تمام تر کوششوں کا محور اپنے رقیب پر کامیابی بن کے رہ جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ زندگی میں اس کی تمام سرگرمیوں کا کوئی بامعنی ہدف نہیں رہتا بلکہ اس کا انتہائی نصب العین اپنے رقیب کی شکست ہوتا ہے۔

اس رویّہ کی بنا پر کیونکہ اس کے اکثر اعمال تخریبی ہوجاتے ہیں اس لئے اس کی جسمانی اور ذہنی توانائیاں فضول کاموں میں ضائع ہونے لگتی ہیں۔ جب بھی اور جس جگہ بھی اسے موقع ملتا ہے وہ اپنے اس جذبہ کی تسکین کی کوشش کرتا ہے۔

ایسا شخص دوسروں کے مقابل انکساری و فروتنی کے اظہار سے گریزاں رہتا ہے۔ حتیٰ اس کے اس افراط آمیز رویّہ کی بناء پر اس کے انتہائی اہم روابط اور محکم رشتے تک منقطع ہوجاتے ہیں۔ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ لوگوں کے جذبات سے بے اعتنائی اور ان سے توہین آمیز و پُر تحقیر سلوک ان میں ردِّ عمل ایجاد کرتا ہے اور اس رویّہ کا حامل شخص خود لوگوں کی طرف سے تحقیر و اہانت کا مورد بن جاتا ہے۔ ہر انسان کے دل میں ایسے مغرور اور اوچھے لوگوں سے تنفر کا پایا جانا قدرتی بات ہے۔

مغرور دوسرے لوگوں کی حیثیت کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے محض اپنی خواہشات و تمایلات سے غرض رکھتا ہے۔ یہی یک طرفہ تمایل ایک طرف تو مغرور کی خواہشات کے درمیان شدید تضاد اور دوسری جانب اوروں کی طرف سے اس کے خلاف اہانت آمیز اور ناقابلِ برداشت بے اعتنائی کے برتاؤ پر منتہی ہوتی ہے اور وہ مجبور ہوتا ہے کہ شکست خوردہ روح اور پُر ہیجان قلب کے ساتھ خلافِ توقع حوادث اور بے اعتنائیوں کو برداشت کرے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ۔

"میں نہیں کہتا کہ آپ اپنے مقام اور اہمیت کو جتلانے کے واسطے جھنڈے بلند کیجئے اور نقارے بجایئے تاکہ سب آپ کی طرف متوجہ ہوجائیں لیکن اگر آپ اس قدر انکساری اور عاجزی کا اظہار کرتے ہیں کہ اپنی راہوں میں پھول نچھاور نہیں کرنا چاہتے تو کم از کم ایسے نہ ہویئے کہ لوگ آپ پر پتھر برسائیں۔ آپ کیوں لوگوں کو اپنے نقائص کی جانب متوجہ کرتے ہیں------؟ لوگوں کے ساتھ دل پذیر سلوک و رفتار جو بے شک انسان کے باطن اور اس کے اچھے اخلاق سے وابستہ ہے نہ صرف خود اس کی اپنی زندگی میں مطلوب تاثیر کے حامل ہیں بلکہ لوگوں کے دلوں پر بھی گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ ایسے لوگ جو حقیقتاً نمایاں خصوصیات اور اخلاقی فضائل کے مالک ہوں وہ ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمہ کی مانند اپنے اقرباء کو سیراب کرتے ہیں۔ حقیقی ادب اور انکساری اس وقت صادر ہوتے ہیں جب انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہوں۔ اس کے برخلاف اگر کوئی مصنوعی طرز

Marfat.com

عمل اختیار کرے گا تو گویا وہ خود فریبی میں مبتلا ہے۔ ہر شخص کا طرزِ تفکّر اور باطن اس کے کردار و عمل سے جھلکتا ہے اور کسی بھی ذریعہ سے اسے چھپایا نہیں جاسکتا۔"

نفس کی سلامتی

زندگی جہدِ مسلسل سے عبارت ہے۔ کبھی تو اس تلاش و کوشش کے نتیجہ میں کامیابی و کامرانی نصیب ہوتی ہے اور کبھی نامُرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔ ایسے لوگ جنہیں زندگی میں کامیابی نصیب ہوتی ہے ممکن ہے غرور و نخوت کا شکار ہوجائیں اور وہ افراد جنہیں بعض میدانوں میں ناکامی سے دوچار ہونا پڑے اپنی شکست کو بدقسمتی' دوسروں کی کینہ توزی اور ان کی طرف سے رکاوٹیں کھڑی کردینے کا نتیجہ قرار دیں اور رنج و ناامیدی کا شکار ہوجائیں۔

ہرچند ناکامی و شکست تلخ و ناگوار ہے اور کامیابی دلنشین و خوبصورت لیکن کامیابی کے نتیجہ میں اپنی مہارت' عقل اور کاردانی پر مغرور نہیں ہونا چاہئے اور اسی طرح ناکامی پر روح کو بے پایاں یاس و حسرت میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔

اگر ہم ہدف کے حصول کے موقع پر اور اسی مانند ناکامی کے وقت واقع بینی اور متانت کو اپنا شعار قرار دیں تو مذکورہ بالا دونوں قطب افراط و تفریط کی حدِّ وسط (یعنی سلامتیٔ نفس) حاصل کرلیں گے البتہ یاد رہے کہ اس حدِّ اعتدال کا حصول نفس کے خلاف نہایت سخت جہاد کا متقاضی ہے۔

کائنات کی دوسری تمام چیزوں کی مانند انسان کی نفسیاتی حیات کے تار و پود کی تشکیل بھی اس طرح ہوئی ہے کہ ان میں تحمل کی طاقت محدود ہوتی ہے۔

Marfat.com

ممکن ہے محرومیوں اور ناکامیوں کے صدمات کا ردِّ عمل عصیان و تخریب کی صورت میں ظاہر ہو۔

اپنی نفسیاتی ضروریات سے ناآگاہی اور خود اپنی شناخت کے سلسلہ میں دشواری ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔ درحالانکہ کوتاہ فکر لوگوں کا یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے زیادہ خود کو پہچانتے ہیں اور اپنے تفکرات کے علل و اسباب' اپنے محرکات' اپنے اعمال اور بالآخر اپنے باطن سے آگاہ ہیں۔

غلط تشخیص' ظالمانہ فیصلوں اور سوء تفاہم کا سبب خود شناسی کے سلسلہ کے یہی نقائص ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے انسان سے متعلق فلسفہ کی قدیم تعلیمات میں خود شناسی کی تاکید کی گئی ہے عصرِ حاضر میں بھی کہ جو انسانی فطرت اور نفسیات کے بارے میں گہری اور دلچسپ تحقیقات کا دور ہے خود شناسی کے ابتدائی اصولوں کا سیکھنا نفسیاتی سلامتی کی اہم ترین بنیادوں میں شمار ہوتا ہے۔

انسانی نفس میں اچھی خصلتوں کی پرورش کے لئے لازم ہے کہ انسان نفسیاتی احتیاجات' اس نظام کے کام کرنے کے طریقہ کار اور نامطلوب احساسات سے آگاہ ہو جن میں سے ہر ایک کسی ردِّ عمل کا نتیجہ اور باطنی اثرات میں سے ہے اور حتیٰ الامکان ایسے ہیجانات کے بارے میں مطلع ہو جو پیچیدہ منابع سے سرچشمہ لیتے ہیں تاکہ اس طریقہ سے گمراہ کرنے والی خواہشاتِ نفس اور حقیقی تمناؤں کے درمیان فرق کرسکے اور ان متواتر و مسلسل حملوں سے اپنا دفاع کرسکے جو اس کے نفس کی سلامتی کے لئے خطرہ ہیں۔ نیز اس بات سے محتاط رہے کہ ہر لحظہ موہوم سعادت و خوشبختی کی خاطر زندگی کی لگام فریب دینے

Marfat.com

والے تخیلات کے سپرد نہ کرے۔

ایسے تمام لوگ جو نفسیاتی کمپلیکس میں مبتلا ہوتے ہیں یا ہمیشہ یاس و ناامیدی کی وحشتوں کے اسیر رہتے ہیں درحقیقت وہ لوگ ہیں جو اپنی اندرونی استعداد اور باطنی توانائیوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ لہٰذا اپنی شخصیت کو پانے کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ ہمہ جانبہ کوششیں بروئے کار لائیں تاکہ ان کے ذریعہ اپنے نقائص کا ازالہ کرسکیں۔

بنیادی طور پر انسان اپنی خواہشات اور آرزوؤں کے تقاضوں کی بنا پر ہر اس چیز سے آزردہ رہتا ہے جو اس کی خواہشات اور تمناؤں کے حصول کی راہ میں مانع ہو۔ نیز ہر ایسی معنوی و مادّی رکاوٹ کو جو اس کی آرزوؤں کی تکمیل میں حائل ہو یا اس کی خود مختاری میں مانع ہو سخت معیوب سمجھتا ہے۔ یہی رکاوٹیں تجاوز اور کینہ کا سبب بنتی ہیں۔

وقتی اور جلد گزر جانے والے میلانات اور شرربار خواہشات انتہائی آسانی کے ساتھ انسان کے سامنے چیزوں کو مشتبہ کرسکتے ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لوگوں کو خبردار کرتے ہیں کہ ہوا و ہوس کی پیروی سے اجتناب کریں۔

"ایاکم والھوی فان الھوی یعمی ویصم"

"ہوا و ہوس سے پرہیز کرو کیونکہ ہوس انسان کو اندھا و بہرہ بنا دیتی ہے۔" (نہج الفصاحہ۔ ص۲۰۱)

اپنی کوتاہیوں پر عدم توجہ

اکثر اوقات غرور اور گھمنڈ کی بناء پر انسان اپنی کوتاہیوں، نقائص اور

Marfat.com

محدودیتوں سے غافل اور اپنی توانائیوں سے ناواقف رہتا ہے۔ یہی بے اطلاعی اس کی شخصیت کے استقلال اور اس کی روحانی ترقی میں رکاوٹ ثابت ہوتی ہے۔ نیز یہی ناواقفیت اس بات کا موجب ہے کہ انسان اپنے ان نقائص کی تلافی کی جانب متوجہ نہیں ہوتا حالانکہ ان میں سے بہت سے معمولی اصلاح کے محتاج ہوتے ہیں جو بہت آسانی سے کی جاسکتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"الراضی عن نفسہ مستور عنہ عیبہ ولو عرف فضل غیرہ کساہ مابہ من النقص والخسران"

"خود پسند انسان اپنے نقائص سے بے خبر رہتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کی برتری کا قائل ہوتا تو اپنے نقائص و معائب کی تلافی کرتا۔"

(غرر الحکم۔ ص ۹۵)

امیرالمومنینؑ خود پسند لوگوں کے غرور کا سبب ان میں عقل کا فقدان قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"رضاء العبد عن نفسہ برھان سخافۃ عقلہ"

"کسی شخص کا غرور اور خود پسندی اس کے ضعفِ عقل کی دلیل ہے۔" (غرر الحکم ص ۴۲۴)

"العجب یفسد العقل"

"خود پسندی عقل و خرد کو تباہ کر دیتی ہے۔" (غرر الحکم ص ۲۶)

معروف مغربی فلسفی "اسپنوزا" کہتا ہے کہ

"جو شخص خود اپنے بارے میں جہل کا شکار ہے وہ تمام فضائل کی بنیاد

Marfat.com

سے بے خبر ہونے کی بنا پر کسی ایک بھی فضیلت سے آگاہ نہیں۔ فضیلت کے مطابق عمل دراصل عقل کے مطابق عمل ہے۔ جو شخص بھی عقل و خرد کی رہنمائی میں عمل انجام دیتا ہے اسے لازماً اس بات سے آگاہ ہونا چاہئے کہ اس نے عقل کو اپنا رہنما قرار دیا ہے۔ پس ایسا شخص جو خود اپنے بارے میں جاہل ہے اور اس کے نتیجہ میں جیساکہ ہم نے پہلے کہا کُلّی طور پر تمام فضائل سے بے خبر ہے کسی صورت فضیلت کے مطابق عمل انجام نہیں دے سکتا۔ یعنی مکمل طور پر کم عقلی کا شکار ہے۔ بنابرایں کہا جاسکتا ہے کہ غرور ضعفِ عقل کا بلند ترین درجہ ہے۔" (فلسفہ نظری، ص۱۰۶)

ممکن ہے کہ بعض چیزیں جو ہمیں حقیقت نظر آتی ہوں واقعاً حقیقت نہ ہوں۔ عقل و خرد کی کسوٹی پر رکھ کر (کسی چیز کی) حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

ایسے لوگ جن کی بینائی کمزور ہو وہ اس کی تلافی کے لئے عینک استعمال کرتے ہیں لیکن ایسا شخص جو ضعفِ عقل کا شکار ہو وہ اس کا ازالہ عینک کے ذریعہ نہیں کرسکتا۔ بلکہ اس کے لئے اسے اپنے باطن پر توجہ دینا ہوگی' اپنے نفس کا تجزیہ و تحلیل کرنا ہوگا اور نہایت غور و احتیاط کے ساتھ اپنی حقیقی استعداد اور صلاحیتوں کو مضر خواہشات اور ہواء نفس سے جدا تمیز دینا ہوگا۔

بکثرت ایسے لوگ ہیں جو اپنی روحانی قوتوں کو اپنی ذاتی یا اجتماعی بہبود کے لئے کام میں لانے کی بجائے انہیں بے کار تلف کردیتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے اندر پنہاں حیرت انگیز قوتوں اور اپنے باطن کی توانائی کے متعلق معمولی اور سطحی علم بھی نہیں رکھتے۔

اگر کوئی شخص اپنے نواقص و معائب سے آگاہ ہو جانے کے بعد بھی انہیں اہمیت نہ دے یا انہیں قابلِ اغماض و چشم پوشی شمار کرے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے ان نقائص کو اپنے وجود کا لازمہ سمجھ لیا ہے۔

باطنی احوال کے بارے میں آگاہی دقّت اور وقت کی متقاضی ہے۔ اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ کم وقت میں اپنی نفسیاتی خصوصیات' کمزوریوں اور نقائص سے واقفیت حاصل کرلے گا تو اس کا یہ تصوّر غلط ہے۔ اس لئے کہ خود شناسی اور بعض وحشتناک باطنی امور کا تابِ نظارہ روشن بینی اور نہایت شجاعت کا طالب ہے اور یہ حاصل نہیں ہو سکتی مگر بتدریج حوصلہ اور لازمی احتیاط کے ذریعہ لیکن بااین ہمہ انسان رذیلتوں کے خلاف ارادہ اور فکر کی قوت اور پیہم جدوجہد کے ذریعہ نمایاں کامیابیاں حاصل کرسکتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من طلب عیباً وجدہ"

"جو شخص اپنے عیوب و نقائص تلاش کرے گا وہ کامیاب ہو گا۔"

(غرر الحکم۔ ص ۲۱۴)

خودی اور خود پرستی

اسلام نے بشریت کو اس کی روحانی احتیاجات کی تسکین کے قابلِ اطمینان ترین طریقے عطا کئے ہیں اور انسانی فطرت کی تہذیب و اصلاح کے لئے جامع و ہمہ پہلو دساتیرِ عمل فراہم کئے ہیں۔ انسانی خواہشات کو حدِّ اعتدال میں رکھنے کے واسطے اسلام کے پیش کردہ ضوابط روح اور عقل کو جِلا بخشتے ہیں اور انسان

Marfat.com

کو حقیقتِ واقعی تک پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ اگر خواہشات و احساسات بے لگام ہو جائیں تو نہ صرف دوسروں کو نقصان پہنچانے کا موجب ہیں بلکہ خود انسان کے اندر بھی ہیجان و طوفان بپا کردیتے ہیں اور یہ باطنی کشمکش آدمی کے سقوط و انحطاط پر منتہی ہوتی ہے۔

خودی کا شمار ان عوامل میں ہوتا ہے جو انسانی زندگی میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔

خودی اور خود پرستی میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ خودی روح کی عظمت اور شخصیت کی وسعت کی علامت ہے اور آدمی کو انکساری و فداکاری پر آمادہ کرتی ہے جب کہ خود پرستی دائرۂ فکر کو محدود اور انسانی طبع کو رزالت و پستی میں مبتلا کردیتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"اکبر الناس ضعة من تعاظم فی نفسه"

"جو شخص اپنے نفس کی عظمت و بزرگی کا قائل ہو اس کی عاجزی و انکساری سب سے زیادہ ہوتی ہے۔"

(غرر الحکم۔ ص ۱۹۵)

"جیگو" کہتا ہے کہ۔

"خود پرستی دوسروں کو اپنے ذاتی مقاصد و مفادات کے حصول کے لئے قربان کردینے کا نام ہے۔ جب کہ خودی ایک ایسی روحانی کیفیت کا نام ہے جو شخصیت کی تعمیر اور اسے پروان چڑھانے کے ارادہ سے پہچانی جاسکتی ہے۔ خود پرستی اپنے ہمراہ ہمیشہ ایک ضعف لئے ہوتی

Marfat.com

ہے جب کہ خودی غیر معمولی قوت ہوتی ہے۔ اگر آپ اس بات کا عزمِ صمیم کئے ہوئے ہیں کہ دوسروں کے ارادے کو خود پر مسلّط نہ ہونے دیں گے اور دوسروں کا یہ تسلّط آپ کی تندرستی، قوّت، کامیابی اور نفوذ کے خلاف ہے تو آپ "خودی" کے حامل انسان کہلائیں گے۔

لیکن اس گفتگو سے یہ نتیجہ نہیں لینا چاہئے کہ آپ دوسروں کی زبونی و سیاہ بختی کو دیکھ کر کوئی تاثر ظاہر نہ کیجئے۔ بلکہ ہماری نصیحت صرف یہ ہے کہ اپنی قوتوں کو ہزارہا مختلف جہتوں میں صرف کرنے کی بجائے انہیں موافق مواقع کے لئے ذخیرہ رکھئے۔

"خودی" ایثار و فداکاری کے خاتمہ کا سبب نہیں ہوتی، بلکہ اسے ایک معیّن قاعدہ کے تحت کردیتی ہے اور انسان نہایت میل و رغبت کے ساتھ اپنے کسی دوست کو خوش کرنے یا کسی محتاج کی دستگیری کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے۔

اخلاقی نکتہ نظر سے اگر کوئی مشکلات کے دوران اعصابی سکون کھودیتا ہو تو ایسے شخص کو ناتوانوں سے علیحدہ ہو کر طاقتوروں کے گروہ میں آجانا چاہئے۔ وگرنہ اسے بہت جلد اپنے اندر ضعف و ناتوانی کا احساس ہونے لگے گا اور یہیں سے انسان میں کم ہمتی اور سستی کا آغاز ہوتا ہے۔ دوسروں کی احتیاجات کو رفع کرنا ہر ایک کے فرائض میں شامل ہے۔

دوسری طرف خودی اور خودگزشتگی کو ماپنے کا سادہ ترین طریقہ یہ ہے

Marfat.com

کہ دیکھا جائے کہ انسان اپنے اور دوسروں کے لئے کس قدر جدوجہد کرتا ہے۔

بے شک اگر ایک ملت کے افراد اپنی شخصیت کو پروان چڑھانا چاہیں تو بہت جلد انتہائی درجہ، اعتدال کو پالیں گے۔ بنابرایں روح کی تربیت سے بڑھ کر کوئی بات معقول نہیں۔ خودی خود گزشتگی کو انتہائی عروج پر پہنچانے کا موجب ہے۔ درحقیقت اخلاقی دیانت روحانی اعتدال کا نتیجہ ہے۔" (قدرتِ ارادہ، ص ۷۱-۷۰)

اسلام اس قوی اور محکم بنیادوں پر استوار محرّک کی مصلحت و تقاضوں کی خاطر انسان کے لئے تمام راستے کھولتا ہے اور ہر چیز سے زیادہ خودی کی جانب میلان و رغبت کا اہتمام کرتا ہے۔

اسلام کی نظر میں مطلوب و پسندیدہ حبِ نفس و خود خواہی وہ ہے جو راہِ مستقیم پر قائم اور ہر قسم کے انحراف و کج روی سے دور ہو۔ ایسی راہ پر گامزن ہو جس کی منزل خوش بختی اور سعادتِ جاویدانی ہو۔ ایسا مسلمان جس نے کھلے ذہن اور روشن بینی کے ذریعہ حقیقت کو پہچان لیا ہو کسی صورت ہمیشگی اور جاویدانی کی منزل ترک کرکے جلد فنا ہو جانے والی لذّتوں کے انتخاب پر راضی نہ ہوگا۔

اسے اپنے آپ سے محبت و دوستی نہیں کہا جاسکتا کہ انسان پست اور مخرّب خواہشات اور ذلّت و خواری کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے اور خود کو ابدی عذاب اور دردناک عقاب میں مبتلا کرلے۔ اس قسم کی خودخواہی کا حامل شخص بشریّت کے اعلیٰ مدارج کا سزاوار نہیں۔

Marfat.com

حقیقی و جاویدان عشق

اسلام چاہتا ہے کہ انسان اپنی حیات کے دوران عشق و محبت کے مختلف درجات طے کرے اور ان مراتب کو حاصل کرکے اپنی لیاقت و شائستگی کا ثبوت دے۔

سب سے پہلے اسلام انسانی روح کو عشق و محبتِ الٰہی سے سرشار کرتا ہے اور انسانوں کو سبق دیتا ہے کہ خداوندِ عالم سے عشق کو ہر دوسری محبت پر ترجیح دیں۔ وہ خدا جس نے اسے زندگی کی تمام نعمات' صلاحیتیں اور امتیازات عطا کئے ہیں' اگر ان الطاف و اکرام کو ملحوظ رکھا جائے تو ذاتِ احدیت کے سوا کوئی اس بات کا سزاوار نہیں کہ اس کے سامنے خلوص و محبت کا اظہار کیا جائے۔

پھر اسلام معاشرہ کے تمام افراد کو باہمی میل و محبت کی تاکید کرتا ہے۔ نصیحت کرتا ہے کہ وہ لوگ جنہیں خداوندِ عالم نے ایک ہستی سے پیدا کیا ہے ان پر لازم ہے کہ ایک دوسرے سے محبت و الفت کا سلوک کریں' ایک دوسرے پر لطف و مہر کے پاکیزہ جذبات نچھاور کریں۔ کیونکہ سب انسان خلقت اور مشترک مصالح کی بنیاد پر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اس حقِ برادری کی دلپذیر انداز میں تاکید کرکے ان کے باطن و ضمیر میں جنبش و حرکت ایجاد کرتا ہے۔ اس طرح انسان کے اندر ایک ہم آہنگ اور متوازن حبِ ذات پیدا ہو جاتی ہے جس کے بعد انسان کسی صورت اس بارے میں افراط کا شکار نہیں ہوتا۔

بزرگی و کبریائی خداوندِ عالم کی ذات سے مخصوص ہے جو بے نیاز ہے اور

تمام موجودات ہر جہت سے اس کی نیاز مند ہیں۔

"یا ایھاالناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھوالغنی الحمید"

"انسانوں تم سب اللہ کی بارگاہ کے فقیر ہو اور اللہ صاحبِ دولت اور قابلِ حمد و ثناء ہے۔" (سورۂ فاطر ۳۵ آیت ۱۵)

آسمانی تعلیمات سے انحراف اور روگردانی کے نتیجہ میں انسان غرور و نخوت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرانِ کریم اپنے ایک خطاب میں مغرور کو اس کی حقارت اور پستی کی جانب متوجہ کرتا ہے اور اس کی پُر نخوت روح کو بے بنیاد خیالات کی بلندیوں سے نیچے اتارتا ہے۔

"ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا"

"اور روئے زمین پر اکڑ کر نہ چلنا کہ نہ تو تم زمین کو شق کر سکتے ہو اور نہ سر اٹھا کر پہاڑوں کی بلندیوں تک پہنچ سکتے ہو۔"

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت ۳۷)

جس شخص کے دل میں خدا سمایا ہوا ہو اس پر نعمتوں سے مالا مال ہونے کے باوجود غرور مسلط نہیں ہوتا کیونکہ اسلام انکساری اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے اور متکبّرانہ طرزِ عمل کو ناپسند کرتا ہے۔

"ولا تصعر خدک للناس ولا تمش فی الارض مرحاًان اللہلا یحب کل مختال فخور"

"اور خبردار لوگوں کے سامنے اکڑ کر منہ نہ پھلا لینا اور زمین پر غرور

Marfat.com

کے ساتھ نہ چلنا کہ خدا اکڑنے والے اور مغرور کو پسند نہیں کرتا۔" (سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۱۸)

برتری کا ایک خاص احساس

ایک سچا مسلمان دنیوی کامیابیوں اور خوشی و آسائش میسّر ہونے پر احساسِ برتری میں مبتلا نہیں ہوتا۔ بلکہ جس لمحہ ایمان اس کے قلب میں گھر کرتا ہے وہ لمحہ اس کے لئے فخر و ناز کا باعث ہوتا ہے۔ انسانوں کی بنائی ہوئی جھوٹی اقدار اسے اپنی جانب متوجہ نہیں کرپاتیں۔ اسے زندگی کی حقیقتوں کا علم ہوتا ہے۔ آزاد روح اور روشن عقل اس کے اندر ایک ایسا توازن قائم کردیتی ہے جس کی بدولت وہ پست مادّی سطح سے بلند ہوجاتا ہے اور عالمِ مادّہ سے استفادہ کی خاطر دنیوی لذّتوں میں غرق نہیں ہوتا۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک بندۂ مومن کی روح و ادراک پر مادّیات غالب آجائیں۔ وہ کسی غیر کے آستانے پر سر نہیں ٹیکتا۔ ہر ایسی ذلّت و پستی سے جو اس کی شخصیت کے تنزل اور زوال کا باعث ہو اجتناب برتتا ہے۔ وہ صرف بارگاہِ الٰہی میں خضوع و خشوع کا اظہار کرتا ہے۔

خداوندِ عالم صاحبانِ ایمان کو نصیحت کرتا ہے کہ تمام مراحل حیات میں اپنی اس صفت کی حفاظت کریں۔

"وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین"

"اگر تم صاحبانِ ایمان ہو تو سربلندی تمہارے ہی لئے ہے۔"

(سورہ آل عمران ۳۔ آیت ۱۳۹)

Marfat.com

"ان یمسسکم قرح فقد مس القوم قرح مثلہ و تلک الایام نداولھا بین الناس"

"اگر تمہیں کوئی تکلیف چھولیتی ہے تو تمہارے دشمنوں کو بھی ایسی ہی تکلیف ہو چکی ہے اور ہم تو زمانے کو لوگوں کے درمیان الٹتے پلٹتے رہتے ہیں۔" (سورۂ آلِ عمران ۳۔آیت ۱۴۰)

قرآنِ کریم نے مسلمانوں کو اس بَرتری کی جانب اس وقت متوجہ کیا جب انہیں جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا اور دشمن کامیاب ہوا تھا۔ کیونکہ اہلِ ایمان کو بَرتری خداوندِ عالم پر ایمان رکھنے کی بناء پر حاصل ہے دشمن پر فتح و کامیابی اس بَرتری کا پیمانہ نہیں لہٰذا شکست کے موقع پر بھی یہ بَرتری ہاتھ سے نہیں جاتی۔

مسلمانوں کو اس بناء پر دوسروں سے فوقیت حاصل ہے کہ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان ہی بشریّت کا اعلیٰ ترین سرمایہ ہے۔ اور اسی جوشِ ایمانی کی بناء پر مردِ مسلمان خود کو تمام مادّی زنجیروں سے آزاد تصوّر کرتا ہے۔ یہ معرفت صرف اور صرف قرآنِ کریم اور سنّتِ پیغمبرؐ کی رہنمائی کا نتیجہ ہے۔

غرور و خودپسندی ترقی و تکامل کے لئے سدِّ راہ اور مانع ہے۔ مغرور کو اپنے عمل سے حاصل ہونے والا سکون اسی طرح اس کی عقب ماندگی اور رکود کا سبب بن جاتا ہے جس طرح اپنی کارکردگی پر عدمِ اطمینان ترقی و روز افزوں کمال کی جانب سفر کا پیش خیمہ ہے۔

امیرالمومنینؑ اس دلچسپ نکتہ کو دو مختصر جملوں میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

Marfat.com

"الاعجاب یمنع الازدیاد"
"غرور و نخوت ترقی و تکامل میں مانع ہے۔"

(نہج البلاغہ فیض۔ ص ۱۱۵۷)

"من انف من عمله اضطره ذلک الی عمل خیر منه"
"جو شخص اپنے عمل کو پسند کرتا ہے تو یہ بات اس کے لئے مزید بہتر کاموں کی جانب اقدام کا محرک بنتی ہے۔" (غرر الحکم ص ۶۶۸)
نیز فرماتے ہیں کہ۔
"من عجب بحسن حالته قصر عن حسن حلیته"
"جو کوئی بھی اپنی (موجودہ) حالت کے بارے میں غرور و نخوت کا شکار ہو جائے ہرگز اپنی اصلاح میں کامیاب نہ ہو گا۔" (غرر الحکم ص ۶۸۷)
معروف محقق "ولیم جان ریلی" لکھتا ہے کہ۔
"میں نے دریافت کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ میرے ذہن میں پائے جانے والے بعض مزاحم و مضر افکار و خیالات، ایسے ایسے افکار و خیالات جو میری بے اطمینانی اور غم و اندوہ کا سبب ہیں اور دوسرے بہت سے خیالات سے بڑھ کر میرے لئے باعثِ عذاب ہیں وہ ان خیالات میں سے ہیں جو میں خود اپنے بارے میں رکھتا ہوں۔ ہم اس بات کو کس طرح درک کرسکتے ہیں؟ــــ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اپنی آواز کے بارے میں اپنے خیالات بیان کروں۔ کیونکہ اکثر لوگوں کو اپنی آوز پسند ہوتی ہے۔ میں بھی محض اپنی

دلنشین آواز سے مطمئن و مسرور تھا۔ میں نے مجمع عام میں بکثرت مواقع پر تقریریں کی ہیں حتیٰ اسی میدان میں اٹھارہ سال کی عمر میں میں نے سونے کا ایک میڈل بھی حاصل کیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میری آواز خوبصورت اور متوازن ہے۔

ایک روز میں نے اپنی تقریر کا ایک کیسٹ حاصل کیا جو میں نے کسی موضوع پر ریڈیو کے لئے ریکارڈ کروائی تھی تاکہ دوسروں کی طرح میں بھی اسے سُن کر دیکھوں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ میں ایک سامع کی حیثیت سے اپنی تقریر سُن رہا تھا۔ خدا بُرا دن نہ دکھائے' میں اپنی آواز سُن کے دنگ رہ گیا' مبہوت ہو گیا' میری آواز میری توقع سے کہیں زیادہ غیر معیاری تھی۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے میں ہلکے ہلکے رو رہا ہوں۔ میں نہایت غیر متوازن' بے رنگ اور گوش خراش آواز میں بول رہا تھا۔

جس وقت میں یہ کیسٹ سُن رہا تھا تو کئی اور افراد بھی میرے ساتھ موجود تھے' مجھے بہت خجالت محسوس ہوئی اور اس کو مٹانے کے واسطے میں ان کے سامنے وضاحتیں پیش کرنے لگا کہ دراصل یہ تقریر ریکارڈ کراتے وقت میری طبیعت ناساز تھی اور اس وقت میں صدا بندی کے فن سے بھی واقف نہ تھا۔ لیکن یہ کہتے ہوئے میرا دھیان اس طرف نہ گیا کہ دوسرے کیسٹوں میں بھی تو میری یہی آواز موجود ہے (اگر ان لوگوں نے وہ کیسٹ سن لئے تو کیا کہیں گے؟؟؟)

اس کے بعد میں نے اپنی تمام تقاریر کے کیسٹ سنے اور بالآخر مجھے

اس بات کو قبول کرنا پڑا کہ برسوں سے اپنی آواز کے متعلق قائم میرا عقیدہ خوش فہمی پر مبنی تھا۔ پھر میں نے پہلی مرتبہ اپنی خودپسندی کو ایک طرف رکھا اور اپنی آواز کو متوازن بنانے کی خاطر محنت شروع کردی۔ اس دوران جب بھی مجھ پر مایوسی طاری ہوتی فوراً "موستن" کا خیال ذہن میں لے آتا کہ اس نے کیا کیا تھا؟ اب تک میری یہ مشق جاری ہے۔

اپنی آواز کے تجربہ کے اس مسئلہ نے مجھے ایک سبق دیا اور وہ یہ کہ مجھے اپنی اصلاح کے لئے وسیع پیمانے پر کوشش کرنی چاہئے اور جب تک میں اس نقص کی خفت قبول کرنے کا حوصلہ پیدا نہ کرلوں اپنی اصلاح' ترقی اور پیشرفت کا آغاز نہیں کرسکتا۔

غرور اور خودپسندی کا خاتمہ انسان کو واقع بینی اور حقیقت تک پہنچاتا ہے اور اس کی ترقی و پیش رفت کا باعث ہوتا ہے۔ صرف اس وقت اصلاح اور ترقی کا یہ عمل انجام پاسکتا ہے جب ہم حقائق کی جانب متوجہ ہوں اور اپنے بارے میں بے بنیاد افکار و خیالات سے چھٹکارا حاصل کریں وگرنہ جہل اور تاریکی میں پڑے رہ جائیں گے اور اپنی ذات کی اصلاح و ترقی سے عاجز رہیں گے۔" (تفکرِ صحیح' ص ۵۰-۵۳)

مغرور اپنے ذہنی اختلال کی وجہ سے بسا اوقات ایسی خوبیوں کو خود سے منسوب کرتا ہے جو درحقیقت اس میں موجود ہی نہیں ہوتیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من اعجب بنفسه و فعله فقد ضل عن نهج

Marfat.com

الرشد وادعی مالیس فیہ"

"جو شخص اپنی ذات اور کارکردگی کے مسئلہ میں غرور کا شکار ہو جائے وہ ترقی و کمال کی راہ سے بھٹک جائے گا اور ایسی چیز کا دعویٰ کرے گا جو اس میں موجود نہیں۔" (سفینۃ البحار، ج ۲ ص ۱۶۱)

خود پرست مغرور ابریشم کے کیڑے کی مانند ایسے تاروں کے درمیان محصور ہوتا ہے جو اس نے توہّم کی قوّت سے اپنے گرد لپیٹ لئے ہیں اور "من" کے نشے میں اس قدر سرشار ہے کہ اپنے وجود کو کائنات کا محور سمجھتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"سكر الغفلة والغرورا بعد افاقة من سكر الخمور"

"غرور و غفلت کے نشے میں مست لوگ شراب کے نشے میں چور لوگوں سے بھی زیادہ دیر میں ہوش میں آتے ہیں۔"

(غرر الحکم۔ ص ۴۴۰)

Marfat.com

Marfat.com

گیارھواں باب

قوّتِ ارادی کے کرشمے

مردانِ تاریخ کے کارنامے ـــــــ ۴۱۲
ارادے کی کمزوری ناکامی کا سبب ہے ـــــــ ۴۱۴
مشکلات بیدار کرتی ہیں ـــــــ ۴۱۷
انسانی صلاحیتوں کی وسعت ـــــــ ۴۲۱
اسلام کی نظر میں مسئولیت کی بنیاد ـــــــ ۴۲۶
ارادہ کی تکیہ گاہ ـــــــ ۴۲۸
عزم بالجزم ہی کامیابی کا راز ہے ـــــــ ۴۳۲
تلقین بہ نفس ـــــــ ۴۳۴

Marfat.com

مردانِ تاریخ کے کارنامے

نابغۂ روزگار ہستیوں نے انسانی تاریخ کے تاریک ایام کو اپنے نور سے منوّر کیا۔ ستاروں کی مانند درخشاں ان ہستیوں کے کارنامے آج بھی تاریخ کے سنہری اوراق پر جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ ان مردانِ تاریخ نے اپنی روحانی صفات اور نمایاں خصوصیات کی بدولت تاریخِ انسانی میں عظیم تغیّرات رونما کئے اپنے کارناموں کی جلائی ہوئی مشعلوں سے دنیا کو روشن کردیا۔

کبھی کبھی تو ان شخصیات کے بپا کردہ انقلاب کی روشنی نے پورے عالمِ انسانیت کو منوّر کردیا اور انسانی فکر میں ایک عظیم تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

درحقیقت یہی درخشاں چہرے ہیں جنہوں نے دنیا کی صورت بدل کر رکھ دی یہاں تک کہ ناتواں و ضعیف لوگوں کو بھی قوت و حوصلہ عطا کیا۔

ان حضرات کے برعکس دنیا میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جن کی سرگرمیاں اور فعالیت نہایت محدود و مختصر رہتی ہے۔ جو اپنی پوری زندگی گمنامی میں گزار کر بالآخر موت سے ہم آغوش ہوجاتے ہیں۔

ان دونوں طرح کی شخصیات کے درمیان تفاوت کی بنیاد ان کے باطن میں

Marfat.com

تلاش کرنی چاہئے۔ کیونکہ شخصیتوں کے درمیان فرق کا تعلق روح کی وسعت یا محدودیت اور انسان کی باطنی قوتوں کے پیمانے سے ہے۔

آیئے جائزہ لیں کہ دنیا میں رونما ہونے والے حوادث و واقعات اور شخصیات کے درمیان کیا ارتباط پایا جاتا ہے۔ کیا حوادث و انقلابات شخصیتوں کو جنم دیتے ہیں' یا ممتاز شخصیات انقلاب آفریں ہوتی ہیں؟

تجربہ سے ثابت ہے کہ معاشرہ فرد پر اور فرد معاشرہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔ باعبارت دیگر ماحول انسان کے لئے اور انسان ماحول کے واسطے موثر ہے۔ معاشرہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے فرد کا مطالعہ نہیں" کیا جاسکتا۔ لیکن یہ فرد ہی ہوتا ہے جو ماحول میں تغیّر لاتا ہے اور سماج کا چہرہ بدل کے رکھ دیتا ہے۔

سماجی و سیاسی انقلابات کا بنیادی عامل "ارادہ" ہے۔ خواہ یہ ارادہ فرد کا ہو یا اجتماع کا۔ لیکن فرد کی اہمیت اجتماع سے زیادہ ہے۔ کیونکہ فرد کی رہنمائی ہی میں اقوام سعادت بخش اور مطلوب ہدف کی جانب سفر کرتی ہیں اور سماج ایک تابندہ مستقبل سے ہمکنار ہوتا ہے۔

دستِ قدرت نے عقل کے فیصلوں کو جامہ ءعمل پہنانے کی خاطر ہمارے اندر "ارادہ" کی قوّت رکھی ہے۔ انسانی ارادہ وہ نقطہ ہے جسے ایک طرف سے لذائذ و خواہشات اپنی جانب جذب کرتے ہوئے اور دوسری طرف سے عقل و خرد اپنی کشش کے زور پر حدِّ اعتدال میں رکھتے ہیں۔ ضعفِ "ارادہ" ان دونوں کششوں کے عدمِ توازن کا نتیجہ ہے۔

ارادہ کی ناتوانی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان مکمل طور پر عزم و ارادہ کی قوّت سے عاری ہے بلکہ وہ اس بات پر مختار ہونے کے باوجود کہ حسبِ منشا کام

کرے اپنے ارادوں کو جامۂ عمل پہنانے کی قدرت نہیں رکھتا۔

بے شمار ایسے لوگ ہیں جن کی باطنی قوتوں میں کوئی نقص نہیں۔ نیز بہت وسیع امکانات بھی رکھتے ہیں لیکن بیش بہا مواقع اور استعداد رکھنے کے باوجود ان سے خاطر خواہ استفادہ نہیں کرپاتے۔ گو زندگی کے اعلیٰ مقاصد پر ان کی نگاہیں ہوتی ہیں لیکن ترقی کا زینہ طے کرنے کے لئے لازمی قوتِ ارادی سے محروم ہوتے ہیں۔ گویا اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ وہ سخت و پُرمشقت کام ان کے لئے کوئی اور انجام دے جو ارتقاء و بلندی پر پہنچنے کے وسیلے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے خود ہاتھ پاؤں نہ ماریں گے' خود فداکاری کا مظاہرہ نہ کریں گے تو پھر وہ آخر کس طرح اپنی آرزوؤں کی تکمیل چاہتے ہیں؟

کتنے ہی لوگ ہیں جو بے عیب اور مفید منصوبے بناتے ہیں لیکن انہیں اس کا کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا' ذہن میں کیسے کیسے عظیم اور عملی پروگرام ترتیب دیتے ہیں لیکن ان کے اجراء سے قاصر رہتے ہیں۔

ارادے کی کمزوری ناکامی کا سبب ہے

ارادہ کی سستی زندگی کے مختلف میدانوں میں انسان کی یقینی ناکامی کا سبب بنتی ہے۔ استعداد اور نبوغ دونوں میں سے کوئی بھی چیز محکم ارادہ کی جگہ نہیں لے سکتی۔ اگر انسان استعداد کا حامل بھی ہو اور وسائل و ذرائع بھی رکھتا ہو لیکن انہیں ہدفِ مطلوب کی راہ میں استعمال نہ کرے تو ان چیزوں کی موجودگی کا کیا فائدہ؟

Marfat.com

علم و دانش اس وقت تک کسی کام کے نہیں جب تک انسان اس سرمایہ کو ارادہ کی مدد کے ذریعہ ہدف کے حصول کی راہ میں کام میں نہ لائے۔ غور کیجئے اگر نوعِ انسانی عزم و ارادہ کی دولت سے تہیدست ہوتی تو اس کا کیا حال ہوتا؟ کرۂ ارض کی کیا شکل ہوتی؟ ترقی و تکامل کے قانون کا کیا بنتا؟

تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح و روشن ہے کہ انسان کے تمام انکشافات و ایجادات ایسے افراد کی قوتِ ارادی کے مرہونِ منت ہیں جنھوں نے انتھک جدوجہد اور عزمِ راسخ کے ساتھ موانع و مشکلات کو اپنے قدموں تلے روند کر نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔

جب "نپولین" نے خطرناک اور دشوار گزار پہاڑ "سن برنارڈ" عبور کرنے کا ارادہ کیا اور اس سلسلہ میں اپنے فوجی ماہرین سے مشورہ طلب کیا تو گہری سوچ بچار کے بعد سب ہی نے گھاٹی عبور کرنے کے نہایت ضعیف امکان کا اظہار کیا۔ ان کے اس خیال کے باوجود نپولین ایک عزمِ راسخ کے ساتھ اٹھا اور اپنی فوج کو وقت ضائع کئے بغیر آگے بڑھنے کا حکم دیا۔

جب انگلستان اور آسٹریلیا والوں کو فرانسیسی سپہ سالار کے اس ارادہ کا علم ہوا تو انہوں نے اسے ایک جنونی اور بے سوچے سمجھے اقدام سے تعبیر کیا۔ کیونکہ انہیں فوجی ساز و سامان' ساٹھ ہزار سپاہیوں اور بھاری توپخانہ کے ساتھ ان سربفلک چوٹیوں کو عبور کرنا ناممکن نظر آتا تھا۔ جب یہ کٹھن اور نہایت خطرناک مہم کامیابی کے ساتھ اپنے انجام کو پہنچی اور "نپولین" اپنے لشکر کے ساتھ ان بلند چوٹیوں کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگیا تو ایک گروہ نے اظہارِ خیال کیا کہ یہ کام کوئی خاص دشوار نہ تھا' بعض دوسرے لوگوں نے کہا کہ اگر

Marfat.com

اس سے پہلے ہمیں موقع ملتا تو بے شک ہم بھی کامیابی سے ہمکنار ہوتے۔

یقیناً اور دوسرے سپاہ سالار بھی نپولین کی مانند اس حیرت انگیز کارنامے کو انجام دینے کی قوت و استعداد رکھتے تھے لیکن ان میں "قوتِ ارادی" کا فقدان تھا۔ خوف و ہراس اور تذبذب کی بنا پر وہ مناسب موقع سے استفادہ نہ کرسکے اور بجائے آگے بڑھنے کے عقب نشینی پر مجبور ہوگئے۔ عزم بالجزم اور سریع اقدامات کی وجہ سے نپولین عظیم الشان کارنامے انجام دینے میں کامیاب ہوا۔

"نپولین" کے واقف کار لوگ اس کے روزمرّہ کاموں کا حجم دیکھ کر مبہوت رہ جاتے تھے۔ اس میں تھکے ماندے بے حال سپاہیوں میں جوشِ عمل اور ولولۂ تازہ پیدا کردینے کی صلاحیت تھی' بزدل ترین افراد میں روحِ شجاعت دوڑا دیتا تھا۔ بسا اوقات تو رات رات بھر جاگ کر موصولہ رپورٹوں کا جائزہ لیتا اور خطوط کے جوابات تحریر کرتا۔

کامیابی کسی لگے بندھے فارمولے پر عمل کے ذریعہ حاصل نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ معیّن ہدف کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ اس دنیا میں ایسے ہی لوگ صفِ اوّل میں قدم رکھ پاتے ہیں اور موانع و مشکلات کو عبور کرتے ہیں جن کی "قوتِ ارادی" مضبوط ہو اور تندیٔ بادِ مخالف سے نہ گھبراتے ہوں بلکہ اسے اونچی اڑان کے لئے وسیلہ سمجھتے ہوں۔ ایسے لوگوں پر کیسی ہی مصیبتیں آپڑیں یہ اپنے ارادوں سے باز نہیں رہتے' ان کی نظر میں شکست کامیابی کے ایک زینہ کی حیثیت رکھتی ہے' مشکلات و شدائد میں ان کی روح پروان چڑھتی ہے' ایسے ہی لوگ عمر کے خواہ کسی بھی مرحلہ میں ہوں عالم میں اپنے لئے ایک مقام پیدا کرسکتے ہیں۔

Marfat.com

مشکلات بیدار کرتی ہیں

یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض افراد جب تک دشواریوں اور کٹھن حالات سے دوچار نہ ہوں ان میں خفتہ صلاحیتیں بیدار نہیں ہوتیں۔ ایسا پودہ جو سخت پتھروں کے درمیان پروان چڑھا ہو اور جس نے نامساعد حالات سے سخت مقابلہ کے بعد مضبوط درخت کا روپ دھارا ہو وہ تباہ کن طوفانوں کے سامنے بھی ایستادہ رہتا ہے۔

ایک ماہرِ نفسیات کے بقول۔

"جوانوں کو یہ سبق دینا چاہئے کہ وہ اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے صاف ستھرے اور ہموار راستہ کی توقع نہ رکھیں۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو مایوس کردینے والی مشکلات جھیلے بغیر کسی مقام پر پہنچے ہوں۔ جب بھی ہم صحیح طریقے سے مشکلات کا مقابلہ کریں گے تو نہ صرف یہ کہ مشکلات ختم ہوجائیں گی بلکہ ہماری ترقی و پیشرفت میں ممدو معاون ثابت ہوں گی۔ کوئی مشق مشکلات پر قابو پانے کی کوششوں سے بڑھ کر مفید نہیں۔"

نفسیات دانوں نے ثابت کیا ہے کہ محض پینتیس فی صد افراد اپنی عمر سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حتیٰ ایسے لوگ جن کی سرگرمیاں قابلِ دید ہیں اور جو معاشرہ میں قابلِ توجہ مقام حاصل کرپاتے ہیں انہوں نے بھی اپنی زندگی کے صرف پچاس فیصد حصّے سے استفادہ کیا ہوتا ہے۔

بعض افراد کی زندگی میں ترقی کے ایک خاص درجہ پر پہنچ کر ٹھہراؤ آجاتا

ہے۔ وہ اپنی سرگرمیوں میں مزید وسعت دینے سے عاجز رہتے ہیں۔ ایسے لوگ انسانی قدر و قیمت کے اضافہ میں بنیادی کردار ادا کرنے والی خصوصیات سے بہت کم بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ ترقی و پیشرفت کے سلسلہ میں ان کی لیاقت محدود ہوتی ہے۔

تعالی و ترقی کے لئے انسان کا سب سے گرانمایا سرمایہ قوتِ ارادی ہے' انسان چاہے تو اس سرمائے سے ہاتھ دھولے اور چاہے تو اس میں مزید اضافہ کرلے۔

انسان کا ہر اقدام اس کے افکار و خیالات اور عزم و ارادہ کی پیداوار ہوتا ہے۔ اگر افکار و ارادہ بے اہمیت اور سبک ہوں تو حاصلِ کار بھی ناقابلِ توجہ اور بے قیمت ہوگا۔

ارادہ کی سستی کا شکار لوگ اپنے عزم و ارادہ کے سلسلے میں اس قدر متذبذب ہوتے ہیں کہ دوسروں کی جانب سے معمولی سی نکتہ چینی سنتے ہی اپنا ارادہ بدل ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ اپنے خیالات کے بارے میں شک و تردید اور دودلی میں مبتلا رہتے ہیں اپنی ذات کے آپ مالک نہیں ہوتے' ہر حال میں دوسروں کی پیروی کو ترجیح دیتے ہیں اور سوکھے پتوں کی مانند ہوا کے دوش پر سوار رہتے ہیں۔ قوتِ ارادی میں ضعف اور شک و شبہ شکست و ناکامی کے مترادف ہے۔

ایسے لوگ جو اپنے وقت کو جزئیات اور بے اہمیت موضوعات کی موشگافیوں میں تلف کردیتے ہیں نیز کوئی اقدام کئے بغیر محض اپنی مشکلات کے تجزیہ و تحلیل میں مصروف رہتے ہیں تو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی

Marfat.com

صلاحیتوں کو زنگ لگنے لگتا ہے اور کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوپاتے۔

کتنا ہی قیمتی وقت اور گرا نبہا صلاحیتیں ان بہانے بازیوں اور تذبذب کی بناء پر نابود ہو جاتی ہیں اور ایک کامیاب زندگی کو ناکام و نامراد زندگی میں بدل ڈالتی ہیں۔

جب انسان ایسی بے ہودہ اور فضول چیزوں کے زیرِ تسلط آجائے تو وہ کیونکر زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کر سکتا ہے؟

اب ذرا مذکورہ بالا صورتِ حال کے برعکس ذہن میں لایئے۔ ایسا شخص جسکے خیالات پختہ ہوں اور جو محکم عزم و ارادہ کا مالک ہو وہ کبھی موافق اور سازگار حالات کے انتظار میں اپنا وقت نہیں گنواتا۔ بلکہ اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے نکتہ چینی کرنے والوں کے اعتراضات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مسلسل اپنے مقصد کی جانب پیش قدمی جاری رکھتا ہے اور کوئی عامل اسے اپنی سوچی سمجھی راہ سے ہٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ایسا شخص اپنے ذہن میں آنے والے ہر مخالف خیال کو دُور جھٹک پھینکتا ہے۔ اسے دیکھ کر باآسانی کہا جاسکتا ہے کہ یہ آہنی ارادے کا مالک شخص ہے۔

مختصر یہ کہ عزم بالجزم کے بغیر کامیابی کا حصول ممکن نہیں کیونکہ کامیابی کا یقین کامیابی پالینے کے مترادف ہے اور کامیابی انہی لوگوں کے قدم چومتی ہے جو اس کے حصول کے متمنی ہوں۔

بہت سے ایسے لوگ بھی دیکھنے میں آتے ہیں جو عزم و ارادہ کی کمی کے باعث کاموں کو ادھورا چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ مثلاً اگر انہیں کسی کام میں فائدہ نظر آئے تو ایک مدّت تک ذوق و شوق سے اس کام میں مشغول رہتے ہیں لیکن

Marfat.com

جوں ہی انہیں اس کام میں دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے ان کا سارا ذوق و شوق جاتا رہتا ہے۔ سرد مہری طاری ہو جاتی ہے اور پھر فوراً کسی ایسے کام میں کود پڑتے ہیں جس میں اس وقت انہیں دوسرے لوگ کامیاب نظر آ رہے ہوں۔

اس طرح یہ لوگ ساری عمر تردد و تزلزل میں گزار دیتے ہیں، کبھی یکسوئی کے ساتھ ایک کام انجام نہیں دیتے بلکہ ہمیشہ اپنا کام اور پیشہ بدلتے رہتے ہیں۔

یہ لوگ پیشہ کے انتخاب کے موقع پر عقل و خرد اور قوتِ فیصلہ کو کام میں نہیں لاتے۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان پر دوسروں کی کامیابی کا راز منکشف ہو گا اور وہ زندگی میں اپنے کئے ہوئے کاموں کے نتائج کا جائزہ لے سکیں گے۔ جب ان کی عمر ڈھلنے لگتی ہے تو یک بیک انہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ساری زندگی پیشہ اختیار کرنے اور اسے ترک کرنے میں گزار دی ہے۔

ارادہ کی سستی کے حامل شخص کی ایک مشکل یہ ہے کہ وہ ہمیشہ ہوا و ہوس کی دستبرد کا شکار رہتا ہے۔ ممکن ہے وہ صحیح راہ کی تشخیص میں کامیابی کے باوجود کجی اور منحرف راہ اختیار کر لے۔ جوں ہی ہوس اسے اپنی اختیار کردہ راہ ترک کرنے پر اکساتی ہے وہ فوراً اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ ناگہانی طور پر پیش آنے والا کوئی معمولی سا واقعہ بھی اس بات کے لئے کافی ہوتا ہے کہ اسے عاجز و ناتواں کر دے اور وہ راستے ہی میں تھک کر بیٹھ جائے۔

ہوس اور قبیح خواہشات سے مقابلہ کے لئے بھی قوتِ ارادی کی ضرورت واضح ہے۔ ارادہ سے صحیح اور پسندیدہ نتیجہ حاصل کرنے کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ ارادہ عقل کے تابع ہو۔ ایک ایسا ارادہ جس کی بنیاد عقل و وجدان ہو ایسے ارادہ سے یکسر مختلف ہوتا ہے جو نخوت اور خود پرستی کا نتیجہ ہو۔ ان میں

Marfat.com

سے اوّل الذکر انسان کی سعادت و خوش بختی کا موجب ہے اور ثانی الذکر بد بختی اور سقوط کا۔

ایسا شخص جو اپنی حسِ خود پرستی کی تسکین کے لئے اپنے ارادہ کو ہر قسم کے قبیح اور خلافِ انسانیت اعمال کے ارتکاب کے سلسلہ میں کام میں لاتا ہے درحقیقت مردانگی سے محروم اور ہوائے نفس کی قید کا اسیر ہے۔ تاریخِ بشریت میں ایسے بے لگام ارادہ کے ذریعہ رونما ہونے والے شرمناک حادثات کے بدنما داغ بکثرت دیکھے جاسکتے ہیں۔

ایسا شخص جو معمولی مشکلات آپڑنے پر خودکشی کی راہ اختیار کرتا ہے ضعفِ عقل کا شکار اور شجاعت و مردانگی کی روح سے عاری ہے۔ کیونکہ اس نے زندگی میں درپیش مشکلات کے انبوہِ کثیر میں سے صرف ایک مشکل کے سامنے ضعف و ناتوانی کے گھٹنے ٹیک دیئے اور اپنے اس عمل سے اپنی حقارت اور پستی کی سند پر مُہرِ تصدیق ثبت کردی۔

انسانی صلاحیتوں کی وسعت

اس کائنات کے ہر وجود پر لازم ہے کہ وہ اپنی نشو و نما کے لئے متعیّن شدہ راستے پر حرکت کرتے ہوئے کمال کے مراحل کو طے کرے تاکہ قابلیت و استعداد کے بلند ترین مقام پر پہنچ سکے۔ انسان بھی اس عمومی قانون سے مستثنیٰ نہیں۔

نوعِ بشر کو درپیش بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ انسان آدمیت کے اوجِ کمال تک رسائی اور بلند ترین درجات کے حصول کے لئے

اپنے گوہرِ وجود کی کس طرح پرورش کرے۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے تو اسے اپنے وجود میں رکھی گئی استعدادوں اور وسیع امکانات سے آگہی حاصل کرنا چاہئے اور یہ جاننا چاہئے کہ وہ ان عظیم نعمتوں کی ملکیت کا سب سے زیادہ حقدار ہے جنہیں خداوندِ عالم نے بغیر کسی جدوجہد کے یوں ہی اسے عطا کردیا ہے۔ اس طرح اس میں اپنی ذات پر اعتماد قوی ہوگا اور اس کے وجود میں پوشیدہ صلاحیتیں بیدار اور روبہ عمل آئیں گی۔ یہی وہ صلاحیتیں ہیں جن میں اس کی تعالی و نمو کی کافی استعداد پائی جاتی ہے۔

اکثر افراد اس وجہ سے اپنی ذات پر عدم اعتماد کا شکار نہیں ہوتے کہ ان کے پاس امکانات کا فقدان ہے بلکہ اس عدم اعتماد کی اصل وجہ ان کا خود اپنے آپ کو نہ پہچاننا ہے۔ بارہا یہ اتفاق ہوتا ہے کہ بعض افراد کے ذہنوں میں گراں قدر علمی آراء و نظریات جنم لیتے ہیں لیکن وہ اپنی ذات اور استعداد پر عدم اعتماد کی وجہ سے ان کا اظہار نہیں کرپاتے۔

تردد و تذبذب اور شکست کا خوف کمزوری کی علامت ہے۔ اسی بے اعتمادی نے نہ جانے کتنے تخلیقی و زرخیز اذہان اور کتنے ہی نادر افکار و تخیلات کو خاکستر کردیا ہوگا۔

جب انسان اس حقیقت سے آگاہ ہوتا ہے کہ ہر کوشش و فعالیت کے نتیجہ میں اس کے ہاتھ ایک ایسی نئی طاقت آتی ہے جو اس سے قبل اس کے تصور میں بھی نہ تھی اور اسے معلوم بھی نہ تھا کہ وہ ایک ایسے عظیم سرمایہ کا مالک ہے۔ تو یہ تجلی اس کی ترقی کی راہوں کے مزید ہموار ہونے کا سبب بنتی ہے اور انسان مزید صلاحیتوں کے حصول پر کمربستہ ہوجاتا ہے۔

Marfat.com

پس جو شخص اس بات کا متمنی ہے کہ اپنی زندگی سے زیادہ سے زیادہ
ستفادہ کرے اور ہر موقع سے فائدہ اٹھائے اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے
پنے اندر خود اعتمادی اور قوتِ ارادی پیدا کرے اور پھر ان کی تقویت و نشوونما
ا سامان کرے۔

پروفیسر کارل کہتا ہے کہ۔

"زندگی کی سلامتی کے لئے محض اس کی حفاظت ہی کافی نہیں۔ بلکہ (اس مقصد کے لئے) زندگی کو وسیع' عمیق' فعال اور باقدر و قیمت بنانے کی ضرورت ہے۔ یعنی جسمانی اور روحانی شدّت' کیفیت اور کمیت میں اضافہ کرنا چاہئے۔ صرف اور صرف قوّت و قدرت کے ذریعہ بلند رتبہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ہمیں جس قوّت کی ضرورت ہے وہ کسی کھلاڑی جیسی جسمانی طاقت' زاہدِ مرتاض جیسی روحانی قوّت اور ایک فلسفی و دانشور جیسی فکری صلاحیت کی مانند نہیں۔

ہم جس قوّت کے متمنی ہیں وہ ہماری روحانی اور جسمانی مقاومت و ہم آہنگی ہے۔ مثلاً تھکاوٹ' بھوک' بے خوابی' رنج و غم برداشت کرنے کی صلاحیت اور ارادہ' امید' عمل' ناقابلِ شکست جسمانی اور روحانی استحکام اور ایسی خوشی جو ہمارے پورے وجود پر چھا جائے۔

اس قوّت کو کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے؟ اس کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے روزانہ متواتر اور متوازن کوشش۔ یعنی پورے جسمانی نظام کی غیرارادی کوشش اور ہوش و شعور کی ارادی سعی۔ ہمیں روزانہ ریاضت کرتے ہوئے رفتہ رفتہ سیکھنا چاہئے کہ زندگی

Marfat.com

میں کیونکر نظم و ضبط برقرار کیا جاسکتا ہے کس طرح اصولوں کی پیروی کی جاسکتی ہے اور اپنے نفس کا مالک ہوا جاسکتا ہے۔

اسی طرح مسلسل مشق و ریاضت کے ذریعہ جذبات' غصہ' بے رغبتی' غرور اور سکوتِ ہستی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔ یہ مشق تمام باشعور لوگوں کے لئے ضروری ہے۔ ہمارے یہاں رائج تعلیم و تربیت کی بڑی خرابی اس تربیت کو فراموش کردینا ہے۔ ارادہ کی دخالت کے بغیر قوت و استعداد میں اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔"

(راہ و رسمِ زندگی۔ ص۸۷)

بعض لوگ ایک درخشاں زندگی کی صحیح قیمت ادا کرنا نہیں چاہتے۔ وہ اس کے حصول کے لئے ہمیشہ ایک سادہ اور سریع وسیلہ کی تلاش میں رہتے ہیں ہر چند انہیں اس کے نتائج و محصولات ناچیز اور کم قیمت ہی کیوں نہ حاصل ہوں۔

یہ لوگ ایسی جدوجہد سے اعراض کرتے ہیں جو ان کی زندگی کو پُر افتخار اور درخشاں بنا سکتی ہے۔ ایسی ذمہ داریوں سے سخت گریز کرتے ہیں جو ان کی تہذیبِ نفس اور روح کی پاکیزگی کے سلسلہ میں بنیادی کردار رکھتی ہیں' ان کی فکر و سوچ میں وسعت کا سبب ہوتی ہیں اور ان کی توفیقات کا میدان ہموار کرتی ہیں۔

لیکن ایسا شخص جس نے خود کو گوناگوں ذمہ داریوں کے لئے تیار کیا ہو بے شک نہایت زیرک ہوجاتا ہے کیونکہ وہ وسیع فضا میں پرواز کا اہل ہوتا ہے اور اعلیٰ مدارج کو یکے بعد دیگرے طے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس کا مقام و مرتبہ ان لوگوں سے بہتر و بلند ہوتا ہے جنہوں نے اپنی زندگی کا محور معمولی اور

چھوٹی چھوٹی ذمہ داریوں کو قرار دیا ہو۔ انسان جس قدر بلند پروازی کا اہل ہوگا اسی قدر اس میں ہدف حاصل کرنے کی صلاحیت ہوگی اور یہ امر مقصد پر اس کے ایمان اور اس کے حصول کے لئے اس کی جہد و کوشش سے وابستہ ہے۔

کامیابی اور خوش بختی تک پہنچنے کے لئے صرف خوب و بد کا ادراک اور حسنات و سیئات کی تشخیص ہی کافی نہیں۔ بلکہ جو چیز انتہائی اہمیت کی حامل ہے وہ زندگی میں قوتِ عمل کا پایا جانا ہے۔

ممکن ہے ایک فرد مکمل طور پر خوبی و بدی کو پہچانتا ہو اور خود کو ان وظائف و ذمہ داریوں کے سلسلہ میں مسئول سمجھتا ہو جنہوں نے اسے گھیرا ہوا ہے۔ نیز ان کو انجام دینے کی پابندی کا گہرا احساس بھی رکھتا ہو لیکن ان وظائف اور اپنی خواہشات کی انجام دہی کی قدرت و ارادہ کا مالک نہ ہو۔

ہر فرد کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ مسلسل اور ہمیشہ اپنی اعمال پر نظر رکھے اپنے وجود میں ثمر بخش صلاحیتوں کو تقویت پہنچائے اور عظیم و مثبت قوتوں کو نابود کردینے والے عوامل سے پرہیز کرے تاکہ بوقتِ ضرورت اپنی قوتِ ارادی پر بھروسہ اس کی ثانوی عادت بن جائے۔ کیونکہ یہ قوتِ ارادی ہی ہے جو زندگی میں درپیش حساس لحات میں فیصلہ کے موقع پر (کہ جب ممکن ہے معمولی سی سستی بھی ہولناک خطرات و نقصانات کا موجب ہو) ہمارے قدموں کو محکم رکھتی ہے اور لغزش و سقوط سے بچاتی ہے۔

اس کے علاوہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے کاموں کے آغاز سے قبل ان کے نتائج اور مختلف پہلوؤں کا جائزہ لے۔ اگر اس نے اس کے برخلاف کیا تو اس کی حالت اس شخص کی سی ہوجائے گی جو بغیر قطب نما کے

سمندر میں کشتی رانی کررہا ہو۔ زندگی کی کشتی کو بغیر قطب نما کے اقیانوسِ حیات میں اتارنا بہت بڑی حماقت ہے۔ انسان کو جاننا چاہئے کہ وہ کس منزل کی جانب گامزن ہے اور اس کے عمل و اقدام کا حاصل کیا ہے۔

اسلام کی نظر میں مسئولیت کی بنیاد

اسلام میں وظائف و ذمہ داریوں کی بنیاد اور تمام امورِ بشر کا محور "ارادہ" کو قرار دیا گیا ہے۔ اور یہی وہ حد ہے جو انسان کو دوسرے حیوانات سے جدا کرتی ہے۔ انسان اسی ارادہ کے بل بوتے پر خواہشاتِ نفسانی کی تند موجوں کا مقابلہ کرتا ہے' ناگوار حوادث کے مقابل ڈٹ جاتا ہے اور اپنی قوتوں کو مصلحتوں کے مطابق استعمال کرتا ہے۔ مختصر یہ کہ وہی انسان آزاد کہلانے کا مستحق ہے جو اپنے نفس پر مسلط اور کمالِ واقعی کا حامل ہو۔

اسلام کی طرف سے عطا کردہ انسان اور حیوان کے درمیان تمیز کا یہ معیار عین حقیقت پر مبنی ہے۔ کیونکہ بے ارادہ انسان تو اصولاً انسان کہلائے جانے کا مستحق ہی نہیں۔

اسلام انسانی فطرت' اس کی متنوع صلاحیتوں اور اس کے وجود کے مرکبات سے لاعلم نہیں۔ دین انسان کو حیوانی سطح سے بلند ہو کر اوجِ انسانی کے حصول کی دعوت دیتا ہے اور اس سے تقاضا کرتا ہے کہ اپنی صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق ممکنہ حدِ کمال تک رسائی حاصل کرے۔

ایسا شخص جو انسانی امتیاز کے بنیادی معیار کو کھو بیٹھے اور اپنے آپ کو مخرّب باطنی خواہشات کے سپرد کردے اس کی باطنی قوتیں پاش پاش اور اس کی

فکر صدمات میں مبتلا ہو جائے گی جس کے نتیجہ میں وہ زندگی کے واقعی ہدف کے حصول میں ناکام رہے گا۔

نفس کی ریاضت آغاز میں ایک مشکل کام نظر آتی ہے لیکن تھوڑی تھوڑی مشق کے بعد رفتہ رفتہ یہ مشکل ختم ہو جاتی ہے اور انسان کے لئے گوناگوں فرائض انجام دینے کی راہ کھل جاتی ہے۔

" ارادہ" جو زندگی میں ترقی کا ضامن اور ارتقاء و پیشرفت کا وسیلہ ہے جب ایثار و فداکاری اور اخلاص کی راہ میں ہر لطیف احساس اور مہذب سلوک سے استفادہ کرتا ہے تو انسان کی عظمت میں شمار ہونے لگتا ہے اور اس روح کے ساتھ انسان جس کسی میدان میں بھی قدم رکھتا ہے حیرت انگیز کامیابیاں اس کی منتظر ہوتی ہیں۔

اسلام کے تہذیبی دستور العمل سے بہرہ ور ہونے والے افراد اپنے اندرونی محرّکات سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ باطنی محرّکات انہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے اپنے ارادہ کو کام میں لانے پر ابھارتے ہیں۔ نفسیات کی رو سے بھی "ارادہ" اس محرّک کا نتیجہ ہے جس کی کشش مثبت اور بہت قوی ہے۔

" مان" لکھتا ہے کہ۔

"عام طور پر جس چیز کو "قوتِ ارادی" کہا جاتا ہے وہ نفسیات دانوں کی نظر میں محرّکات کی نسبی قوت ہے۔ کسی بھی مسئلہ میں عزم و ارادہ اسی محرّک کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم ہر مسئلہ کا وہ حل منتخب کرتے ہیں جو ہمارے فطری میلانات اور سابقہ تجربات کے لحاظ

Marfat.com

سے ہمارے محرّکات کی زیادہ تشفّی کاباعث ہو۔

مثال کے طور پر ایک جاپانی سپاہی کو کسی جنگ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا اور دشمن کی فوج سے مقابلہ اسے فضول محسوس ہوا۔ اب اس کے سامنے دو ہی راہیں تھیں۔ ایک یہ کہ دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال کر اپنی جان بچالے لیکن بچپن ہی سے اسے یہ بتایا گیا تھا کہ کسی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا مطلب خود اپنی' دوسروں کی اور اپنے اجداد (جو اس کے عقیدہ کے مطابق اسے دیکھ رہے ہیں) کی نظروں میں اپنی شخصیت کھودینے کے مترادف ہے۔ اس کے پاس دوسری راہ یہ تھی کہ خود اپنے آپ کو ختم کرلے اور اس کے نتیجہ میں جس حیاتِ بعد از موت کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں عظمت و بزرگی سے ہمکنار ہو جائے۔ یہی وہ سبب ہے جس کی بناء پر وہ خودکشی کو ترجیح دیتا ہے۔

کیونکہ ہماری تربیت اس جاپانی سے مختلف انداز میں ہوئی ہے اس لئے ہم اس کے طرزِ تفکر سے صحیح طریقہ پر واقف نہیں ہوسکتے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہر ایسا شخص جو ان عوامل کے تابع ہو وہی کام کرے گا جو اس جاپانی سپاہی نے کیا۔" (اصولِ روان شناسی - ص ۱۴۵)

ارادہ کی تکیہ گاہ

خود "قوتِ ارادی" بھی ایک محکم و استوار تکیہ گاہ کی محتاج ہے۔ "ارادہ" کی یہ مضبوط تکیہ گاہ "ایمان" ہے۔ "ایمان" و "ارادہ" ایک دوسرے

کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ اگر انسان حاملِ ایمان ہو لیکن اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ارادہ سے مدد نہ لے اور حرکت و فعالیت کا مظاہرہ نہ کرے تو ہرگز اپنا ہدفِ مطلوب حاصل نہ کرسکے گا۔ کیونکہ ہر کسی کی کامیابی کا دار و مدار سعی و کاوش پر ہے۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ۔

"وان لیس للانسان الا ماسعیٰ"

"اور انسان کے لئے اتنا ہی ہے جتنی اس نے کوشش کی ہے۔"

(سورۂ نجم ۵۳۔ آیت ۳۹)

دوسری طرف اگر انسان قوتِ ارادی کا تو مالک ہو لیکن قوتِ ایمانی نہ رکھتا ہو تو اس وقت تک تو کوششوں میں مصروف رہے گا جب تک اسے کوئی ایک راستہ بھی کھلا ہوا نظر آرہا ہو۔ لیکن جب اسے اپنے سامنے فطری عوامل و اسباب کی راہیں مسدود نظر آئیں گی اور ناقابلِ حل موانع و مشکلات کا سامنا ہوگا تو اسکے باطن میں روشن امید و آرزو کی شمع گُل ہوجائے گی۔

ایسے حالات میں ایک قدرتِ لایزال پر ایمان کے سوا کوئی دوسرا عامل اسے اضطراب و پریشانی سے نجات نہیں دلاسکتا۔ مردِ باایمان زندگی کے سخت ترین لمحات اور کٹھن حالات میں خداوندِ عالم پر بھروسہ رکھتا ہے۔ اس کی روح میں روشن امید کی شمع کسی صورت خاموش نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی مشکلات کے حل کے لئے خداوندِ عالم کے بے پایاں الطاف و عنایات کا طلبگار رہتا ہے۔

خداوندِ عالم پیغمبرِ اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتا ہے کہ کسی کام کا پختہ عزم کرلینے کے بعد خداوندِ عالم کی لازوال قدرت پر

Marfat.com

بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کے لئے جان توڑ کوشش کیجئے۔

"فاذا عزمت فتوکل علی اللہ"

"اور جب ارادہ کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔"

(سورۂ آلِ عمران ۳- آیت ۱۵۹)

اگر آپ کسی کام میں منہمک شخص کے ارادہ کو کمزور کرنا چاہتے ہیں تو اس کام کے بارے میں اس کے ایمان کو متزلزل کردینا کافی ہے۔

اگر انسان اس حقیقت کو پالے اور یہ عقیدہ رکھے کہ وہ جو سعی و کاوش بھی کرتا ہے وہ کائنات کے حاکمِ مطلق خداوندِ مقتدر کی طرف سے تقویت پاتی ہے اور مسلسل جدوجہد کرتے ہوئے منزلِ مقصود کی جانب گامزن رہے تو اس طرح گویا کامیابی کا بنیادی منبع اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اس عقیدہ کے ساتھ اپنے منتخب کردہ میدانِ عمل میں ان تمام موانع و مشکلات پر غلبہ حاصل کرلے گا جو دوسروں کی راہ کا پتھر ثابت ہوتے ہیں۔

ہم نے تاریخ کے مطالعہ کے بعد یہ حقیقت دریافت کی ہے کہ وہ لوگ جو عزمِ استوار اور بلند ہمتی کے ذریعہ بشریت کی ترقی و سعادت میں معاون ثابت ہوئے ہیں اور جنھوں نے قوموں کی ترقی و پیشرفت کے لئے کسی قسم کی کوششوں اور مجاہدت سے دریغ نہیں کیا بلکہ سختیوں اور ظلم کے سیلابِ بلاخیز میں اپنا راستہ بنایا ہے ان میں سرِفہرست انبیاء الٰہی اور خداوندِ عالم کے برگزیدہ بندے تھے۔

انسانیت کی نجات اور مقدس مقصد کے واسطے اس گروہ کی شہامت و شجاعت، پیہم جدوجہد اور محکم ارادہ عموماً پوری نوعِ بشر اور خصوصاً خود ان

Marfat.com

مردانِ حق کے پیروکاروں کے لئے منارۂ ہدایت ہے۔

حضرت علیؑ جو خود ناقابلِ شکست شخصیتوں کا ایک کامل نمونہ ہیں اپنے ایک گرانبہا قول میں فرماتے ہیں کہ۔

"واللہ لو تظاہرت العرب علی قتالی ماولیت عنہا"

"خدا کی قسم اگر تمام عرب بھی میرے خلاف جنگ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں تب بھی میں میدانِ جہاد سے منہ نہ موڑوں گا۔"

(بحار الانوار۔ج۱۵۔ص۹۴)

خطبہ ہمام میں فرماتے ہیں کہ۔

"یا ھمام! المؤمن نفسہ اصلب من الصلد"

"اے ہمام! مومن کا نفس سخت پتھر سے بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔"

(نہج البلاغہ۔خطبہ ۱۹۱)

جنگِ جمل میں جب عہد توڑنے والی فوجوں سے آمنا سامنا ہوا تو حضرت علی علیہ السلام نے اپنے لشکر کا علَم اپنے فرزند محمد حنیفہ کے سپرد کیا اور چند جملات کے ذریعہ ان کی ہمت بلند کی اور انہیں ان الفاظ میں پامردی کا درس دیا کہ۔

"تزول الجبال ولا تزل' عز علی ناجزک اعر اللہ جمجمتک تدفی الارض قدمک ارم ببصرک اقصی القوم و غض بصرک و اعلم ان النصر من عنداللہ سبحانہ"

Marfat.com

''پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا' اپنے دانتوں کو بھینچ لینا۔ اپنا کاسہ سر اللہ کو عاریت دے دینا۔ اپنے قدم زمین میں گاڑ دینا۔ لشکر کی آخری صفوں پر اپنی نظر رکھنا اور (دشمن کی کثرت و طاقت سے) آنکھوں کو بند کرلینا اور یقین رکھنا کہ مدد خدا ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔''(نہج البلاغہ خطبہ نمبر۱۱)

۶۔عزم بالجزم ہی کامیابی کا راز ہے

مشکل حالات میں ممکن ہے صرف کسی ایک فرد کا عزمِ صمیم حالات کے رخ کو بدل ڈالے اور لوگوں کی حیرت انگیز جنبش و حرکت کا سبب بن جائے۔ ہدف کی راہ میں ایسے ہی لوگوں کی پامردی مشکلات کے کوہِ گراں کو پاش پاش کرڈالتی ہے۔ ایسے ہی لوگوں کی بے باکی اور سُرعتِ عمل خطرناک بحرانوں سے نجات کا موجب ہوتی ہے------ اس کے برعکس کسی کا معمولی سا تزلزل اور تھوڑی سی تاخیر خود اس کی اپنی اور اس سے وابستہ دوسرے افراد کی تباہی و نابودی کا سبب بن سکتی ہے۔

افریقہ کے لئے اسلامی فوج کے کمانڈر انچیف ''موسیٰ بن نصیر'' نے اپنے ایک غلام ''طارق بن زیاد'' کو اس ہدایت کے ساتھ اسپانیہ کی سمت روانہ کیا کہ وہاں دشمن کی طاقت کا جائزہ لے کر اسے مطلع کرے۔

''طارق بن زیاد'' ایک چھوٹے سے لشکر کے ہمراہ مقررہ مقام پر پہنچا۔ جب اس نے وہاں پہنچ کر دشمن کا جائزہ لیا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر فوراً حملہ کردیا جائے تو دشمن کو باآسانی زیر کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر اس صورتِ حال کی

Marfat.com

رپورٹ سپہ سالار کو بھیجی اور اس کے فرمان کا انتظار کیا تو اتنی تاخیر ہو سکتی ہے کہ دشمن ہوشیار ہو جائے گا۔۔۔۔۔۔ یہی فیصلہ کا لمحہ ہے!!!

اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ جن کشتیوں پر سوار ہو کر ہم یہاں پہنچے ہیں انہیں جلا ڈالو۔ کچھ ہی دیر میں تمام کشتیاں جل کے خاکستر ہو گئیں۔ اب طارق کی سپاہ کے پاس واپسی کی کوئی راہ نہیں رہی۔ یہ منظر دیکھ کر کچھ لوگوں نے طارق کے اس اقدام پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ جب اسے یہ اطلاع ملی تو اس نے کہا۔

"مردِ مسلمان ایک پرندہ کی مانند کسی خاص گھونسلے میں محدود نہیں رہتا۔"

پھر طارق اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے لشکر کے روبرو ایک پُرجوش خطاب کیا۔ اس نے کہا۔

"اے لوگو! تمہاری پشت پر سمندر کی بپھری ہوئی موجیں ہیں اور سامنے طاقتور دشمن' ایسا دشمن جس کے پاس سامانِ حرب اور روز مرّہ استعمال کی اشیاء کی کوئی کمی نہیں۔ اس کے برعکس تم خالی ہاتھ ہو۔ تمہارے پاس آہنی عزم و ارادے اور کمر میں لٹکی ہوئی ان تلواروں کے سوا کچھ نہیں۔۔۔۔۔ آگے بڑھو اور دشمن پر ٹوٹ پڑو۔"

طارق بن زیاد کے ان پُرجوش کلمات اور آتشیں خطاب نے مسلمان فوجوں کو ایک عزمِ راسخ اور ولولۂ تازہ عطا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے اس جوانمردی سے جنگ کی کہ مکمل کامیابی کے حصول تک چین سے نہ بیٹھے۔

Marfat.com

تلقین بہ نفس

ہدف کے حصول کی راہ میں ارادہ کو تقویت پہنچانے کا ایک ذریعہ اپنے نفس کو تلقین کرتے رہنا ہے۔ عالی اور بلند آرزوں اور زندگی کے روشن افق پر نگاہیں گاڑے رکھنا اس بات کا سبب بنتا ہے کہ انسان ان اہداف تک رسائی کے لئے مسلسل جدوجہد میں مصروف رہتا ہے۔

مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"تنافسوا فی الاخلاق الرغیبة والا حلام العظیمة والاخطار الجلیلة یعظم لکم الجزاء"

"شائستہ صفات و خصائل، اچھے کاموں اور بڑے کارناموں کی آرزو کرو کیونکہ اس طرح تمہیں ان کی عظیم پاداش اور حیرت انگیز نتائج حاصل ہوں گے۔" (غرر الحکم ص ۳۵۵)

"بیگلو" کہتا ہے کہ۔

"جب تک آپ کے ذہن میں یہ خیال رہے گا کہ یہ کام نہیں کر سکتا، مجھ میں صلاحیت نہیں اس وقت تک آپ کی کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔ ایسی صورت میں اگر آپ بہترین صلاحیتوں کے مالک بھی ہوں گے تو وہ بھی ضائع چلی جائیں گی۔ اس کے برخلاف ایک ایسا شخص جس کی صلاحیتیں متوسط درجے کی ہوں لیکن اسے اپنی کامیابی کا یقین ہو تو وہ کامیاب رہے گا۔ کیونکہ وہ اپنی آرزوں کی تکمیل کی خاطر کی جانے والی مسلسل جدوجہد کے ضمن میں وہ صفات اپنے اندر پیدا

Marfat.com

کرنے میں کامیاب ہو جائے گا جو کامیابی کے لئے ضروری ہیں۔

وہ شخص اس بناء پر کامیاب رہے گا کیونکہ اسے اپنی ترقی و پیش رفت پر اطمینان ہے۔ دوسروں لی ناکامی اس کے قدموں میں لغزش پیدا نہ کرسکے گی۔ وہ اپنے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے کام کا آغاز کرے گا۔ یقین جانئے وہ دوسروں کے تصوّر سے کہیں زیادہ جلد اور بہتر انداز میں ترقی کے مدارج طے کرے گا۔

اپنے اندر جرات پیدا کرنے کی خاطر تذبذب کو خود سے دور کیجئے۔

ممکن ہے کچھ لوگ احتیاطاً یا آپ کی خیرخواہی میں آپ کی توانائیوں کے سلسلہ میں شک و تردد کا اظہار کریں۔

کیا آپ خود ان لوگوں کی پیش گوئیوں کے بارے میں شک و شبہ کا شکار نہیں؟

کیا آپ ہر کس و ناکس کو اس بات کی اجازت دیں گے کہ وہ جو چاہے آپ کو نصیحت کرے؟

دوسروں کی گفتگو گوشِ ہوش سے سنئے اور اپنی جرات و استقامت میں اضافہ جاری رکھئے۔ جو لوگ اس انمول صفت کے مالک ہیں۔ ان کو دیکھئے ان کا جائزہ لیجئے۔

جب کبھی آزمائشوں کا سامنا ہو تو اس نصیحت کو ذہن میں دُہرایئے کہ "میں چاہتا ہوں اور میں کرسکتا ہوں۔"

اگر کسی ایسے اہم اور بڑے کام کا ارادہ ہے جس کی انجام دہی کے دوران آنے والی مشکلات سے بھی آپ اچھی طرح واقف ہیں تو

Marfat.com

اپنے ذہن میں یہ خیال لایئے کہ میں اپنی استعداد میں اس قدر اضافہ کرسکتا ہوں کہ یہ کام میرے لئے معمولی ہوجائے گا۔"

(تلقین بہ نفس۔ص ۱۱۳-۱۱۲)

جس طرح برے فال نکالنا انسان کو رنجیدہ و پریشان کردیتا ہے اسی طرح نیک فال ہمت بلند کرنے اور ارادہ کو قوی کردینے والی چیز ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"تفال بالخیر تنجح"

"نیک فال نکالو تاکہ رفع مشکلات کی راہ کھل جائے۔"

(غررالحکم۔ص ۳۶۷)

بارھواں باب

دوستوں کے انتخاب میں احتیاط

دوستی اور نفسیاتی سکون ______ ۴۳۸

ہم نشینی کا حقیقی معیار ______ ۴۴۲

حساسیت اور تنگ مزاجی ______ ۴۴۳

بدکرداروں کی صحبت سے بچئے ______ ۴۴۸

بدکاروں کی آزمائش ______ ۴۵۳

دوستی کرتے ہوئے احتیاط و ہوشیاری ______ ۴۶۴

تظاہر و ریاکاری ______ ۴۶۷

گوشہ نشینی ______ ۴۷۱

کتاب ایک انمول دوست ______ ۴۷۳

دوستی اور نفسیاتی سکون

انسانی شخصیت پر سماجی ماحول کی تاثیر و نفوذ کا مسئلہ تربیت کے بنیادی مباحث میں سے ہے اور ہمیشہ علماء اخلاق کی خاص توجہ کا مرکز رہا ہے۔ انسان عام طور پر اپنے ہم نوعوں کے ساتھ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے اور اس کی روحانی و نفسیاتی حیات کے تار و پود معاشرہ سے مل کر تشکیل پاتے ہیں۔ بنا برایں اس کی شخصیت اور اخلاق کی تعمیر میں معاشرہ کے کردار سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ انسان اپنے ہم نوعوں سے ربط و تعلق قطع کرکے گوشۂ عزلت اختیار کرنے سے عاجز ہے کیونکہ تنہائی کی وحشت اس کی زندگی کو غم ناک و بے مزہ کردیتی ہے اور اس کی روح گھٹن محسوس کرنے لگتی ہے۔

اگر کسی سے ہمارا رشتۂ مودت برقرار نہ ہو اور ہم یہ محسوس کریں کہ کوئی دل ہمارے لئے نہیں دھڑکتا تو ہم آشفتگی اور اضطراب میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ہمارے وجود کا آسمان تیرہ و تار ہو جاتا ہے۔

جس طرح ہمارا بدن کھانے پینے کی مختلف اشیاء سے غذائیت حاصل کرتا ہے اور اپنی قوت و طاقت میں اضافہ کرتا ہے بالکل اسی طرح روح بھی دوستوں کی ہم نشینی سے کبھی تو کسبِ فضائل کرتی ہے اور کبھی مختلف برائیوں سے آلودہ

Marfat.com

ہو جاتی ہے۔

ہر شخص کو زندگی بسر کرنے کے لئے اپنی اختیار کردہ راہ و رَوِش دل و جان سے عزیز ہوتی ہے۔ نیز اس کی تمنا ہوتی ہے کہ جس قدر ہو سکے دوسروں کو بھی یہی راہ اپنانے پر آمادہ کرے اور ایک ایسا ماحول ایجاد کرے جس میں سب اسی طُرُق و رَوِش پر گامزن ہوں' حتیٰ وہ کائنات کے بارے میں نظریات تراش کر اپنے طرزِ تفکر کو عالمی بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کی انتہائی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی اختیا. کردہ رُوِش اور طرزِ تفکر کی صحت و ثبوت کے لئے دلائل وضع کرے۔ اپنے نظریات سے شدید وابستگی ان کی مخالفت کو اس کے لئے ناگوار اور ناقابلِ برداشت بنا دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحبت اختیار کرنے اور اپنے ہم نشین چننے کا مسئلہ اور اس کے حدود کی شناخت ہماری سعادت و کامیابی سے گہرا ربط رکھتی ہے۔

بعض دانشور اس بات کے معتقد ہیں کہ "تقلید" کی حس انسانی فطرت کا حصّہ ہے اور یہ اتنا غیر محسوس امر ہے کہ کوئی اس کی گہری اور تعجب انگیز تاثیر سے باآسانی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ مختلف تقلیدی کیفیتوں کا وجود اس بات کا مظہر ہے کہ انسان اپنے اعمال' احساسات' ارادوں اور حتیٰ مختلف مسائل کے بارے میں اظہارِ نظر اور فیصلہ کرتے وقت بھی دوسروں کے تحتِ تاثیر ہوتا ہے اور اپنے ہم نشینوں اعزّہ و اقربا یا اپنے ماحول کے مقرر کردہ اصولوں کے مطابق خود کو ڈھالتا ہے۔ نیز دوسرے لوگ اپنی قدرت اور تسلّط کے لحاظ سے اس کی تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جتنا جتنا انسان اس معاشرہ میں نشوونما پاتا ہے اتنا ہی لوگوں کے انبوہِ کثیر کے درمیان اس کا استقلال ختم ہوتا جاتا ہے اور اکثریت کی

Marfat.com

نفسیات کے زیرِ اثر اور ان کے عقیدہ کا تابع ہو جاتا ہے۔ البتہ ایسے لوگ جو روحانی ضعف کے حامل ہوں اور ان کی فکر محدود ہو ان میں دوسروں کے اثرات قبول کرنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

نفسیات دانوں کے ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ انسان اسی وقت تقلید کرتا ہے جب اس بات سے اس کا دل مطمئن ہو اور اسے یہ احساس ہو کہ دوسرے اس عمل کی تائید کریں گے یا یہی کام دوسروں کی کامیابی کا سبب بنا ہے۔

مثلاً بڑے لوگوں کے اقدامات کی تقلید کرنے یا بچّوں کی طرف سے اپنے بزرگوں اور اپنے سے بڑی عمر کے لوگوں کی تقلید کرنے کی یہی وجہ ہے۔ حتیٰ یہ چیز خاص حالات میں حیوانوں میں بھی دیکھی جاسکتی ہے اور وہ بھی ایسی بات کی تقلید کرتے ہیں جس کے ذریعہ سے وہ کسی چیز پر دسترس حاصل کرسکیں۔

"براؤن" کہتا ہے۔

"لوگ ان کاموں کی تقلید کرتے ہیں جو ان کی خواہشات کے حصول کا ذریعہ ہوں' دوسرے الفاظ میں کوئی پوشیدہ قوّت اس تقلید کا سبب ہوتی ہے نہ کہ "تقلید" کے نام سے موجود کسی قوّت نے انہیں اس کام پر اُکسایا ہوتا ہے۔

جب ایک سیل گرل "گریو" کی مانند اپنے بالوں کی آرائش کرتی ہے تو یہ اس بناء پر نہیں ہوتا کہ تقلید کے نام کی کسی قوّت نے اسے اس کام پر لگایا ہوتا ہے بلکہ اس وجہ سے اس عمل کو انجام دیتی ہے کہ "گریو" یا کسی اور مقبول و معروف عورت کی مانند زندگی گزارنا چاہتی ہے اور "گریو" کو اس کا ترجمان سمجھتی ہے۔" (روان شناسی اجتماعی۔ ص ۴۹۴)

Marfat.com

ہرچند زندگی کے تمام مراحل میں دوستوں کے انتخاب اور ہم نشینوں کے چناؤ کے مسئلہ پر خاص توجہ کی ضرورت ہے لیکن یہ موضوع نوجوانوں کے لئے جنھوں نے ابھی بچپنے کی حدود سے باہر قدم رکھا ہے اور زندگی کے ایک حساس مرحلہ و میدانِ عمل میں وارد ہوئے ہیں نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ نوجوان بجائے اس کے کہ اپنی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے والوں کی روحانی و اخلاقی حالت کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد ان کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے، وہ ان کے طرزِ تفکّر اور کارکردگی سے آگاہی کے بغیر محض جذباتی عوامل اور ناپائیدار محرّکات کی بناء پر ان کے سامنے اپنی دوستی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ ممکن ہے یہ بے توجہی اسے زندگی کے حقیقی راستہ سے دور کرکے فساد اور تباہی کی وادی میں دھکیل دے۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اپنے ہم عمروں سے اِس (جوان) کی دوستی و ہم نشینی کی فطری کشش اور جذابیت سے صرفِ نظر نہ کیا جائے اور اس کی منطقی، متدل اور خیر خواہی پر مبنی رہنمائی سے دریغ نہ برتا جائے تاکہ وہ تباہکار، غیر صالح اور ناپسندیدہ عناصر کے اثر و نفوذ سے محفوظ رہے اور بے عیب اس کی پرورش ہوسکے۔

اس بات کو ذہن نشین رکھ کر کہ دورانِ جوانی دورانِ ہیجان و کشش ہے اور نوجوان کا قلب ہر نقش کو قبول کرنے کی صلاحیت و آمادگی رکھتا ہے ہم بخوبی دریافت کرسکتے ہیں کہ اس حساس مرحلہ پر ماحول انسان کے روحانی اور جذباتی قوتوں کی پرورش کے سلسلہ میں کس قدر عظیم کردار رکھتا ہے۔ لہٰذا متعدد

انحرافات، شکست اور ناکامیوں سے محفوظ رہنے کے لئے لازم ہے کہ ہم نشینی کے سود مند اور صحیح اصولوں سے آشنائی حاصل کی جائے۔

ہم نشینی کا حقیقی معیار

دوست کے انتخاب کے موقع پر جذبات کو پسِ پشت ڈال کر آزادی کے ساتھ حسِ شناخت کو کام میں لانا چاہیے۔ اس کی باطنی صفات سے آگہی کی کوشش کرنی چاہیے، اس کے نقائص و معائب اور کمزوریوں سے آشنا ہونا چاہیے۔ معلوم کرنا چاہیے کہ وہ کس طرزِ تفکّر کا مالک ہے اور کونسی چیزیں اسے رنجیدۂ خاطر کرتی ہیں۔ مختصر یہ کہ اس کی روح میں پوشیدہ انسانی امتیازات اور پسندید صفات کو جانچنا چاہیے تاکہ یہ خصوصیات اور فضائل آپ کو بھی حاصل ہو سکیں۔

بہت سے لوگوں میں ایسی اعلیٰ اخلاقی صفات پوشیدہ ہوتی ہیں جو ان کی ظاہری شخصیت سے کسی صورت عیاں نہیں ہوتیں۔ پاک طینت اور بافضیلت شخصیات سے مسلسل میل جول انسانوں میں نمایاں تبدیلیاں پیدا کرنے کا موجب ہے۔

اس کے برخلاف ہم نشین کے انتخاب کے موقع پر غور و فکر سے کام نہ لینا ایک ایسی بڑی لغزش ہے جس کا مرتکب انسان اپنی سعادت اور خوش بختی پر کاری ضرب لگالیتا ہے۔

معروف انگریز دانشور "آویبری" کہتا ہے کہ۔

"حقیقتاً کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جب ہم کوئی گھوڑا خریدنا چاہتے

Marfat.com

ہیں تو اس کی اصالتِ نسل اور طرزِ تربیت کے بارے میں خوب اچھی طرح تحقیق کرتے ہیں۔ لیکن کیا ہم اپنے ایک دوست کے انتخاب کے موقع پر اتنی باریک بینی برتتے ہیں-----؟ کیا ہمارے دوست ایک گھوڑے سے بھی زیادہ ہماری زندگی پر اثرانداز نہیں ہوتے----؟"

میں نے پہلے بھی کہا ہے اور ایک بار پھر کہوں گا کہ اپنے دوستوں کا انتخاب کرتے وقت توجہ سے کام لیجئے۔ ہماری اکثر مصیبتیں غیر مناسب دوستوں کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ انسان جب گہوارہ سے، میدانِ حیات میں قدم رکھتا ہے، عملی زندگی میں داخل ہونے کے بعد مختلف لوگوں سے اس کا واسطہ پڑتا ہے۔ اسی اثناء میں حادثاتی طور پر کچھ لوگوں سے اس کی دوستی ہوجاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سفلہ و نالائق لوگوں سے ہم نشینی کی بناء پر وہ رذالتوں اور بُرائیوں میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ ممکن ہے اس کے یہ دوست اس کے بدخواہ نہ ہوں لیکن اپنی فطرت کے تقاضے کے تحت بچھو کی طرح اسے ڈنک ماریں اور اپنے زہر آلود اخلاق کو اس کی روح میں اتار دیں۔"

(در آغوشِ خوش بختی۔ ص۶۶-۶۷)

حسّاسیت اور تنک مزاجی

سماجی زندگی کا ایک بنیادی مسئلہ لوگوں کا ایک دوسرے سے موافق و ہم آہنگ ہونا ہے۔ کوئی دو افراد بھی ایسے نہیں پائے جاتے جو عقائد، افکار،

احساسات اور عادات و اطوار میں مکمل طور پر یکساں ہوں۔ لوگوں کے مابین زندگی کے انتہائی معمولی معمولی مسائل میں بھی بہت کم اتفاق پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس مبرہن حقیقت کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور حتیٰ الامکان اپنے آپ کو گوناگوں طبائع و شخصیات کے حامل لوگوں کے ساتھ رہن سہن کا عادی بنانا چاہئے تاکہ حُسنِ معاشرت ہماری شناخت بن جائے۔

بعض لوگ بلوغِ اجتماعی کے فقدان اور اجتماعی رہن سہن کے آداب سے ناواقفیت کی بناء پر اس قدر حساس، تنک مزاج، سخت گیر اور دوستی میں بہت کم عفو و اغماض برتنے والے ہوتے ہیں کہ اپنی توقع اور مزاج کے خلاف ذرا سی بات بھی برداشت نہیں کرپاتے اور اپنے دوستوں کی کسی معمولی غفلت ہی سے اتنے برہم ہو جاتے ہیں کہ ان سے ہر قسم کے تفاہم کی امید کھو بیٹھتے ہیں اور مہر و محبت کا رشتہ ختم کردیتے ہیں۔ حالانکہ زندگی میں روشنی و تاریکی، خار و گل، خوبصورتی و بدصورتی ----- ہمیشہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ خلافِ توقع اور خلافِ مزاج باتیں برداشت کرنا معاشرتی زندگی کا تقاضا ہے۔ زندگی گزارنے کا بہترین ہنر یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اپنی توقعات اور مزاج میں لچک پیدا کی جائے درگزر اور صرفِ نظر سے کام لیا جائے۔ اکثر ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں برداشت کئے بغیر دوسروں کے ساتھ نبھاؤ ممکن نہیں ہوتا، باہمی ربط و ضبط قائم نہیں رہ سکتا اور مہر و محبت میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔

دوسروں کے مزاج اور ان کی ضرورتوں کو پہچاننا چاہئے۔ یہ توقع نہیں رکھنی چاہئے کہ جیسا ہم چاہتے ہیں وہ ویسے بن جائیں اور یہ بات بلند اخلاق، جذبات کی لطافت اور انسان کے اندر جذبۂ تفاہم سے وابستہ ہے۔

Marfat.com

تمام باتوں کو محض اپنے رجحانات کی کسوٹی پر پرکھنا درست طرزِ فکر نہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کے احساسات شدید یک جانبہ ہوتے ہیں اور ان کے اندر خود خواہی اور خود پرستی کی حس اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ حقیقت بینی سے مکمل طور پر ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور ان کا قلب بھی رنج و عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ جب کہ واقعہ بینی کے حامل ہونے اور معقول توقعات رکھنے سے روحانی آسودگی بھی حاصل ہوتی ہے۔

نفسیات کا ایک ڈاکٹر اپنی بے جا توقعات کے بارے میں نقل کرتا ہے کہ۔

"دوسری جنگِ عظیم کے زمانے میں مجھے ایک دور دراز شہر کا سفر درپیش ہوا۔ میں نے ٹکٹ کے سلسلہ میں ایئر لائن کے دفتر سے رجوع کیا تو انہوں نے ٹکٹ دینے سے صاف انکار کردیا۔ ان کا کہنا تھا کہ آج کل ہم فوجیوں کی نقل و حمل کو ترجیح دے رہے ہیں اس لئے آپ کو ٹکٹ نہیں دے سکتے۔ جب انتہائی اصرار کے باوجود بھی مجھے ہوائی ٹکٹ نہ ملا تو مجبوراً مجھے ریل میں سفر کرنا پڑا لیکن شومیٔ قسمت کہ وہاں بھی تیسرے درجہ کا ٹکٹ مل پایا۔

ڈاکٹر کہتا ہے کہ سیٹ پر بیٹھنے کے چند لمحہ بعد ہی مجھے احساس ہونے لگا کہ اس سخت اور غیر آرام دہ سیٹ پر سفر میرے لئے عذابِ جاں سے کم نہیں۔ یہ سوچتے ہوئے میں سخت غصّہ میں تھا۔

یکایک میں نے اپنی اس ناگواری کا تجزیہ شروع کیا اور سوچنے لگا کہ میرے غصّہ کی حقیقی وجہ سیٹ کا خراب ہونا ہے یا اپنی شخصیت کی بے قدری اصل سبب ہے کہ میں جو نفسیات کا ایک اتنا بڑا ڈاکٹر ہوں

Marfat.com

کیوں مجھے ہوائی جہاز کے ٹکٹ میں استثناء کا بھی حق نہیں تاکہ یوں میرا قیمتی وقت تلف نہ ہو۔

اس کے بعد میں نے خود اپنے آپ سے سوال کیا کہ کیا جنگ کے موقع پر اس استثناء کی توقع رکھنا میرے لئے مناسب ہے؟ یا یہ کہ میری یہ توقع احمقانہ اور خود خواہی پر مبنی ہے؟

میں فوراً اس نتیجہ پر پہنچ گیا کہ میری یہ توقع بے جا ہے۔ کیونکہ اس وقت جب میرے ہم وطن دشمن کے گولوں کی زد پر ہیں' ان کی حفاظت ہر دوسری چیز پر مقدم ہونی چاہیے۔

یہ بات ذہن میں واضح ہونے کے بعد نا صرف یہ کہ پورے راستہ مجھے سخت سیٹ کا عذاب محسوس نہ ہوا بلکہ میں نے اپنا پورا سفر کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یا دوسرے مسافروں سے گفتگو کرتے ہوئے بخوشی پورا کیا۔ حالانکہ نہ ہی میری سیٹ نرم و آرام دہ ہو گئی تھی اور نہ سفر کی مدّت ہی کم ہوئی تھی۔"

کبھی کبھی غیر حقیقت بین اور خود پرست لوگ دوستی اور میل ملاپ میں بھی خاص مقاصد نظر میں رکھتے ہیں اور صرف ایسے ہی لوگوں کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں جو ان کی ضروریات و مقاصد پورا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اور ہمیشہ ایسے دوستوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو انہیں کوئی نفع پہنچا سکیں۔ ہرگز کسی ایسے شخص سے دوستی کا رشتہ استوار نہیں کرتے جو صرف پاک احساسات اور اخلاص کا حامل ہو لیکن اس کی دوستی سے انہیں مادّی فوائد

Marfat.com

حاصل ہونے کی امید نہ ہو۔ اسی بناء پر ایسے لوگوں کی دوستیاں اسی وقت تک قائم رہتی ہیں جب تک انہیں ان کے ذریعہ سے منفعت کی امید ہو۔

لیکن جب وہ اس طریقہ سے حسبِ دلخواہ نتائج حاصل نہیں کرپاتے اور انہیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ دوستی کا پہیہ اب ان کے ہدف کے محور پر نہیں گھوم رہا، تو ان میں ایک طرح کی سرد مہری جنم لینے لگتی ہے اور رفتہ رفتہ دوستی کے گرم اور پُرجوش روابط پر چھا جاتی ہے اور ان کا ریاکارانہ تعلق کم ہونے لگتا ہے۔

ظاہر ہے جب کسی شخص کے اجتماعی روابط پر عدم ثبات اور تلوّن حاکم ہوجائے تو لوگوں پر بتدریج اس کی حقیقت ظاہر ہونے لگتی ہے اور دوسرے لوگ بھی اس شخص کی حقیقت سے آشنا ہوکر اس سے بن بُلائے مہمان کی مانند سرد اور تحقیر آمیز رویہ اختیار کرلیتے ہیں۔

"ایمرسن" کہتا ہے کہ۔

"ہماری حقیقت پہچان لی جاتی ہے۔ ہماری نیتوں سے زیادہ ہماری عادات و اطوار لوگوں کے لئے سبق آموز ہوتے ہیں۔ لوگ گمان کرتے ہیں کہ اپنے فضائل یا رذائل کو صرف اپنے ظاہری اعمال سے برملا کیا جاسکتا ہے لیکن اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ فضائل و رذائل ہماری سانسوں کی مانند ہر لحظہ خود کو نمایاں کرتے ہیں۔

لوگوں کے اعمال کے درمیان ہمیشہ ایک طرح کی ہم آہنگی موجود رہتی ہے۔ وہ اس طرح کہ ہر ایک اپنے وقت پر بے ریا اور طبیعی نظر آتا

Marfat.com

ہے۔ ایسے اعمال جو ایک ہی نیت سے انجام دیئے گئے ہوں ان میں فرق ہوتا ہے ہرچند وہ ایک ہی جیسے نظر آتے ہوں۔

اگر سمندر میں چلنے والی کشتی کو دور سے دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ بالکل سیدھی راہ پر چل رہی ہے۔ جب کہ درحقیقت اس کی راہ میں بے شمار چھوٹے پیچ و خم آتے ہیں۔ ہمارا ہر عمل خود کو بھی واضح کرتا ہے اور ہمارے دوسرے اعمال کا بھی عکاس ہوتا ہے۔" (فلسفہ اجتماعی، ص ۳۱۴)

یہ ایک ایسی دردناک نفسیاتی کیفیت ہے جس کا بہت زیادہ مشاہدہ ہم اکثر لوگوں میں کرسکتے ہیں۔

بدکرداروں کی صحبت سے بچیئے

کُلّی طور پر انسان کے پاس دو امکانات ہیں ایک یہ کہ خود کو مکمل طور پر طبیعی اور جسمانی قوتوں کے حوالے کردے اور روح کو غرائز و شہوات کی اسارتِ مطلق میں دے دے یا یہ کہ روح کی آسمانی صدا اور خواہشات کا مثبت جواب دے۔

انسان فضائل اور رذائل کے دو مخالف و متضاد قطب کے درمیان ہمیشہ کشمکش کی حالت میں رہتا ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس باطنی چپقلش کے درمیان اپنے عظیم فریضہ کی ادائیگی سے غافل نہ ہو اور اپنے لئے اس چیز کا انتخاب کرے جو اس کی انسانیت کے لئے شائستہ ہے اور ایسی راہ چنے جو مقصد تک رسائی اور ہدف تک پہنچنے کا مطمئن ترین وسیلہ ہو۔

Marfat.com

یہ انتخاب کبھی نہ ختم ہونے والا پے درپے اور مداوم امر ہے اور اسے تادمِ مرگ انجام دیتے رہنا چاہئے۔ تاکہ انسان کا ہر اُٹھنے والا قدم اس کے پچھلے قدم سے بہتر ہو اور وہ تکرار یا سقوط کا شکار نہ ہو۔ انسان کو بہت تھوڑے عرصے کے لئے اس جہاں میں بھیجا گیا ہے اس کو تاہیٔ عمر کے پیشِ نظر اہم بات یہ ہے کہ وہ اس چھوٹی مدّت میں جہانِ ابدی کے لئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کس طرح حاصل کرے۔ بے شک مخرّب شہوات کو شکست دے کر اور منحرف خواہشات کا ڈٹ کر مقابلہ کرکے ہی یہ قیمتی سرمایہ جمع کیا جاسکتا ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ انسان ہم نشین کا انتخاب کرتے ہوئے غور و فکر سے کام لے' اپنی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ تاکہ اس کے اندر اپنے امور کے سلسلہ میں نظم و ضبط کی عادت پڑ جائے۔ نیز دوسری طرف وہ چاہتا ہے کہ اس راہ سے حقیقی انسانی فضیلتوں کی جانب اس کی توجہ مبذول کروائے تاکہ وہ دل کی گہرائیوں سے ان کا معتقد ہوجائے اور اس طرح حقیقت کے عالی ترین مراحل اس کے سامنے واضح رہیں تاکہ وہ انسانیت کے اوجِ کمال تک جا پہنچے' ایسا کمال جس کی اہمیت اور قدر و قیمت کا موازنہ مادّی معیارات کے ذریعے کیا ہی نہیں جاسکتا۔

اسلام انسان کے اندرونی اور بیرونی ہر دو میدانوں مین ارتقاء و پیشرفت کی نشاندہی کرتا ہے۔ اس کے بعد یہ خود انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ طرزِ تفکّر' طریقِ عمل اور رَوِش کے انتخاب میں اس سے استفادہ کرے۔

اخلاقی اقدار کو ملحوظ رکھنے والے پاکیزہ اور صالح لوگوں کی مصاحبت روحانی غذا کی فراہمی کا بہترین وسیلہ ہے۔ ان ہستیوں کے بلند افکار کے سائے میں

Marfat.com

انسان کی فکر وسعت پاتی ہے اور نیکی وپاکیزگی سے اس کی رغبت میں اضافہ ہوتا ہے۔ انسان ان لوگوں سے ملاقات کے ذریعہ اپنے روحانی نقائص سے بیش از بیش آگاہی حاصل کرتا ہے۔ اپنی صلاحیتوں کا ان سے موازنہ کرکے انہیں بڑھانے کی فکر کرتا ہے۔

اس موازنہ اور تقابل کے ذریعہ ممکن ہے انسان رفتہ رفتہ سیئات اور ناپسندیدہ صفات سے چھٹکارا حاصل کرلے اور اس کی روح کے مخفی ترین گوشے منوّر ہوجائیں۔

انسان کے دوست احباب کی خصوصیات اور عادات پر توجہ جدید نفسیات کا دریافت کردہ مسئلہ نہیں بلکہ ایسے لوگوں کے اخلاق و کردار سے شناسائی کی ضرورت پر اصرار جنہیں انسان اپنا دوست بنانا چاہتا ہے اور جن سے رشتہ محبت استوار کرنے کا خواہش مند ہے صدیوں قبل کے مذہبی آثار و روایات میں بھی متعدد مقامات پر صراحت کے ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ جدید نفسیات نے بھی انہی احکامات کو اہمیت دی ہے اور اس بارے میں اسی مفید اور پُر ثمر رہنمائی کو دُہرایا ہے۔

پیغمبرِ اسلامؐ کا خوبصورت اور بلیغ بیان ہے کہ۔

"المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالل"

"انسان عملاً اپنے دوست کی سیرت و رَوِش کی پیروی کرتا ہے۔ پس تم میں سے ہر ایک کو نہایت دیکھ بھال کر دوست بنانے چاہئیں۔"

(مستدرک۔ج۲۔ص۶۲)

Marfat.com

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک کلام میں لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ اپنے نفس کو کنٹرول میں رکھنے کی خاطر بد قماشوں سے میل جول سے احتراز کریں۔

"لا تصحب الشریر، فان طبعک یسرق من طبعه شراً و انت لا تعلم"

"شریر لوگوں سے ربط و ضبط سے پرہیز کرو کیونکہ تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی اور تمہاری طبیعت ان کا انحراف و ناپاکی قبول کر لے گی۔"

(نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ج ۲۰۔ص ۲۷۲)

مشہور فرانسیسی دانشور "ڈاکٹر کارل" کہتا ہے کہ۔

"ہر فرد سے ظاہر ہونے والی حرکات و سکنات کی کیفیت اور شدّت کا تعلق بڑی حد تک اس کی باطنی حالت سے ہوتا ہے۔ اگر انسان اندرونی طور پر خالی ہوگا تو اس میں اخلاق اور شعور پروان نہ چڑھیں گے۔ اور اگر باطن بُرا ہوگا تو اس کی سرگرمیاں معیوب ہوں گی۔

ہم لوگ اپنے ماحول میں بالکل اسی مانند غوطہ ور ہوتے ہیں جس طرح ہمارے بدن کے اندر موجود خلئے بدن کا حصّہ ہوتے ہیں۔ ان خلیوں کی مانند ہم بھی ماحول کے اثرات سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ انسان کا جسم اپنی حفاظت بہتر طور سے کر سکتا ہے اس کے بَرخلاف روحانی دنیا میں اس کے شعور کا خود کو محفوظ رکھنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا جسم ماحول کے طبیعیاتی اور کیمیائی عوامل کے مضر اثرات سے خود کو محفوظ رکھنے کے واسطے جِلد اور دوسری رکاوٹوں

Marfat.com

سے لیس ہے اس کے بر عکس شعور کی سرحدیں ہمیشہ کھلی رہتی ہیں اور انسان کی روح معاشرہ میں پائے جانے والے فکری و معنوی عوامل کے حملوں کی زد پر رہتی ہے۔ لہٰذا یہ کبھی تو ان حملوں کا مقابلہ کر کے سالم رہتی ہے اور کبھی ان کے آگے سپرانداختہ ہو کر خود کو عیب دار بنا لیتی ہے۔

مزید یہ کہ فکر کی پرورش سہل کام ہے لیکن اخلاقی اور مذہبی سرگرمیاں ایسی نہیں۔ ان پر سماج کے اثرات زیادہ اور گہرے ہوتے ہیں۔

انسان کا ایسے نفسیاتی ماحول سے اپنا دفاع کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ سب ہی لوگ اپنے ساتھ زندگی بسر کرنے والوں کے اثرات قبول کرتے ہیں۔ اگر کسی بچّے کی پرورش اور نشوونما نادان اور جرائم پیشہ لوگوں کے درمیان ہوئی ہو تو مستقبل میں وہ خود بھی نادان یا مجرم نکلے گا۔" (انسان موجودِ ناشناختہ، ص ۱۶۴۔ ۱۶۲۔ ۱۶۱)

نفسیات کے ماہرین نے تقلید کے بارے میں جو تجربات کئے ہیں ان کے نتائج حیرت انگیز ہیں۔

"۱۹۵۳ء کے موسمِ بہار میں کیلی فورنیا یونیورسٹی کے شعبہ نفسیات نے ایک آزمائش کا اہتمام کیا اس سلسلہ میں انہوں نے سو افراد کو تین روز تک اپنے زیرِ آزمائش رکھا۔

تیسرے اور آخری روز ان کا ایک باریک اور دقیق ٹیسٹ لیا گیا۔ ان سو افراد کو پچاس پچاس افراد کے دو گروہوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

Marfat.com

ایک گروہ کو گروہِ آزمائش اور دوسرے کو گروہِ شاہد کا نام دیا گیا۔ ترتیب یوں قائم کی گئی کہ گروہِ آزمائش کو پانچ پانچ افراد کے دس دستوں میں تقسیم کیا گیا ان میں سے ہر فرد کی ڈسک پر ایک ایسا بٹن تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے دستہ سے تعلق رکھنے والے تمام لوگوں کے جواب سے آگاہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس آزمائش کا راز اسی نکتہ میں پنہاں تھا اور وہ یہ کہ اس بٹن کو دبانے سے اسکرین پر جو جواب آتا تھا وہ آزمائش کرنے والوں کا اپنا وضع کردہ جواب تھا اس دستہ کے افراد کی اکثریت کا نہیں۔ درحقیقت آزمائش کرنے والوں نے ہر مسئلہ پر ایک مصنوعی جواب ایجاد کر کے آزمائش ہونے والوں میں سے ہر ایک کی رائے کو فریب دیا اور یہ لوگ اس راز سے بے خبری کی بناء پر جس جواب کو اسکرین پر دیکھتے اسے اکثریت کی رائے سمجھتے اور اکثر افراد نے اندھادھند اسی رائے کا اظہار کیا۔

ریاضی کے ایک سوال کا غلط جواب ۸۹ فیصد افراد نے مصنوعی اکثریت کے فریب میں آکر بے سوچے سمجھے دیا۔"

(رازِ کرشمہ ہا۔ ص۳۹)

بدکاروں کی آزمائش

یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر بدکردار لوگوں سے میل جول اور ربط و تعلق کا مقصد ان کی ہدایت اور انہیں گناہوں کی دلدل سے نکالنا ہو تو یہ ایک لائقِ ستائش اور پسندیدہ بات ہے۔ اسلام اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ایسے

لوگوں سے جو اخلاق و فضیلت کی سرحدیں عبور کرچکے ہیں میل ملاپ اور رشتہ دوستی قائم کرکے ان کی اصلاح و رہنمائی کا سامان کیا جائے۔

البتہ اس مقصد کے لئے ضروری ہے کہ خوب اچھی طرح دیکھ بھال کے درست راہ چنی جائے کیونکہ اس عمل کو بے توجہی سے انجام دینے کی صورت میں خاطر خواہ نتائج کا حصول ناممکن ہے۔

اکثر مقامات پر یہ رَوِش انتہائی مفید ثابت ہوئی ہے اور بسا اوقات نہایت مثبت اور حیران کن نتائج سامنے آئے ہیں اور انسان اس عمل کے ذریعہ اپنی دوستی کا بہترین حق ادا کرسکا ہے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ۔

"من رای اخاه علی امر یکرهه فلم یرده عنه وهو یقدر علیه فقد خانه"

"جو شخص اپنے برادرِ مومن کو بُرے کام کی طرف جاتے دیکھے اور روک سکنے کے باوجود اسے اس کام سے نہ روکے تو گویا اس نے اس کے حق میں خیانت کی۔" (بحار الانوار ج ۱۵۔ کتاب العشرہ ص ۵۲)

قدیم زمانہ سے کہا جاتا ہے کہ "نصیحت تلخ ہوتی ہے" یہ صرف مقولہ ہی نہیں ایک حقیقت بھی ہے کہ عام طور پر لوگوں کو ناصحانہ گفتگو ناگوار گزرتی ہے۔ لہٰذا مشفق و خیر خواہ ناصح پر لازم ہے کہ وہ نرم اور ملائم لہجہ میں نصیحت کرے اور اپنے مخاطب کی کمزوریوں اور اخلاقی نقائص کی جانب اس طرح اشارہ کرے کہ اسے ناگوار نہ گزرے۔ دوستانہ انداز میں اسے آگاہ کرے اور اسے سمجھائے کہ جس راہ کا اس نے انتخاب کیا ہے اس کا انجام نابودی و شقاوت کے

Marfat.com

سوا کچھ نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کا اعتماد بھی حاصل رکھے اور محتاط رہے کہ صرف تنہائی میں اور دوسروں کی نگاہوں سے دُور اسے پند و نصیحت کرے۔

ممکن ہے کوئی نادان شخص اپنے دوست کو اس انداز میں نصیحت کرے جس کا نتیجہ معکوس بر آمد ہو۔ لیکن ایک عاقل شخص ہرچند وہ خود بُرائیوں کا مرتکب ہوتا ہے' اس قدر مہارت اور ہوشیاری کے ساتھ نصیحت کرتا ہے کہ وہ بار آور ثابت ہوتی ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ان نکات کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ۔

"نصحک بین الملاء تقریح"

"لوگوں کے سامنے کسی کو نصیحت کرنا نصیحت نہیں ملامت کرنا ہے۔" (غرر الحکم ص ۷۷۵)

"لربما خان النصیح المؤتمن و نصح المستخان"

"بسا اوقات امین پندگو خیانت کرجاتا ہے اور کسی خائن کی نصیحت موثر اور ثمر بخش ثابت ہوتی ہے۔" (غرر الحکم ص ۵۸۷)

"ڈیل کارنیگی" کہتا ہے کہ۔

"اگر آپ کسی پر کوئی بات ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ایسی مہارت سے کام لیجئے کہ کسی کو گمان بھی نہ ہو کہ آپ کا مقصد کیا ہے۔ ایسے مواقع کے لئے اس شاعر کی نصیحت کو گرہ میں باندھ لیجئے جو کہتا ہے کہ "ایسے سکھایئے کہ آپ کو سکھانے والا نہ سمجھا جائے۔" ایسے لوگ جن کی قوتِ فیصلہ مکمل طور پر سالم اور روشن ہو بہت کم پائے جاتے

Marfat.com

ہیں۔"

"ہم میں سے اکثر لوگ مغرض اور ضدی ہوتے ہیں۔ حسد' بدگمانی' خوف' لالچ اور غرور ہماری عقل کو اندھا کردیتے ہیں۔ اب اپنے اخلاق کا جائزہ لیجئے۔ اگر آپ یہ دیکھتے ہیں کہ آپ کا زیادہ رجحان اس طرف ہے کہ اپنی خطاؤں کو دوسروں سے منسوب کردیں تو اس کا چارہ کیجئے۔"

"ہم جب کوئی خطا کرتے ہیں تو بہت آسانی کے ساتھ دل ہی دل میں اس کا اعتراف کرلیتے ہیں۔ دوسرے اگر صلاحیت و مہارت کے مالک ہوں تو شیریں زبانی اور لطف و محبت کے ذریعہ ہمیں اپنی خطاؤں کے اقرار پر آمادہ کرسکتے ہیں۔

حتیٰ ایسے مواقع پر ہم خود اپنی خطاؤں کا اقرار کرتے ہوئے احساسِ فخر سے سرشار ہوجاتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ زور و زبردستی کے ساتھ ہمیں اس اقرار پر مجبور کرے تو وہ کسی صورت کامیاب نہ ہوگا۔" (آئینِ دوست یابی ص۱۶۱-۱۵۹-۱۵۶)

امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من وعظ اخاه سراً فقد زانه ومن وعظه علانیه فقدشانه"

"جو شخص اپنے برادرِ مومن کو تنہائی میں نصیحت کرے گا تو درحقیقت اس نے اسے زینت بخشی اور جو علانیہ سب کے سامنے نصیحت کرے گا تو اس نے اسے رسوا کیا۔" (تحف العقول ص۴۸۹)

Marfat.com

دوسری طرف اگر کوئی انحراف و کج روی کا شکار ہو اور چاہتا ہو کہ کوئی عاقبت اندیش دوست اسے اس گردابِ گناہ سے نجات دلائے تو اس پر لازم ہے کہ اس انیسِ خیرخواہ کی نصائح کو دل و جاں سے قبول کرے اور اپنی اصلاح و تعمیر کے لئے انہیں بروئے کار لائے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"مناصحک شفیق علیک محسن الیک' ناظر فی عواقبک ستدرک قوارطک ففی طاعته رشادک' وفی مخالفته فسادک"

"تمہیں نصیحت کرنے والا تمہارا محسن ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ نیکی کرے۔ تمہاری عاقبت بہتر بنانا چاہتا ہے۔ جو کچھ تم دنیا میں کھو چکے ہو اس کی تلافی کا خواستگار ہے۔ بنابرایں تمہاری کامیابی اور نیک بختی اس کی نصیحت قبول کرنے میں ہے' جب کہ اس کی رہنمائی سے روگردانی و بے اعتنائی تمہاری تباہی و بربادی کا موجب ہوگی۔"

(غرر الحکم۔ص ۷۴۱)

انسان اپنی خرابیاں جاننے کے بعد فوراً ان کی تلافی کی کوشش کرے تو یہ اس کے لئے زیادہ مفید ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں معمولی سا تساہل بھی ندامت و پشیمانی کا سبب بن جاتا ہے۔ حتیٰ ایسا انسان اپنی عزّت و آبرو تک کھو بیٹھتا ہے۔ چنانچہ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من لم یدع وھو محمود یدع وھو مذموم"

"جو شخص اپنی برائی اس وقت ترک نہیں کرتا جب وہ قابلِ تعریف

Marfat.com

سمجھا جاتا تھا تو اسے وہ بُرائی اُس وقت تَرک کرنا پڑتی ہے جب وہ قابلِ مذمّت شمار ہوتا ہے۔" (غرر الحکم ص ۱۴۱)

نہ صرف دوستوں کی طرف سے کی جانے والی تلقین و فہمائش بلکہ دشمنوں کی جانب سے کی جانے والی تنقید و نکتہ چینی بھی کمزوریوں کے علاج اور ان کی اصلاح کے سلسلہ میں موثر و ثمر بخش ثابت ہوتی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"عدو الرجل قد یکون خیراً من صدیقہ لانہ یھدیہ الی عیوبہ فتجنبھا"

"بسا اوقات انسان کا دشمن اس کے دوست سے زیادہ سود مند ثابت ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ دشمن اس کے عیوب اور نقائص کی نشاندہی کرتا ہے جس کی بنا پر وہ ان کی اصلاح کرلیتا ہے۔"

(غرر الحکم۔ص ۷۶۵)

ایک امریکی فلسفی کہتا ہے کہ۔

"انسان مسندِ عزّت پر متمکن ہونے کے بعد غافل ہوجاتا ہے اور جب اسے اذیت پہنچتی ہے تو بیدار ہوتا ہے۔ شکست اس کے لئے عبرت کا ذریعہ بنتی ہے۔ جب وہ گھر میں بیٹھ کر اپنا جائزہ لیتا ہے تو اسے حقائق کا علم ہوتا ہے، اپنے جہل سے آشنا ہوتا ہے، خودپسندی کے جنوں سے نجات پاتا ہے، یوں بالآخر اعتدال کی راہ اپنا کر اپنا حقیقی ہنر حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

عقل مند آدمی اپنے مخالفوں کو بھی اپنا ہمراز بنالیتا ہے کیونکہ اس کی

کمزوریوں سے آگاہ ہونا ان لوگوں سے زیادہ خود اس کے اپنے لئے مفید ہوتا ہے کیونکہ یہ سانپ کی کینچلی کی مانند اپنی جِلد بدل کے ان کے لگائے ہوئے زخموں کو بے اثر کردیتا ہے اور جب تک اس کے مخالف کامیابی کی منزل تک پہنچتے ہیں وہ اسے سلامتی کے ساتھ عبور کرچکا ہوتا ہے۔

سرزنش ستائش سے کہیں بہتر ہے۔ اسی بناء پر میں اپنی ہاں میں ہاں ملانے والے اخبارات سے بیزار رہتا ہوں۔ جب تک میرے بارے میں بے لاگ تبصرے اور نکتہ چینی ہوتی ہے مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہوتا ہے۔ لیکن جب میرے بارے میں خوبصورت جملے کہے جاتے ہیں تو میں خود کو دشمنوں کے سامنے غیر محفوظ محسوس کرتا ہوں۔

اصولی طور پر ہر شر اس وقت تک ہمارے لئے خیر ہے جب تک وہ ہمیں بدحال نہ کردے۔

جس طرح جزیرۂ سنڈویچ پر بسنے والے اپنے دشمن کو قتل کرتے ہوئے یہ گمان کرتے تھے کہ اس قتل ہونے والے کی شجاعت و بہادری اس کے قاتل میں حلول کر جائے گی اسی طرح ہمیں بھی یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ہمارے مخالفوں کی قوت آخر کار ہماری طاقت میں اضافہ کا موجب ہوگی۔" (فلسفۂ اجتماعی۔ ص ۳۹۱)

بعض دوستیاں انتہائی مضر اور نقصان دہ ہوتی ہیں انہی ضرر رساں دوستیوں میں سے ایک نادان اور بے وقوف لوگوں کی دوستی ہے۔ جس کے نتیجہ میں انسان پسماندہ رہ جاتا ہے اور بسا اوقات یہ اس کی بدبختی پر منتج ہوتی

Marfat.com

ہیں۔ بسا اوقات نادان دوست سے پہنچنے والا بُرا اور دردناک انجام دشمن کے خطرہ سے کہیں زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ممکن ہے دوست کی طرف سے اعتماد کے پیشِ نظر آپ اس جانب سے اپنے دفاع پر توجہ نہ دیں اور اُس وقت آپ کو ہوش آئے جب واپسی کے تمام راستے بند ہو چکے ہوں۔ جب کہ دشمن کی طرف سے آپ ہمیشہ ہوشیار و چوکنا رہتے ہیں۔

اس بات کا بھی امکان ہے کہ نادان دوست نہایت ہمدردی اور خیرخواہی کے جذبہ کے تحت کوئی مشورہ دے لیکن یہ مشورہ معقول نہ ہونے کی بنا پر آپ کے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔

ایک قدیم داستان ہے کہ اتفاقاً ایک عاقل و دانا شخص کو اپنے ایک نادان و احمق دوست کے ساتھ سفر کرنا پڑا۔ اثنا‌ء سفر میں دونوں دوست ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں سے منزل کی طرف دو راستے جاتے تھے ان میں سے ایک راستہ صاف ستھرا اور ہموار تھا جب کہ دوسرا راستہ ناہموار اور دشوار گزار۔

احمق دوست اڑ گیا کہ صاف راستہ پر سفر کیا جائے لیکن عاقل دوست جو جانتا تھا کہ ناہموار راستہ مختصر اور محفوظ ہے لہٰذا اس نے رائے دی کہ اسی راہ کا انتخاب کیا جائے۔ نادان دوست اپنی بات پر مصر رہا اور بالآخر اس کے انتہائی اصرار اور دباؤ کی وجہ سے مجبور ہو کر عاقل کو گھٹنے ٹیکنے پڑے اور دونوں دوست ہموار راستے پر چل پڑے۔

ابھی کچھ ہی فاصلہ طے کیا ہو گا کہ اچانک ڈاکوؤں نے ان کا راستہ روک لیا، انہیں اسیر کیا اور ایک سمت لے کر جانے لگے۔ دیر نہ گزری تھی کہ حکومت کے سپاہیوں سے ڈاکوؤں کی مڈبھیڑ ہو گئی۔ سپاہیوں نے سب کو قیدی بنا

Marfat.com

لیا اور ان کا مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوا۔

دانا شخص نے قاضی کے سامنے پورا قصّہ بیان کیا اور اپنے نادان دوست کو قصور وار ٹھہرایا۔ اور کہا کہ یہی مجھے گمراہ کرکے اس خطرناک راستے پر لایا تھا۔

نادان نے بھی اپنا دفاع کیا اور کہا کہ درست ہے کہ میں احمق ہوں' میرے پاس نام کو عقل نہیں لیکن میرا یہ دوست جسے اپنے عقلمند ہونے پر ناز ہے آخر اس نے مجھے نادان جانتے ہوئے بھی میری تجویز کیوں قبول کی اور اپنی عاقلانہ تجویز سے کیوں دستبردار ہوگیا۔

الغرض سماعت کے بعد قاضی نے دونوں کو برابر برابر سزا تجویز کی۔

لہٰذا محض اخلاص اور وفاداری کی بنا ہی پر کسی کو دوست نہیں بنالینا چاہئے بلکہ دوست کا انتخاب کرتے وقت سب سے پہلے اس کی عقل و فہم کا جائزہ لینا چاہئے۔ جو لوگ نادانوں کی دوستی سے پرہیز کرتے ہیں انہیں باتدبیر عقل مند شمار کرنا چاہئے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"لا تصحبن من لا عقل له"

"کسی صورت بے وقوفوں کو اپنا دوست نہ بناؤ۔" (غرر الحکم ص ۸۰۰)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام ایسے عناصر کو جو دوستی کے لائق نہیں اس طرح متعارف کراتے ہیں اور اس قسم کی نامناسب دوستیوں کے زیانبار نتائج کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"لا تقارن ولا تواخ اربعة،الاحمق والبخيل والجبان والكذاب اما الاحمق فانه يريد ان

Marfat.com

ینفعک فیظرک، و اما البخیل فانه یاخذ منک و لا یعطیک و اما الجبان فانه یهرب عنک و عن والدیہ، و اما الکذاب فانه یصدق ولا یصدق"

"چار قسم کے لوگوں کے ساتھ نہ میل جول رکھو اور نہ ہی ان سے رشتہ داری قائم کرو۔ احمق سے، کنجوس سے، بزدل سے اور جھوٹے سے۔ کیونکہ احمق تم کو فائدہ پہنچانا چاہتا ہوگا تب بھی نا سمجھی میں نقصان پہنچا بیٹھے گا۔ کنجوس تم سے لے گا تو سہی لیکن دے گا کچھ نہیں۔ بزدل معمولی مشکل کے وقت بھی نا صرف تمہیں بلکہ اپنے والدین تک کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوگا اور جھوٹا اگر سچ بھی بولے گا تب بھی اس کی بات پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔"

(بحار الانوار۔ج ۱۵۔ کتاب العشرہ۔ ص ۵۲)

نادانی اور انجامِ کار پر توجہ نہ دینا انسان کو آلودگی اور بالآخر بدبختی سے دوچار کردیتا ہے۔ متعدد مواقع پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے نادان دوستوں کے کہنے میں آکر برباد ہوگئے۔ یا گناہوں میں آلودہ ہوکر اپنی سعادت کا دامن داغدار کر بیٹھے۔

ممکن ہے ایسے لوگ پہلے ہی سے واقف ہوں کہ انہیں خطرناک اور قبیح راہ پر لگایا جارہا ہے۔ لیکن اس خوف سے کہ کہیں انہیں ڈرپوک نہ کہا جائے اپنے دوستوں کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور آخرکار خجالت و شرمندگی کا سامنا کرتے ہیں اور پستی و اخلاقی فساد کے گڑھے میں جاپڑتے ہیں۔ اور ایک روز انہیں معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کی ان ناقابلِ تلافی لغزشوں کا سبب اپنی عقل کو

کام میں نہ لانا اور دور اندیشی کو ایک طرف رکھ کر صرف اپنے دوستوں کی تقلید اختیار کرلینا ہے۔

لیکن افسوس یہ بیداری اُس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ زندگی کا ایک بڑا حصّہ گزار چکے ہوتے ہیں اور ایک طویل دور سیاہ کاریوں کی نذر ہوچکا ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ غفلت اور خفتگی زندگی بھر طاری رہے اور اس حسرت و ندامت پر منتہی ہو جس کو قرآنِ کریم روزِ قیامت حسرت زدہ، تباہ کار اور گمراہ گروہ کے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے کہ۔

"یٰویلتٰی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا"

"ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں شخص کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔"

(سورۂ فرقان ۲۵۔ آیت ۲۸)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ایسے لوگوں کا جو میل جول کے لائق نہیں اور جن کی صحبت سے اجتناب و احتراز برتنا چاہئے ان الفاظ میں تعارف کراتے ہیں۔

"لا تصحبن ابناء الدنیا فانک ان اقللت استقلوک وان اکثرت حسدوک"

"دنیا پرست لوگوں سے دوستی نہ کرو کیونکہ اگر تمہارے مال و دولت میں کمی واقع ہوگی تو وہ تمہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اگر اس میں فراوانی ہوگی تو وہ رشک و حسد میں مبتلا ہو جائیں گے۔"

(غررالحکم۔ ص ۸۰۷)

"لا تصحب من یحفظ مساویک و ینسی

فضائلک و معالیک"

"ہرگز ایسے شخص کی ہم نشینی اختیار نہ کرو جو تمہاری لغزشوں کو یاد رکھے اور تمہاری خوبیوں کو بھول جائے۔" (غرر الحکم ص ۸۱۱)

"لا تواخ من یستر مناقبک وینشر مثالبک"

"ایسے شخص سے رشتہ اخوت نہ جوڑو جو تمہاری قابل تعریف صفات و کمالات کو تو چھپائے اور تمہارے نقائص و معائب کا چرچا کرے۔"
(غرر الحکم۔ ص ۸۲۷)

"لا تصحب المالق فیز بن لک فعله و یود انک مثله"

"خوشامدی و چاپلوس کو اپنا دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنے ناپسندیدہ اعمال کو اچھا بنا کے پیش کرے گا اور اسکی خواہش ہوگی کہ تمہارا کردار بھی ایسا ہی ہو جائے۔" (غرر الحکم ص ۸۲۷)

"من لم یصحبک معیناً علی نفسک فصحبته وبال علیک ان علمت"

"وہ دوست جو کسب کمال اور اچھے اخلاق کے حصول میں تمہارا مددگار نہ ہو اگر سمجھو تو اس کی دوستی تمہارے لئے وبال ہے۔"
(غرر الحکم۔ ص ۸۱۲)

دوستی کرتے ہوئے احتیاط و ہوشیاری

خردمندی اور عاقبت اندیشی کا تقاضا ہے کہ رفاقت کے معیار اور اس کے

Marfat.com

حدود پیشِ نظر رکھے جائیں۔ ممکن ہے دوستوں کے انتخاب کے موقع پر افراط و تفریط کا شکار ہوجانا اور اعتدال کی راہ چھوڑ بیٹھنا حسرت انگیز نتائج اور ندامت و شرمساری کا سبب بن جائے۔ کیونکہ دوستی ہمیشہ ایک سی نہیں رہتی' اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ شاید کبھی دوستوں کے درمیان کوئی تنازع پیدا ہوجائے یا ایسی بات ہوجائے جس کی وجہ سے اختلافات پیدا ہوکر دوستی اور اخلاص کے پُرنور آسمان کو تیرہ و تار کردیں۔ ایسی صورت میں اگر یہ دوست ایک دوسرے کے پوشیدہ معاملات اور رازوں سے آگاہ ہوں گے تو ان معلومات کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرسکتے ہیں۔

لیکن دوستی کے دوران عاقلانہ اور مبنی بر اعتدال رویّہ اپنانے سے نہ صرف خطرات کا تدارک کیا جاسکتا ہے بلکہ دوستی بھی ثابت و دائم رہتی ہے۔ اسی کے پیشِ نظر امام جعفر صادقؑ دوستی کے مراتب میں افراط و زیادہ روی اور مخصوص اسرار کو افشاء کرنے کی شدّت کے ساتھ ممانعت فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

"لا یطلع صدیقک من سرک الا علی مالوا طلع علیه عدوک لم یضرک فان الصدیق ربما کان عدوا"

"اپنے دوست کو اپنی زندگی کے اسرار سے ہرگز آگاہ نہ کرو۔ سوائے انّ اسرار کے کہ اگر وہ تمہارے دشمنوں کے علم میں بھی ہوں تو تمہارے لئے کسی حرج کا باعث نہ ہوں گے اور وہ اس کے ذریعہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ کیونکہ ممکن ہے جو آج

Marfat.com

تمہارا دوست ہے اُسے زندگی کے نشیب و فراز کل تمہارا دشمن بنا دیں۔"(وسائل۔احکامِ معاشرت باب ۱۰۱)

اسی بارے میں ایک مغربی دانشور یوں کہتا ہے کہ۔

"-----اب اس کے بعد دوستوں سے طرزِ معاشرت کی بات آتی ہے۔ بہت سے ایسے لوگ جو اپنے پوشیدہ ترین اسرار کو بھی دوستوں کے درمیان رکھ دیتے ہیں، ہمیشہ مضطرب و آشفتہ خاطر رہتے ہیں۔ کیونکہ جب رشتہ اخوت ٹوٹ کر دشمنی میں بدل جاتا ہے اور کل تک ہم پیالا و ہم نوالا رہنے والے دوست ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو جاتے ہیں تو کل جو حربے وہ ایک دوسرے کے ہاتھ میں دے چکے تھے وہ آج ایک دوسرے کی تباہی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔"

ایسی ہی صورتِ حال میں ایک بڑے سردار نے میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہوئے "لوئی چہاردہم" سے کہا تھا کہ۔

"مجھے میرے دوستوں کے شر سے محفوظ رکھنا دشمنوں سے مجھے کوئی خوف نہیں۔"

بعض لوگ ایک اور غلط راہ اختیار کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ انتہائی سختی سے پیش آتے ہیں اور اس سلسلہ میں کسی دقیقہ فروگزاشت سے کام نہیں لیتے اور جب کدورت کا غبار بیٹھتا ہے اور دشمنی کی آگ ٹھنڈی ہوتی ہے تو اپنی اس شدّت پسندانہ روش پر شرمسار ہوتے ہیں اور آتشِ ندامت میں جھلستے رہتے ہیں۔

اس بارے میں حضرت علی علیہ السلام کی حکمت سے لبریز ایک نصیحت

Marfat.com

پیشِ خدمت ہے۔

"احبب حبیبک هوناً ما عسی ان یکون بغیضک یوماً ما وابغض بغیضک هوناً ما فعسی ان یکون حبیبک یوماً ما"

"دوستی اور دشمنی میں اعتدال کی راہ پر چلو۔ کیونکہ ممکن ہے کسی روز حالات بدل جائیں اور تمہارا دوست دشمن ہوجائے اور دشمن دوست بن جائے۔" (وسائل۔ احکامِ معاشرت باب ۱۰۱)

تظاہر و ریاکاری

شاید آپ نے اپنے ارد گرد ایسے لوگ دیکھے ہوں جو ہر کسی کے ساتھ گرمجوشی سے پیش آتے ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کا صرف ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سب سے بنا کے رکھیں اور باالفاظ دیگر معاشرہ میں اپنے قد میں اضافہ کریں۔ حالانکہ اس میل جوُل اور خیر سگالی کے اظہار کے وقت ان کا دل خلوص اور مہر و محبت کے جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ لیکن سامنے والے سے ملتے ہوئے سراپا انکساری اور محبت بن جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دوسروں کو خوش کرنے اور انہیں راضی رکھنے کے لئے تملق و چاپلوسی اور مصنوعی حُسنِ خُلق کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ یہ بات فراموش کر بیٹھتے ہیں کہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دوسروں کے خیالات اپنے حق میں کرنے سے کہیں زیادہ بہتر و افضل کردار کی بلندی ہے اور ان (دونوں) کے مرتبہ کے درمیان کوئی موازنہ اور تقابل کیا ہی نہیں جاسکتا۔

ان سے ربط و ضبط رکھنے والے لوگ جلد ہی بھانپ لیتے ہیں کہ ان کی تمام کوششوں کا محور اپنے ضمیر و وجدان کی صدا پر لبیک کہنے کے بجائے صرف اور صرف اپنی نفسانی خواہشات کی تسکین ہے اور وہ خوب اچھی طرح پہچان لیتے ہیں کہ یہ لوگ کس حد تک خودنمائی میں مبتلا ہیں۔

دوسروں کی آراء و نظریات اتنے اہم نہیں ہوتے کہ وہ کسی کی خوش بختی اور سعادت میں موثر ثابت ہوں۔ لوگوں کے احساسات اور نظریات کی اہمیت کا صرف ایک حد تک قائل ہونا چاہئے اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ خوش بختی کے حصول کے وسائل خود انسان کے اپنے اندر موجود ہیں۔ بصورتِ دیگر انسان دوسروں کے نظریات کا اسیر اور غلام ہو کے رہ جاتا ہے اور اپنی ذات کا استقلال اور حرّیت گنوا بیٹھتا ہے۔

بیشتر مواقع پر ایک دوسرے کے بارے میں لوگوں کی آراء شخصی منافع کی بنیاد پر قائم ہوتی ہیں۔ اور اکثر غلط ہوتی ہیں اور حالات و تقاضے انہیں ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ ان نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ہم اس خصوصیت کے حامل افراد کی آراء کے معیار کو بخوبی پرکھ سکتے ہیں۔

بنابرایں اگر انسان زندگی میں ایسی صحیح راہ منتخب کرے جس سے دوسرے خوش و راضی نہ ہوں اور اسے یہ اصولی راہ منتخب کرنے پر تنقید و اعتراض کا نشانہ بنائیں تو ایسے شخص کو ان لوگوں کی فضول باتوں پر کان نہیں دھرنا چاہئیں اور رنجیدۂ خاطر ہوئے بغیر اپنی راہ پر گامزن رہنا چاہئے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"لایسوئنک ما یقول الناس فیک فانہ ان کان کما

Marfat.com

يقولون كان ذنباً عجلت عقوبة وان كان على خلاف ما قالوا كانت حسنة لم تعملها"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان باتوں سے رنجیدہ ہو جاؤ جو لوگ تمہارے بارے میں کرتے ہیں۔ اس لئے کہ اگر ان کی نکتہ چینی بجا ہے (اور تم بدکردار ہو) تو تم بہت جلد اپنی بدکرداری کا انجام دیکھ لوگے اور اگر ان لوگوں کی باتیں خلافِ واقع ہیں تو تمہیں بغیر کسی زحمت و کوشش کے اجر و ثواب مل رہا ہے۔" (غرر الحکم ص ۸۲۰)

"برٹرینڈ رسل" کہتا ہے۔

"دوسروں کے خیالات کا ڈر' خوف کی دیگر اقسام ہی کی مانند شاق و ظالمانہ اور ترقی و تکامل میں مانع ہوتا ہے۔ جب تک یہ خوف باقی ہے ہر قسم کی سماجی عظمت و لیاقت کا حصول دشوار ہے۔ اور اس حالت میں فکر و روح کی آزادی کا حصول (کہ حقیقی خوش بختی اسی کا نتیجہ ہوتی ہے) محال ہے۔ کیونکہ سعادت کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ ہم نے زندگی کے لئے جس راہ و رسم کا انتخاب کیا ہے وہ خود ہمارے وجود میں پائے جانے والے افکار و اندیشوں پر مبنی ہو۔ دوسروں کے رجحانات اور سلیقوں سے وابستہ نہیں۔"

(شاہراہِ خوش بختی۔ ص ۱۵۹)

ایک امریکی محقق "ولیم جان ریلی" اس بارے میں لکھتا ہے کہ۔

"کوئی شخص خود پسند متردد لوگوں سے کہ جو نہ گرم ہیں نہ سرد' نہ خشک ہیں نہ تر زیادہ بے وقعت نہیں۔ کیونکہ وہ ہمیشہ اس فکر میں

Marfat.com

رہتے ہیں کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہمیشہ ایسے کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو دوسروں کو بھلے معلوم دیں۔

ایسے لوگ درحقیقت اپنی شخصیت و ارادہ کو دوسروں کی تمایلات پر فدا کردیتے ہیں۔ اگر آپ حد سے زیادہ دوسروں کے زیرِ اثر جائیں گے تو آپ کسی بھی وقت کوئی کام کرنے کی جرات پیدا نہ کرسکیں گے اور کامیابی حاصل نہ کرپائیں گے۔

البتہ اس سے مراد یہ بھی نہیں کہ انسان دوسروں کی خیر خواہانہ اور سود مند تجاویز کو درخورِ اعتنا نہ جانے اور ان سے استفادہ نہ کرے۔ بلکہ ہم جس بات کی نشاندہی کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ صرف ان تجاویز کو قبول کیجئے اور ان پر عملدرآمد کیجئے جنہیں آپ خود سوٗد مند اور وزنی محسوس کرتے ہیں۔

اگر آپ لوگوں کی مغرضانہ خواہشات اور مخصوص تمناؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے تو مشکلات اور بے اطمینانی کا شکار ہوجائیں گے۔ آپ اپنے ان افکار پر جن کے بارے میں آپ کا خیال ہے کہ یہ درست اور مفید ہیں پامردی سے ڈٹ جایئے' آسودہ' مطمئن' مستقل ہوجایئے۔

دوسروں کی بے ہودہ اغراض آپ کے گرانقدر قلبی میلانات اور عمدہ افکار میں تغیر پیدا کرکے آپ کی آزادی' استقلال اور شخصیت و ارادہ کو آپ سے چھین لیتی ہیں۔ اگر آپ نے آزادیٔ فکر کو کھو دیا تو

Marfat.com

گویا آپ نے سب کچھ تلف کردیا۔

لوگوں کے افکار و آراء' خیالات و عقائد متفاوت و متضاد ہوتے ہیں۔ جس قدر آپ لوگوں کی رضاجوئی کی فکر کریں گے اتنا ہی ان سے دوُر ہوتے چلے جائیں گے اور جس قدر آپ ان پر کم توجہ دیں گے اور ان کی باتیں کم قبول کریں گے وہ اتنا ہی آپ کی طرف مائل ہوں گے۔

دنیا فطرتاً ایسے لوگوں کو سراہتی اور پسند کرتی ہے جو اپنے عزم و ارادہ میں جری و بے باک ہوں اور مضبوط قوتِ ارادی کے مالک ہوں۔"

(تفکرِ صحیح۔ ص ۱۲۲)

گوشہ نشینی

عزلت نشینی اور معاشرہ سے کٹ کے رہنے کا ایک سبب انسان میں بدبینی کی حس کا پیدا ہو جانا ہے۔ اس حس کی وجہ سے انسان کی جذباتی و اجتماعی ترقی رک جاتی ہے اور مِل جُل کے رہنے کا خواب یاس و ناامیدی میں بدل کر لوگوں سے میل ملاپ سے زندگی بسر کرنے سے عاجزی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من لم یحسن ظنہ استوحش من کل احد"

"جو شخص بدبینی میں مبتلا ہو اسے ہر ایک سے میل جول سے وحشت محسوس ہوگی۔" (غرر الحکم ص ۷۱۲)

معروف نفسیات دان "شاختر" لکھتا ہے کہ۔

Marfat.com

"ہر کوئی دوسروں سے گھلنا ملنا چاہتا ہے اور اس کی آرزو ہوتی کہ لوگوں کا مرکزِ نگاہ اور ان کا محبوب ہو۔ لیکن جب یہ آرزو پوری ہوتی نظر نہیں آتی تو وہ لوگوں سے موافقت پیدا کرنے کی بجائے ان سے دُوری کو ترجیح دیتا ہے جب کہ اس کا یہ رویّہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا۔ کیونکہ لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور معاشرہ سے دور ہوجانا وقتی طور پر تو باعثِ تسکین ہوتا ہے لیکن یہ کسی صورت ہماری عزیزی احتیاجات اور فطری میلان و آرزوؤں کی تکمیل نہیں کرتا اور ہمارے درد کی دوا نہیں بنتا۔

لوگوں سے دُوری اختیار کرنے اور عزلت نشینی کے بھی مختلف درجات ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آتا ہے جب ناکام و نامُراد شخص اپنے دوستوں' خاندان اور معاشرہ کو یکسر تَرک کردیتا ہے اور گوشہ نشین ہوجاتا ہے۔ لیکن خوش قسمتی سے عام طور پر معاشرہ سے ناسازگاری کا احساس رکھنے والے لوگ اس درجہ پر نہیں پہنچتے۔

میں ایک انجینیَر سے واقف ہوں جو اعلیٰ عہدہ پر فائز اور اپنے فن کا ماہر شمار ہوتا تھا۔ لیکن کارخانہ میں اپنے ماتحتوں کے ساتھ اس کا رویّہ نہایت خشک اور سخت درشت تھا۔ تنہا کھانا کھاتا' دوسروں کے ساتھ گفتگو اور تفریح میں شامل نہ ہوتا اور ہنسی اور مسکراہٹ تو کبھی اس کے چہرہ پر دیکھی ہی نہ گئی تھی۔ کسی میں مجال نہ تھی کہ اس کی کسی بات پر اعتراض یا نکتہ چینی کرے۔

لیکن میں جانتا تھا کہ وہ اپنی اس کیفیت کی وجہ سے دلی طور پر سخت

Marfat.com

عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی دوسروں کے ساتھ بات چیت کرے، ہنسے کھیلے، ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر غذا تناول کرے اور لوگوں سے دوستی و برادری کا برتاؤ کرے۔

جب ایک نفسیات داں نے اس کا نفسیاتی تجزیہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ لاشعوری طور پر اپنے ماتحتوں کی اطاعت شعاری کے بارے میں شک و شبہ کا شکار ہے۔ اس کا خیال تھا کہ کیونکہ اس کے ماتحت اسے سربراہی کے لائق نہیں سمجھتے اس لئے ان سے سختی کا برتاؤ کر کے انہیں اپنے قابو میں رکھا جائے۔" (رشدِ شخصیت۔ ص ۱۱۱)

کتاب ایک انمول دوست

فراغت کے اوقات میں ہم اپنے لئے ایک بہترین دوست کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ یہ دوست "کتاب" اور ایسے امور کے بارے میں غور و فکر کرنا ہے جو ہماری فکری نشوونما کا سبب ہوں۔ ایسے بزرگوں کی تحریروں میں غور و فکر جو صدیوں قبل اس دنیا سے سدھار چکے ہیں اور آغوشِ خاک میں خفتہ ہیں ان عظیم شخصیات کے بے بہا افکار و خیالات اور ان کے کارناموں سے آگاہی کا ذریعہ ہے۔

انسان نے مختلف علوم و فنون میں ترقی کے مدارج اچانک ایک ہی جست میں طے نہیں کر لئے۔ بلکہ یہ ترقی و پیشرفت ان طویل اور متمادی تجربات و آزمائشوں کا ماحصل ہے جو کتب و رسائل اور اسلاف کے علوم و معارف کے توسط سے نسل بعد نسل منتقل ہوتے ہیں۔ اگرچہ مفکرین کی پُر افتخار شخصیتیں

Marfat.com

تاریخ کی تاریکیوں اور ابہامات کی نذر ہوگئیں لیکن ان کے افکار و آثار کتب میں محفوظ ہو کر ہم تک پہنچ گئے۔

ہم ان آثار کے مطالعہ کے ذریعہ گویا صدیوں کا فاصلہ طے کر لیتے ہیں اور ان ممتاز شخصیات کے خیالات و افکار سے آگاہ ہوتے ہیں جن کا آج کوئی نام ونشان بھی نہیں ملتا۔ اور ان آثار کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق کے ذریعہ عظیم و خطیر حقائق کشف کرتے ہیں۔

مطالعہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ہر فرد خواہ وہ دولت مند ہو یا تہیدست عالی مقام شخصیات سے یکساں طور پر فیض یاب ہو سکتا ہے اور اپنے اوقات کو تاریخ کی پاکباز اور عظیم شخصیات سے گفتگو کرتے ہوئے بسر کر سکتا ہے۔ اور صرف پڑھنا جاننے اور حرف شناس ہونے کی بنا پر ہر کسی کو ان سے گفتگو کے مواقع میسّر ہو سکتے ہیں۔ مطالعہ کے ذریعہ کاٹ کھانے والی تنہائی سے بھی نجات حاصل کی جا سکتی ہے اور سکونِ قلب سے بھی بہرہ ور ہوا جا سکتا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من تسلی بالکتب لم تفتہ سلوۃ"

"جو شخص اپنی روح کو کتاب کے مطالعہ کے ذریعہ تسلی بخشتا ہے اس سے سکونِ قلب سلب نہیں ہو سکتا۔" (غرر الحکم ص ۶۳۶)

"من خلا بالعلم لم توحشہ خلوۃ"

"جو شخص علم و دانش کے ہمراہ تنہائی اختیار کرے گا وہ تنہائی کی وحشت سے امان میں رہے گا۔" (غرر الحکم ص ۶۳۶)

ایک یورپی دانشور کہتا ہے کہ۔

Marfat.com

"انسان فطرتاً تنہائی سے گریز کرتا ہے' عزلت نشینی اس کے دل کو نہیں بھاتی' اس کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ دوستوں سے ملے جُلے' اعزّہ و اقربا کے درمیان اُٹھے بیٹھے۔ گویا تنہائی میں اس کی زندگی ناقص ہے اور ایک غیر مرئی بندھن نے اُسے دوسروں سے باندھا ہوا ہے کہ ان کے بغیر اُسے چین و قرار نہیں آتا۔ بے شک کتاب انسان کے لئے بہترین مونس و مصاحب ہے کیونکہ کتاب ہمیں عام افراد کے ماحول سے نکال کر عالی افکار و تصوّرات کی دنیا میں لے جاتی ہے اور عظیم لوگوں کی ہم نشینی فراہم کرتی ہے۔

تنہائی اور بے چارگی کے ایام میں کتاب سے زیادہ وفادار کوئی دوست و مصاحب نہیں۔ دنیا دار لوگوں سے میل جول اکثر اوقات ضرر رساں ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہمیں اکثر اپنے افکار و رجحانات کا تابع کرلیتے ہیں اور کیونکہ خود ہوا و ہوس کے مطیع ہوتے ہیں نتیجے کے طور پر ہمیں بھی فساد و گمراہی کی گھاٹی میں کھینچ لیتے ہیں۔ لیکن کتاب ایک جہاندیدہ بُزرگ کی مانند ہمیں پند و نصیحت کرتی ہے اور اپنے حکمت آمیز کلمات کے ذریعہ ہوس کے اثرات کو ہماری روح سے زائل کردیتی ہے۔"

"تائلر" کہتا ہے کہ۔

"جوانوں کے واسطے کتاب ایک ایسا رہنما ہے جو انہیں فضیلت و شرافت کی جانب لے جاتا ہے۔ کیونکہ جوانی ہیجان و خود سری کا زمانہ ہے اور سن رسیدہ لوگوں کے لئے کتاب تسلی و آسودگی کا سبب ہے

Marfat.com

انہیں بدبختی سے نجات دلاتی ہے کیونکہ پیری دورِ وحشت ہے۔"

(در آغوشِ خوش بختی۔ص ۴۸-۴۶)

جن لوگوں نے دنیا میں عظیم انقلاب بپا کئے ہیں' سوُدمند و ثمر بخش تغیّرات کا سبب ہوئے ہیں اور جنہوں نے انسانی تاریخ کے رُخ کو بدل ڈالا ہے ان ہستیوں کی زندگیوں کا مطالعہ تزکیہ نفس کے لئے نہایت موثر ہے۔ اس طرح انسان کو زندگی کی حقیقتوں کا علم ہوتا ہے اور اس کی روح ان بے بہا نمونوں سے فیض یاب ہوتی ہے۔

بسااوقات تاریخی حوادث و واقعات اور جاوید اں شخصیات کے کارناموں کا مطالعہ قاری کے اندر انتہائی جوش و خروش پیدا کردیتا ہے۔

جس طرح کسی کے دوستوں کو دیکھ کر اس کے اپنے اخلاق اور شخصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی شخص کی کتابوں کا انتخاب اور مطالعہ سے اس کے لگاؤ کو دیکھ کر اس کے طرزِ تفکّر اور روح کی گہرائی سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔

بالکل اسی طرح جیسے بُری صحبت کے خطرات سے بچنے کے لئے دوست کے انتخاب میں احتیاط اور ہوشیاری سے کام لینا ضروری ہے اسی طرح کتاب کا انتخاب کرتے ہوئے بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہر کتاب قابلِ مطالعہ نہیں ہوتی اور اتنی قدر و قیمت نہیں رکھتی کہ اس کے مطالعہ میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا جائے۔ کیونکہ ایسے مطالعہ کا نہ صرف یہ کہ کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ بعض کتب کے مطالعہ سے ذہن پر نقش ہونے والے زہر آلود افکار پاک و بے آلائش روحوں کو مسموم و آلودہ کردیتے ہیں۔ خاص کر نوجوان اور وہ افراد جن

Marfat.com

کے اخلاق کی بنیادیں ابھی اچھی طرح مضبوط نہیں اور جن کی روح ہر نقش قبول کرنے کو آمادہ رہتی ہے وہ اس طرح گمراہی و زوال کی راہ پر لگ جاتے ہیں۔

بصد افسوس ہمارے زمانے میں ایسی گمراہ کُن اور فضول مطبوعات جن کے زیاں بار اور شرمناک نتائج کسی سے پوشیدہ نہیں بہت زیادہ رائج ہیں۔ یہ کتابیں ایسے رہزنوں کی مانند ہیں جو ہمیں نظر نہیں آتے لیکن اپنے قاری کے پاکیزہ قلب اور شفاف ذہن میں داخل ہو کر حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ اُس کے اعتقادات اور فضائل کی بنیاد پر نقب لگاتے ہیں۔

کتب کا انتخاب کرتے ہوئے اکثر جوانوں کے پیشِ نظر اُن کے مضامین اور سبق آموزی نہیں ہوتی بلکہ وہ رومان پرور اور ہوس پرور مطبوعات کا انتخاب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے جب مطالعہ کے لئے منتخب کئے جانے والے مواد کا غور و بصیرت کے ساتھ انتخاب نہ کیا جائے گا اور پڑھنے والے کا مقصد محض خود کو مصروف رکھنا اور اپنی ہوس کی تسکین ہو گا تو تضیعِ اوقات کے ساتھ ساتھ یہ مطالعہ گمراہی' اخلاقی فساد اور قاری کی تعمیری صلاحیتوں کی بربادی کا بھی باعث ہو گا۔

ایک مغربی ماہرِ نفسیات "ریمونڈ پیج" کہتا ہے کہ۔

"مطالعہ کا مسئلہ نوجوانوں کے پیشِ نظر رہنا چاہئے۔ آج جب کہ مختلف روزنامے' انواع و اقسام کے ہفت روزے اور ماہنامے جوانوں کے زیرِ مطالعہ ہیں۔ یہ کہنا ضروری ہے کہ گزشتہ زمانہ کی نسبت اب ہم بہت کم ممتاز افکار اور عقول کا سامنا کرتے ہیں۔

جب نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مطالعہ کے لئے فضول کتب کو منتخب کرتے ہیں تو رفتہ رفتہ ان میں خوبی و بدی کی شناخت کی صلاحیت معدوم ہو جاتی ہے' خراب کتابیں اپنے قاری کے ہیجان اور غم و غصّہ کے احساسات کو بھڑکاتی ہیں۔ اسے اخلاقی فساد کی اتھاہ گہرائیوں کے نزدیک لے جاتی ہیں۔ یہ کتب قوتِ ارادی کو ضعیف کرتی ہیں۔ فکری پستی وجود میں لاتی ہیں اور معنوی زندگی کو پست کردیتی ہیں۔"

(ماو فرزندانِ ما۔ ص ۸۳)

پس کتب کا مطالعہ ایک نہایت مفید عادت ہے جو نا صرف یہ کہ انسان کے افکار و نظریات کو روشنی و تابندگی عطا کرتا ہے بلکہ ممکن ہے انسانی زندگی کی کایا ہی پلٹ کر رکھ دے۔ اور اس کی فعالیت اور سرگرمیوں کو ایسے نئے خطوط پر استوار کردے جو اس کی شخصیت کو ثمر بخش بنا دیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بہت سے نمایاں افراد نے اپنی اخلاقی' روحانی اور علمی قوتوں کو انہیں لبریز منابع (کتب) سے حاصل کیا ہے اور انہی کے ذریعہ مجد و تعالی کی جانب اپنے سفر کا آغاز کیا ہے۔

"تماس ہڈ" کہتا ہے۔

"مطالعہ کتب سے میرے قدرتی و فطری لگاؤ نے میری زندگی کی ناؤ کو اوائلِ عمر ہی میں جہالت و افلاس کے بھنور میں غرقاب ہونے سے محفوظ رکھا۔ جو شخص میری مانند والدین کی محبت اور سرپرستی کی نعمت سے محروم ہو جائے وہ بہت ہی کم اس خوفناک بھنور سے بچ پاتا ہے۔

کتابوں نے مجھے قمار بازی میں ملوث ہونے' شراب نوشی اور نامناسب محفلوں میں رفت و آمد سے بچائے رکھا۔ اور میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جو شخص بزرگوں کے بلند افکار اور گرانقدر کلمات سے کسبِ فیض کرے' محال ہے کہ وہ بُرے لوگوں کی صحبت کی جانب مائل ہو اور اوباشوں کی ہم نشینی اختیار کرے۔"

(اخلاق ساموئیل۔ص ۱۲۴)

Marfat.com

Marfat.com

تیرھواں باب

اپنی ذات پر اعتماد' حق پر اعتماد

کامیابی انسان کا حق ہے ________ ۴۸۲
فریبی آرزوں پر بھروسہ ________ ۴۸۸
رسولِ کریمؐ کا دیا ہوا ایک سبق ________ ۴۹۰
منفی سوچ رکھنے والے اعتماد کی روح سے عاری ہوتے ہیں ________ ۴۹۶
اسلام اور استقلالِ نفس ________ ۴۹۸
انفرادی ذمہ داری ________ ۵۰۱
عمل کی پرکھ کا پیمانہ ________ ۵۰۴
دوسروں کو اپنے ہی جیسا سمجھنا ________ ۵۰۹
خدا پر ایمان کا حیرت انگیز اثر ________ ۵۱۱

Marfat.com

کامیابی انسان کا حق ہے

فنی' اقتصادی' اجتماعی غرض ہر شعبۂ حیات میں انسان کی حیرت انگیز اور تعجب خیز پیشرفت اور اسی مانند تاریخ عالم میں عظیم لوگوں کو حاصل ہونے والی درخشاں کامیابیاں انسان کے اپنی ذات پر بھروسے اور مسلسل سعیٔ پیہم اور متواتر کاوشوں کے مرہونِ منت ہیں۔ کوئی ایک فرد بھی اعتمادِ نفس کے بغیر بلند پروازی اور انسان کے لئے مقرر کردہ حدود عبور کرنے پر قادر نہیں اور جب تک اسے اپنی صلاحیتوں پر کامل اعتماد نہ ہو وہ اس وقت تک کسی کام کی انجام دہی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کامیابی کا یقین ہی انسان کو فتح و ظفر سے ہمکنار کرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ یقین اس راہ میں اٹھنے والے پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے۔

انسان جو بھی کام انجام دیتا ہے اس کے ارادہ' اعتماد اور نظریات کا ماحصل ہوتا ہے۔ اگر یہ چیزیں ناقابلِ توجہ اور ناقص ہوں گی تو کام کا نتیجہ بھی ایسا ہی نمودار ہوگا۔ کبھی بھی اپنے خیالات کو کام کی چھوٹائی یا بڑائی میں مشغول نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ کام کی چھوٹائی یا بڑائی سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اپنی ذات پر بھروسہ کرکے نہایت احتیاط و اخلاص کے ساتھ کام کو اس کے انجام تک پہنچانا

Marfat.com

چاہیے۔

مختلف انسانی معاشروں میں بکثرت ایسے سیلف میڈ افراد پائے جاتے ہیں جنہوں نے اعلیٰ انسانی اہداف کے حصول کے سلسلہ میں اپنے روحانی سرمائے کے ذخائر اور باطنی صفات سے استفادہ کیا' ظاہر ہے جس قدر انسان خود میں پوشیدہ سرمائے سے استفادہ کرے گا اتنا ہی اس سرمائے میں اضافہ ہو گا۔ اپنی صلاحیتوں سے بر محل استفادہ اور بہرہ برداری وہ عالی صفت ہے جو اپنے حامل کو نمایاں افراد کی صف میں کھڑا کر دیتی ہے اور اسے مراحلِ حیات میں عظیم کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے۔

ضعفِ نفس اور ناامیدی جمود و زوال کا پیش خیمہ ہے۔ ایسے افراد جو اپنے ارادہ و عمل پر بھروسہ نہیں کرتے اور اپنی مادّی و معنوی سعادت و کامیابی کے حصول کے لئے دوسروں کو اپنی امیدوں کا مرکز بناتے ہیں اور ایسے صاحبانِ قدرت کے محتاج رہتے ہیں جو انہیں اپنے سائے میں لئے رہیں' ان پر کامیابی کے دروازے ہمیشہ بند رہتے ہیں اور زندگی کی موجیں انہیں مسلسل پیچھے کی سمت دھکیلتی رہتی ہیں۔ اگر کسی کے ذہن میں عدم اعتماد بیٹھ جائے یعنی وہ یہ سمجھنے لگے کہ وہ کسی کام کا نہیں تو گویا اس کی فکری صلاحیتیں اختلال کا شکار ہو چکی ہیں اور اُسے کمال و بلندی کے حصول کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔

کتنی ہی بہترین صلاحیتیں اعتمادِ نفس کے فقدان کی بنا پر اپنے ظہور سے قبل ہی نابود ہو جاتی ہیں اور انتہائی اعلیٰ اہداف و مقاصد اور آرزوئیں دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتی ہیں۔ اگر کسی شخص میں پائی جانے والی صلاحیتیں تو متوسط درجہ کی ہوں لیکن وہ مضبوط اور ناقابلِ شکست خود اعتمادی کا حامل ہو تو اسے ایسی

Marfat.com

کامیابیاں نصیب ہوتی ہیں جن سے انتہائی نمایاں صلاحیتوں کے حامل لیکن اپنی ذات پر متزلزل ایمان رکھنے والے محروم رہتے ہیں۔ کیونکہ ایسا شخص ان قوتوں کو بروئے کار لانے سے عاجز ہوتا ہے جو مشکلات اور رکاوٹوں کا مقابلہ کرنے اور پیچیدہ و گمبھیر صورتِ حال سے نجات کے لئے ضروری ہیں۔

بہت سے لوگ جو استعداد کے لحاظ سے متوسط سطح پر تھے اپنی مضبوط قوتِ ارادی کے بل بوتے پر زندگی کی دوڑ میں بہت آگے نکل گئے اور درخشاں کامیابیوں نے ان کے قدم چومے۔ یہی لوگ اپنی باطنی اور اصل قوتوں کے سائے میں شدید بحرانوں سے نجات حاصل کرتے ہیں۔

اصولاً ایسے ہی لوگوں کی زندگی میں آنے والے پیچیدہ اور شدید بحران ان کی قسمت بدل دیتے ہیں۔ کیونکہ ان بحرانی ادوار میں ان کے اندر مصمم روح' پائیدار اور مثبت صلاحیتیں اور وہ تمام چیزیں جو مثبت عزم و ارادہ کی افزونی کا سبب ہوتی ہیں وجود میں آتی ہیں اور ضعفِ نفس اور اپنی فعالیت پر عدم اعتماد جیسے منفی عوامل کم ہونے لگتے۔

جن لوگوں کے ارادوں میں قاطعیت پائی جاتی ہے وہ پوری قوت سے منفی افکار کو اپنے سے دور پھینک دیتے ہیں اور اپنے اندر جھوٹے ضعف و ناتوانی کے احساس کو پنپنے کا موقع نہیں دیتے۔ ایسے لوگوں کو کسی بھی طریقے سے ان کی منتخب کردہ صحیح راہ سے جس پر انہیں کامل ایمان بھی ہوتا ہے پلٹایا نہیں جاسکتا۔

یہ لوگ اس بات پر کامل اعتقاد رکھتے ہیں کہ خداوندِ عالم نے اِس کائنات میں زندگی بسر کرنے والے کسی ایک فرد کو بھی سعادت و کامیابی کے حصول کے

Marfat.com

سرچشمہ سے محروم نہیں رکھا اور عجز و محرومیت کا یہ احساس جس میں بعض انسان مبتلا رہتے ہیں دراصل ان کی اپنی کج فکری کا پیدا کردہ ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ کامیابی انسان کا حق ہے۔ ایک مثبت اور تعمیری ذہن کے ساتھ اگر ایمان و نظم و تدبیر سے کام لیا جائے تو ہدف تک رسائی قطعی اور یقینی ہے۔

مغربی دنیا کا ایک دانشور "ڈاکٹر مارڈن" کہتا ہے۔

"ایمان و اعتماد ایک تخلیقی' تعمیری اور مکمل قوت ہے۔ اس کے برعکس بے یقینی ایک منفی' پست' تخریبی اور نابود کردینے والی قوت ہے۔

اپنی ذات پر اعتماد شک و شبہ اور غیر مستقل مزاجی کو نابود کردیتا ہے اور انسان کو اس بات کا امکان فراہم کرتا ہے کہ وہ بلاتوقف اور کوئی اضافی قوت صَرف کئے بغیر متانت کے ساتھ آگے بڑھے۔ تمام تخلیق کار' مصلحین' سیاح' محققین' جنگجو اور فاتحین اپنی استعداد اور توانائی پر ایمان رکھتے تھے۔ اس کے بَرخلاف اگر ناتواں اور شکست خوردہ شخصیات کا جائزہ لیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان میں سے اکثر اعتمادِ نفس اور ثباتِ قدم سے محروم تھے۔

ہم نہیں جانتے کہ کارہائے نمایاں انجام دینے کی استعداد رکھنے والے لوگوں کو خدا نے کیا چیز ودیعت کی ہے۔ صرف یہ جانتے ہیں کہ اپنے کام میں کامیابی پر ایمانِ کامل ہی ان کی استعداد کی نمایاں دلیل ہے۔ خداوندِ عالم ایسے لوگوں کی کامیابی کے سلسلہ میں ان کا مددگار ہوتا ہے جنہیں اس نے ایمانِ مطلق کے اسلحہ سے لیس کیا ہے۔

Marfat.com

اعتمادِ نفس کو کسی صورت ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ اور دوسروں کو بھی یہ موقع فراہم نہ کیجئے کہ وہ آپ کے اعتمادِ نفس کو متزلزل کردیں۔ کیونکہ یہی اعتماد آپ کی تمام بڑی کامیابیوں کی اساس ہے۔ اگر اس اساس کو زک پہنچی تو بنیاد ہی گر جائے گی اور اگر یہ اعتماد سالم رہا تو امید کے دروازے ہمیشہ کھلے رہیں گے۔(پیروزی فکر ص ۸۳)

طرزِ تفکر میں سرایت و نفوذ کی صلاحیت ہوتی ہے۔ انسانی زندگی اور اس کے مختلف سماجی روابط میں اس کے نہایت نمایاں اثرات کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر آپ کے افکار پر جرات و اعتماد کا تسلّط ہو تو جہاں بھی قدم رکھیں گے اعتماد و اطمینان آپ کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ اس کے برعکس اگر آپ کے خیالات میں تزلزل اور وسوسہ پایا جائے گا اور آپ کی حسِ اعتماد صفر ہوگی تو یہ دوسری چیزوں کو بھی ضعف و ناتوانی میں مبتلا کردے گی۔

بعض افراد اپنے اردگرد کی فضا کو مسموم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ایسے اذہان میں رسوخ حاصل کرلیتے ہیں جو سعادت مندی اور آزادگی کی راہ میں مستعد ہیں۔ منفی انسان مزرعہ معاشرہ میں بے کار گھاس کی مانند ہوتے ہیں جن کا کام دوسروں کی تخلیقی صلاحیتوں کو کمزور کرنے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ قدرتی بات ہے کہ جس معاشرہ میں اس قسم کے افراد کی فراوانی ہو وہاں نہ صرف سعادت و کامیابی پروان نہیں چڑھے گی بلکہ قاطعیت اور اعتماد ختم ہوجائے گا اور ہر چیز سے میل و رغبت سلب ہوجائے گی۔

دوسری طرف ان لوگوں سے براہِ راست ربط و ضبط' میل جول رکھنے والے لوگوں کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے اور جوں ہی یہ لوگ ان سے دور ہوتے

ہیں انہیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی بلا ٹل گئی ہو اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگتے ہیں۔

معاشرہ میں ایسے لوگوں سے بھی سروکار پڑتا ہے جو اس قدر ضعیف النفس ہوتے ہیں کہ کسی انتہائی معمولی کام کے لئے بھی عزمِ راسخ کرنے کی قوت سے عاری ہوتے ہیں اور حتیٰ ان حساس لمحوں میں بھی جن کا تقاضا ہوتا ہے کہ حتمی اور آخری فیصلہ کیا جائے اور ممکن ہے اس وقت کیا جانے والا فیصلہ ان کی زندگی میں انتہائی دوررس اثرات کا حامل ہو اس قدر بے ثباتی اور تزلزل کا شکار ہوتے ہیں کہ معمولی سے اعتراض و تنقید پر ہی فوراً اپنا فیصلہ بدل ڈالتے ہیں۔ ہرچند وہ فیصلہ صحیح اور منطقی ہی کیوں نہ ہو۔

ناتوانی اور ناکامی کے اندیشہ کے نتیجے میں انسان فوراً دوسروں کی آراء و افکار کے اثر میں آجاتا ہے اور بغیر سوچے سمجھے ان کی باتیں قبول کرلیتا ہے۔ اور حد تو یہ ہے کہ جن کاموں کا آغاز کرچکا ہوتا ہے انہیں بھی نامکمل چھوڑ بیٹھتا ہے۔

بے شک انسان کی روح میں پایا جانے والا یہ نقص اس کو زندگی کے ایک محدود دائرے میں مقیّد کردینے کے سوا کوئی اثر نہیں رکھتا۔

جس قدر کسی شخص میں خود اعتمادی ہوگی اسی قدر دوسرے بھی اس پر اعتماد کریں گے۔ ہر شخص دوسروں پر جو اثرات قائم کرتا ہے وہ خود اپنے اوپر اس کے اعتماد و ایمان سے وابستہ ہوتے ہیں۔

اگر آپ کو خود اپنے اوپر اعتماد ہے اور آپ اپنے کام سے مطمئن ہیں تو آپ اپنے سے میل جول رکھنے والوں کا اعتماد بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ لیکن اگر

Marfat.com

آپ کو خود اپنے نفس پر اعتماد نہ ہو یا ذہن میں معمولی سی بھی دو دلی اور تردد موجود ہو تو آپ کے بارے میں دوسروں کا عقیدہ بھی فوراً دگرگوں ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ آپ کی ہر پُر اعتماد یا تردد و ہچکچاہٹ آمیز حرکت کا دوسروں پر ایک خاص ردِ عمل ظاہر ہوتا ہے۔

فریبی آرزوؤں پر بھروسہ

جس طرح اپنی ذات پر اعتماد اور سعیِ پیہم پر بھروسہ ہدف و سعادت کے حصول کی راہ کا عظیم سرمایہ ہے اسی طرح فعالیت اور کوشش کی بجائے لغو نفسانی خواہشات اور ناممکن الحصول آرزوؤں کو دل میں بسانا زندگی کی حقیقتوں سے گریز کا موجب ہے۔ کبھی کبھی یہ دلفریب آرزوئیں اور دھوکہ دینے والے تخیلات انسانی روح کی گہرائیوں میں اس قدر اثر انداز ہوتے ہیں کہ انسان محال تصورات میں غرق رہنے لگتا ہے اور حقائق کے ادراک اور واقع بینی سے محروم رہتا ہے۔ ایسے لوگ کسی صورت کمال و سعادت تک نہیں پہنچ سکتے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اکذب الامل ولا تثق بہ فانہ غرور و صاحبہ مغرور"

"اپنی دلفریب خواہشات کو حقیقت نہ سمجھو' ان پر بھروسہ نہ کرو کیونکہ ان پر بھروسہ کرنا خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔"

(غررالحکم۔ ص ۱۱۳)

اگر کوئی شخص نامعقول اور فریبی خواہشات پر بھروسہ کرے اور وہ

Marfat.com

خواہشات پوری نہ ہوں یا ان کے حصول میں کوئی لاینحل رکاوٹ کھڑی ہو جائے تو انسان میں ایک قسم کی نفسیاتی بیماری پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک انمول کلام میں آرزوؤں کے بَر آنے کی راہ میں حائل رکاوٹوں اور ان کے پورا نہ ہونے کو نفسیاتی پیچیدگی (Complex) لاحق ہونے کا سبب قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

"ذل الرجال فی خیبة الآمال"

"انسان اس وقت اپنے اندر پستی و حقارت محسوس کرتا ہے جب اس کی آرزوئیں شکست و ناکامی سے دوچار ہوں۔" (غررالحکم ص ۴۰۵)

نفسیات کے ماہرین کی نظر میں بھی شکست احساسِ کمتری کے پیدا ہونے اور اعتمادِ نفس کے خاتمہ کا ایک اہم عامل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ۔

"شاید شکست اور شکست پر ملنے والی سرزنش سے زیادہ کوئی اور چیز انسان کی قدر و قیمت گھٹانے کا موجب نہیں ہوتی۔ شکست کے نتیجہ میں انسان خود کو دوسروں سے کمتر سمجھنے لگتا ہے۔ جب اسے شکست کا سامنا ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں خیال آتا ہے کہ وہ دوسروں سے پست اور کمتر ہے۔ شکست انسان سے خود اعتمادی چھین کر اس کی جگہ لے یاس و ناامیدی دے جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن بچّوں اور جوانوں کو مستقل شکست کا سامنا ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو کمتر سمجھنے لگتے ہیں اور ان کے اندر احساسِ کمتری پیدا ہو جاتا ہے۔"

(روان شناسی برائے زیستن۔ ص ۲۵۲-۲۴۷)

Marfat.com

رسولِ کریمؐ کا دیا ہوا ایک سبق

انسان سازی کے سلسلہ میں پیغمبرِ اسلامؐ کی ایک روش یہ تھی کہ آپؐ اپنے پیروکاروں میں خود اپنے عمل پر تکیہ و بھروسہ کرنے کی روح کی پرورش کرتے تھے۔ مسلمان مکتبِ ارشاد و ہدایت (اسلام) کے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات کے سایہ میں خواہشات و شہوات کی دستبرد سے بچتے ہوئے اور ویرانگر تمایلات کے فریفتہ ہوئے بغیر گہرے اعتماد' عالی ہمت اور عزمِ راسخ کے ساتھ اعلیٰ اہداف کی راہ میں گامزن رہتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کے ایک صحابی کو سخت مالی بحران کا سامنا ہوا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ صورتِ حال ان کی برداشت سے باہر ہو گئی۔ ابھی پانی سر سے گزرنے کو تھا کہ وہ اپنی زوجہ کے مشورہ سے اپنی ناگفتہ بہ صورتِ حال عرض کرنے اور مدد کی درخواست کے ارادے سے رسولِ مقبولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن قبل اس کے کہ اپنا مدعا زبان پر لاتے انہوں نے رسولِ خداؐ سے سنا کہ آپؐ فرماتے ہیں "جو کوئی مجھ سے مدد و معاونت کی درخواست کرے گا میں اُس پر احسان سے دریغ نہ کروں گا۔ لیکن اگر کوئی بے نیازی اختیار کرے اور کسی مخلوق کے سامنے اپنی حاجت پیش نہ کرے تو خداوندِ عالم اس کی محتاجی کو دور کر دے گا۔"

یہ سن کر وہ اپنی حاجت رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش کئے بغیر واپس گھر لوٹ آئے۔ لیکن جب انہیں تنگ دستی اور فقر کے سخت دباؤ سے نجات نہ ملی اور اس کی شدّت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا تو وہ ایک روز پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ لیکن آج بھی انہوں نے سرور کائناتؐ کی زبانِ

مبارک سے وہی پہلے والا جملہ سنا اور وہ اپنی حاجت خدمتِ رسولؐ میں بیان کئے بغیر واپس پلٹ آئے۔

ایک روز بالآخر جب انہیں امید کے تمام دروازے بند ہوتے نظر آئے تو وہ ایک مرتبہ پھر رسولِ کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس مرتبہ بھی آنحضرتؐ کی زبانِ مبارک سے وہی جملہ سنا لیکن آج اس جملہ نے انہیں ایک نئی ہمت و توانائی بخشی اور انہوں نے اپنے اندر گہرا اعتماد محسوس کیا۔ انہیں یوں محسوس ہوا گویا مشکلات کے حل کی کُنجی ان کے ہاتھ آگئی ہے۔ وہ واپس پلٹے، اب وہ نہایت مضبوط قدموں سے چل رہے تھے۔ گہری فکر میں ڈوبے ہوئے تھے اور خود سے ہمکلام تھے کہ۔

"اب بندگانِ خدا میں سے کسی کے سامنے دستِ حاجت دراز نہ کروں گا اور ان سے مدد و مساعدت طلب نہ کروں گا، صرف اور صرف خداوندِ عالم کی قوّتِ لایزال پر بھروسہ کروں گا اور اپنی صلاحیتوں سے حتیٰ الامکان استفادہ کروں گا۔ اے پروردگارِ عالم! میری مدد فرما اور مجھے بے نیاز کردے۔"

اس کے بعد انہوں نے جائزہ لیا کہ وہ کیا کام کرسکتے ہے؟ گہری سوچ بچار کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ صحرا سے سوکھی لکڑیاں جمع کرکے انہیں جلانے کے لئے شہر میں فروخت کیا جائے۔ بالآخر وہ اپنے ارادے پر عملدرآمد کی غرض سے ہاتھ میں کلہاڑی لئے صحرا کی سمت چل پڑے۔ وہاں سے سوکھی لکڑیاں جمع کیں اور انہیں شہر میں لاکر فروخت کردیا۔ اس شام جب ان کے ہاتھ میں اپنی محنت کی کمائی آئی تو انہیں اپنے اندر ایک سُرور و لذّت کا احساس موجزن معلوم

Marfat.com

ہوا۔ اس طرح روز ان کا یہی معمول ہو گیا۔ یہاں تک کہ کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے اس کام کے لئے ضروری اوزار اور باربرداری کے لئے جانور خرید لئے اور ابھی زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ وہ نہایت دولتمند اور کئی غلاموں کے مالک بن گئے۔

ایک روز رسولِ مقبولؐ سے ان کی ملاقات ہوئی تو آنحضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا :

"میں نے تم سے کہا تھا کہ جو کوئی مجھ سے مدد و تعاون کی درخواست کرے گا میں اس پر احسان سے دریغ نہ کروں گا لیکن اگر کوئی بے نیازی اختیار کرے اور کسی مخلوق کے سامنے اپنی حاجات پیش نہ کرے تو خدا اسے بے نیاز کردے گا۔"

(اصولِ کافی۔ج۲۔ص۱۳۹)

معروف دانشور "ساموئیل اسمائیلز" لکھتا ہے کہ۔

"ہر کامیابی کا بنیادی عنصر اپنی ذات پر اعتماد ہے۔ اگر کسی قوم کے اکثر افراد اس فضیلت سے آراستہ ہوں تو وہ ملّت عظیم اور قدرت مند ہوجائے گی۔ اس میں محض اسی فضیلت کا پایا جانا اس کے ارتقاءاور قدرت مندی کا راز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں انسان کا عزم قوی ہوتا جاتا ہے جب کہ اس کے بَرخلاف دوسروں پر بھروسہ کرنے کی صورت میں اس کا عزم ضعیف ہونے لگتا ہے۔

دوسروں سے ملنے والی امداد کے نتیجہ میں اکثر انسانوں میں جدوجہد کا مادّہ کمزور پڑجاتا ہے۔ کیونکہ اس حالت میں انہیں محنت و کوشش

Marfat.com

فضول محسوس ہونے لگتی ہے۔ خاص کر اس وقت جب خارجی امداد ضرورت سے زیادہ ہو جائے۔ ایسے مواقع پر انسان کے اعصاب مکمل طور پر سست پڑ جاتے ہیں اور عزم و ہمت کی روح اور سعی و جہد کی قوّت جاتی رہتی ہے۔

بہترین شرائع و قوانین انسان کو زندگی میں اس بات کی آزادی و خود مختاری عطا کرتے ہیں کہ وہ خود اپنے بھروسے پر اپنی زندگی بسر کرے۔ لیکن انسان ہمیشہ خیال کرتا ہے کہ سعادت و آسائش کی فراہمی قوانین کی ذمہ داری ہے اس کی سعی و کاوش کی نہیں۔ اگر تھوڑا سا بھی غور و فکر سے کام لیں تو اس حقیقت تک پہنچ جائیں گے کہ وہ مفاسد و نواقص جنہیں ہم کسی ملّت سے نسبت دیتے ہیں دراصل وہ مفاسد و نواقص ہیں جو اس قوم کے افراد کی ایک بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ اگر ہم قوانین کے ذریعہ ان مفاسد کی روک تھام کرنا چاہیں تو یہ دوسری شکل و صورت میں یا کسی دوسرے گوشہ سے سر ابھاریں گے۔ تاوقتیکہ بنیادی طور پر پوری قوم کی نفسیات و عادات ہی تبدیل نہ ہو جائیں۔" (اعتماد بہ نفس ص۱۶-۱۴)

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"من لم یتجد لم ینجد"

"جو شخص خود کو بلند نہ کرے اور اوجِ رفعت پر نہ پہنچائے تو کوئی دوسرا اسے بلند نہ کرسکے گا۔" (غرر الحکم ص۶۹۸-۶۴۲)

"من عجز عن اعمالہ ادبر فی احوالہ"

Marfat.com

"جو کوئی عمل و کوشش کے سلسلہ میں سستی اور سہل انگاری میں مبتلا ہوجائے تو اس کی حالت انحطاط و زوال کا شکار ہوجائے گی۔" (غرر الحکم ص۸۹۶-۶۴۲)

ایک مغربی مفکر کہتا ہے کہ۔

"فطرت اپنی قلمرو میں کسی چیز کو بقا کی اجازت نہیں دیتی مگر یہ کہ وہ چیز خود اپنی بقا کے لئے جدوجہد کرے۔ ایک سیارے کی زندگی اور بقاء مدار میں اس کی حرکت سے وابستہ ہے' کوئی درخت اس وقت تک اپنی زندگی جاری نہیں رکھ سکتا جب تک تیز طوفانی ہواؤں سے اپنی حفاظت پر قادر نہ ہو' تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کا سرچشمہ ان کی پُراعتماد روح ہے۔

لیکن اس وقت ہم ایک ایسی بے نظم جماعت کی مانند ہیں جس میں کوئی اپنی حد و سرحد کا پاس و لحاظ نہیں رکھتا۔ ہم میں سے کوئی شخص بھی اپنے باطن میں موجزن صلاحیتوں کے اقیانوسِ بے کنار کو نہیں دیکھ رہا بلکہ اپنی تشنگی کی تسکین کے لئے دوسروں سے پانی کا طلبگار ہے۔

اگر ہمارے جوانوں کو جدوجہد کے پہلے ہی مرحلہ پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے تو وہ مکمل طور پر ہاتھ پیر چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ اگر کسی جوان تاجر کو نقصان سے دوچار ہونا پڑے تو لوگ اسے نامُراد سمجھنے لگتے ہیں۔ اگر کسی ذہین طالبِ علم کو فارغ التحصیل ہونے کے ایک سال بعد تک ملک کے کسی شہر میں کوئی ملازمت نہ ملے تو وہ خود اور دوسرے لوگ

Marfat.com

اسے اس بات کا حقدار سمجھنے لگتے ہیں کہ اب وہ ساری عمر مایوس و نالاں رہے۔

انتہائی محنتی جوان "ورمونٹ" جس نے سالہا سال تک مختلف پیشے اختیار کرکے اپنی زندگی بسر کی کبھی کھیتی باڑی کی' کبھی مزدوری کی' کبھی مدرسہ قائم کیا' کبھی وعظ و نصیحت کی' کبھی ایک روزنامہ کی مدیریت کی ذمہ داری سنبھالی' کبھی زمین کی خرید و فروخت کا پیشہ اختیار کیا الغرض مختلف کاموں میں ہاتھ ڈالے لیکن وہ جب کبھی ناکامی کا شکار ہوتا تو بالکل اس گرتی بلی کی طرح جو چاروں ہاتھ پاؤں کے بل زمین پر آپڑتی ہے فوراً بغیر کسی خوف و خطر کے اٹھ بیٹھتا۔ یہ جوان ان سینکڑوں شہری گڈوں سے کہیں بہتر ہے۔

ایسا جوان زمانہ کے ساتھ قدم بقدم بڑھتا ہے اور کوئی بھی پیشہ اختیار کرتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار نہیں ہوتا' شرمندگی محسوس نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اپنی زندگی کو تلف نہیں کرنا چاہتا بلکہ اس کے ہر ہر دقیقہ سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اس کے پاس ایک کی بجائے سو مواقع ہوتے ہیں۔" (فلسفہ اجتماعی ص ۳۲۸-۳۲۴)

اس کے باوجود کہ نفس پر اعتماد سودمند ترین اور عظیم ترین اخلاقی فضیلت ہے لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ یہ صفت نخوت و خود پسندی نہیں کیونکہ حقیقت بینی اور خود پسندی کے درمیان کوسوں کا فاصلہ ہے۔

جو شخص اپنی توانائی سے زیادہ اور نامعقول حد تک اعتمادِ نفس کا اظہار کرے' اس بارے میں مبالغہ اور غلو کا شکار ہو اور افراط و خوش فہمی کی راہ پر

Marfat.com

گامزن ہو تو ایسا شخص دراصل غرور و نخوت میں مبتلا ہے۔ اس سے عالمِ نخوت میں بہت زیادہ غلطیوں کا امکان ہے۔ مغرور اپنے وہم و خیال میں بسی ہوئی غیر معمولی صلاحیتوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ نیز دشواریوں کا صحیح ادراک نہ رکھنے' ان کا وزن معلوم نہ ہونے اور انہیں سہل سمجھنے کی بناء پر خود کو ان سے مقابلہ کی ضروری قوت سے لیس نہیں کرپاتا۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ بوقتِ ضرورت اپنی صلاحیت اور کاردانی کا ثبوت فراہم نہیں کرپاتا۔

اس کے بَرخلاف حقیقت بین شخص دوَر اندیش ہوتا ہے' انجامِ کار پر نظر رکھتا ہے' ایک فطری اور سالم خوش بینی کا مالک ہوتا ہے اور مقاصد و اہداف کے حصول کے لئے کام کا آغاز کرنے سے قبل نہایت گہرائی سے اپنی طاقت و قدرت کا جائزہ لیتا ہے اور اپنی توانائی کی حدود میں رہتے ہوئے قدم اٹھاتا ہے۔

منفی سوچ رکھنے والے اعتماد کی روح سے عاری ہوتے ہیں

جس طرح خُود اعتمادی کے حامل شخص کے اندر قدرت و توانائی نشوونماپاتی ہے' وہ ترقی و پیش رفت کی منزلیں طے کرتا ہے اور ایک آزاد اور خوش و خرم زندگی بسر کرنے پر قادر ہوتا ہے بالکل اسی طرح ایسے شخص کی تعمیری قوتیں زائل ہوجاتی ہیں اور اس کی استعداد اور سرگرمیوں کی قوت نابود ہوجاتی ہے جس پر منفی افکار اپنا تسلّط جمالیں۔

ہمیشہ حالات کی ناسازگاری کا رونا رونے والا شخص اپنے سامنے صرف اور صرف ناکامیوں کے دروازے کھولتا ہے۔ ایسا شخص بجائے یہ کہ اپنی قسمت اپنے ہاتھ میں لے' حوادثِ زمانہ کا اسیر ہو کے رہ جاتا ہے۔ طوفانِ زندگی کے

تھپیڑے اسے مسلسل پیچھے کی طرف دھکیلتے رہتے ہیں اور اس کے لئے اپنی آرزوؤں کا حصول ممکن نہیں رہتا۔ یہی رویّہ خود اعتمادی کی روح سے عاری اشخاص کی واضح اور امتیازی خصوصیات میں سے ہے۔

نفسیات دان کہتے ہیں کہ۔

"جب بھی منفی سوچ رکھنے والے افراد ملتے ہیں تو کیونکہ ان کی خود اعتمادی کی حس کمزور ہوتی ہے اس بناء پر وہ خود سے مطمئن نہیں ہوتے اور انہیں اپنے اندر نقص نظر آتا ہے۔ یعنی انہیں اس بات کا اطمینان نہیں ہوتا کہ جو کام ان کے سپرد کیا جائے گا' یا جس کی انجام دہی کا ان سے تقاضا ہوگا وہ اسے پورا بھی کرسکیں گے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ان سے کسی کام کی خواہش کی جاتی ہے تو وہ اس خواہش کو رد کردیتے ہیں کیونکہ انہیں خوف ہوتا ہے کہ اگر خواہش کا مثبت جواب دیا اور اس کام سے صحیح طور پر عہدہ برآ نہ ہوسکے تو دوسروں کو ان کی عدم توانائی کا علم ہوجائے گا جس کے نتیجہ میں ان کی بنی بنائی قدر و منزلت گھٹ کے رہ جائے گی۔ اس بناء پر یہ لوگ اپنے گرد "نہ" کا حصار کھینچ لیتے ہیں اور اس حصار کے ذریعہ اپنی حفاظت کرتے ہیں۔

منفی طرزِ فکر رکھنے والا شخص عام طور پر ہر موضوع کا اس کی مخالف سمت سے جائزہ لیتا ہے۔ ہر ایسے مسئلہ کی جس پر گفت و شنید جاری ہو مخالفت میں بولتا ہے۔ افراد' نظریات اور اشیاء کے بارے میں اس کا رفتار و سلوک منفی پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے۔ لہٰذا بہت کم لوگوں

Marfat.com

اور اشیاء سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ تنقید کرتا اور نقص و عیب کا متلاشی رہتا ہے۔ اس کے اندر ایک طرح کا احساسِ برتری اور آقائیت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ قدیم افکار سے بدظن ہوتا ہے اور افکارِ تازہ پر عدم اعتماد کا شکار رہتا ہے۔

منفی طرزِ فکر کے حامل اشخاص اجنبی لوگوں سے ایک طرح کا معاندانہ اور مخالفانہ رویّہ رکھتے ہیں اور اگر کسی اجتماع میں نئے لوگوں سے سامنا ہو تو بہت مشکل سے ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

بعض لوگوں پر تو یہ کیفیت اس قدر حاوی ہو جاتی ہے کہ ہر کسی کے بارے میں سوء ظن رکھتے ہیں اور ہر فکر و نظریہ پر اس کا جائزہ لئے بغیر اور اسے اندر باہر سے پرکھے بغیر تنقید کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بہت کم دوست ہوتے ہیں۔

ایسے لوگوں کو صرف وہ لوگ پسند ہوتے ہیں جو انہی کی مانند ہوں اور وہ بھی صرف اس بناء پر کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ ایسے لوگوں سے رفاقت و دوستی ان کے عقیدہ و نظریہ کی پیشرفت و اشاعت کا ذریعہ ہے۔" (روان شناسی برای زیستن۔ ص ۲۰۰)

اسلام اور استقلالِ نفس

انسان میں استقلال و خود مختاری کے حصول کی خواہش اس کے احساسات کی گہرائیوں سے جنم لیتی ہے۔ یہ فطری خواہش اس وقت جامہ عمل پہنتی ہے جب اس رجحان و تمایل کی بنیاد پر طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔

Marfat.com

اسلام انسانی تمایلات کے سرچشمے کو مخلصانہ اور پاک نظر سے دیکھتا ہے اور نہ صرف یہ کہ اس کے تعمیری محرکات اور بنیادی باطنی خواہشات کو کچلتا نہیں بلکہ اعلیٰ اہداف کے ارتقاء کی راہ میں ان سے مدد لیتا ہے اور ایک ہی لحظہ میں تحریکی قوتوں کو بھی اور اُن بنیادی قوتوں کو بھی جو ان قویٰ کو نظم و ضبط میں لاتی ہیں غور و دقّت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

اس وسیع اور کشادہ نظر کے بل بوُتے پر وہ روح کے مختلف پہلوؤں کا موازنہ کرنے پر قادر ہوجاتا ہے اور پھر اس کی قوتوں کو مناسب اور ثمر بخش مقامات پر کام میں لاتا ہے تاکہ انسانی کمال کے مراحل محکم و استوار قدموں سے طے کرسکے اور اپنی جمع شدہ قوتوں کو زندگی کے بنیادی مقصد کے حصول اور اس اعلیٰ و ارفع مقام تک رسائی کے لئے مصرف میں لائے جو انسانیت کے شایانِ شان ہے۔

ارتقاء کا حصول انسانیت کے مقاصد میں سے ہے، لیکن اگر انسان کی قوتوں کی محدودیت کو نظر میں رکھا جائے تو پست مقاصد پر گامزن رہنے کے لئے اپنی پونجی کو داؤ پر لگا دینے کے بعد اس کے پاس اتنی صلاحیتوں کا باقی بچ جانا محال معلوم دیتا ہے جو اعلیٰ و ارفع مقاصد کی جانب پیش رفت کے لئے کافی ہوں۔ گھٹیا محرکات کا ہمیشہ مثبت جواب دینا انسان کے پستی کے گڑھے میں جا پڑنے کا اصل عامل ہے۔ اس صورت میں انتہائی دشوار ہے کہ انسان گرانقدر سرگرمیوں اور بیش بہا اعمال کا مظاہرہ کرسکے۔

اسلام انسان کے اندر مثبت قوتیں پروان چڑھا کر اسے تمام مشکلات سے مقابلہ کے لئے تیار کرتا ہے۔ تاکہ وہ کٹھن حالات میں بھی ڈٹا رہے اور مسلسل

Marfat.com

جدوجہد کے ذریعہ ہر رکاوٹ کو مغلوب کرلے اور طاقتور لوگوں کے سامنے اپنی حیثیت کی حفاظت کرتے ہوئے ثابت و استوار رہے۔ اس طرح انسان کی ہمت بلند ہوتی ہے اور اس کے اندر حیرت انگیز اور انمول روحانی قوت پیدا ہوجاتی ہے۔

انسان کی عظمت اور استقلال اس بات میں ہے کہ وہ کارزارِ حیات میں عالی ہمتی کا ثبوت دے اور اپنی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے مشکلات کا حل تلاش کرے۔ یہ آرزو اس وقت حقیقت کا روپ دھارتی ہے جب انسان اپنی مادّی و معنوی سعادت تک پہنچنے کے لئے اپنی تمام قوتوں کے ساتھ خود اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"من رقی درجات الهمم عظمته الامم"

"جو شخص بھی اپنی ہمت بلند رکھے اور اس کے اعلیٰ درجات طے کرے اس کی تعریف و تمجید کی جاتی ہے۔" (غررالحکم ص۶۶۱)

جو شخص خود اعتمادی سے تہیدست اور استقلال و شخصیت سے عاری ہو اور ہمیشہ سہاروں کی تلاش میں رہتا ہو اور زندگی کی دشوار گزار کٹھن راہوں میں دوسروں کی حمایت کا سایہ تلاش کرتا ہو وہ اس اُمربیل کی مانند ہے جو سر بفلک درختوں کی شاخوں سے لپٹ کر اپنے آپ کو طوفانِ حوادث سے محفوظ رکھتی ہے۔

ممکن ہے کبھی یہ منفی حالت ایک طاقتور انسان کے لئے بندگی و غلامی کی حس میں تبدیل ہوجائے۔ اور جب انسان خود کو اتنا ذلیل وخوار کرلیتا ہے تو

Marfat.com

مکمل طور پر اپنی شخصیت اور حیثیت کو گنوا بیٹھتا ہے اور معاملات پر اس کی گرفت ختم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اب ایک رہرو ہوتا ہے' رہبر نہیں۔ اب وہ اپنی ذات کا مالک نہیں رہتا اور نہ ہی اسے اپنی آزادی و ارادہ پر کوئی اختیار رہتا ہے اور جب تک اس کے وجود پر یہ طرزِ فکر مسلّط رہے گا اس وقت تک محال ہے کہ وہ اپنا انسانی امتیاز حاصل کر سکے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"من احتجت الیہ هنت الیة"

"تم جس کسی کے محتاج ہو جاؤ گے' اس کے سامنے ذلّت کا احساس کرو گے۔" (غرر الحکم ص ۶۶۸)

انفرادی ذمہ داری

اسلامی نظام میں ابدی اور معنوی سعادت کا حصول بھی انفرادی عمل سے وابستہ ہے۔ اصولاً انفرادی مسئولیت کا احساس ہی اسلامی تعلیمات کے نفاذ کا ذریعہ ہے۔ اسلام کی جانب سے دین و دنیا کے تمام شعبوں میں انسان پر جو وظائف و فرائض عائد کئے گئے ہیں ان کی انجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل پر بھروسہ کرتے ہوئے ان معیّن شدہ مراحل کو طے کرے۔ سزا و جزا کا اصول جو اسلامی تعلیمات کے بدیہات میں سے ہے اسی انفرادی عمل کی بنیاد پر استوار ہے۔

قرآنِ کریم واضح الفاظ میں بیان کرتا ہے کہ انسان کو اپنی سعی و کاوش کے ثمر کے سوا کوئی پاداش نہ ملے گی۔

Marfat.com

"کل نفس بما کسبت رھینۃ"

"ہر شخص اپنے اعمال میں گرفتار ہے۔" (سورۂ مدثر ۷۴۔ آیت ۳۸)

"من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مؤمن فلنحیینہ حیٰوۃ طیبۃ و لنجزینھم اجرھم باحسن ماکانوا یعملون"

"جو شخص بھی نیک عمل انجام دے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو ہم اسے پاکیزہ حیات عطا کریں گے اور انہیں ان اعمال سے بہتر جزا دیں گے جو وہ زندگی میں انجام دے رہے تھے۔"

(سورۂ نحل ۱۶۔ آیت ۹۷)

آخرت میں ملنے والے اجر و عقاب کے علاوہ ہر انسان اس دنیا میں بھی اپنے کیے کا نتیجہ دیکھ لے گا۔

"من عمل سوء یجز بہ فی الدنیا"

"جو کوئی بھی بُرا کام کرے گا' اسی دنیا میں اپنے کیے کی سزا پالے گا۔" (نہج الفصاحہ ص ۵۹۴)

"من یزرع خیراً یحصد زغبۃ و من یزرع شراً یحصد ندامۃ"

"جو کوئی نیکی کا بیج بوئے گا فائدہ اٹھائے گا اور جس کسی نے بدی کا بیج بویا تو اسے پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔"

(نہج الفصاحہ۔ ص ۶۲۲)

امریکی فلسفی "ایمرسن" لکھتا ہے کہ۔

Marfat.com

"دنیا ریاضی کے پہاڑوں (Tables) کے جدول یا الجبرا کی مساوات کی مانند ہے کہ انہیں کتنا ہی اِدھر اُدھر کرلیں پھر بھی خود کو موزوں بنا لیتے ہیں' ان کا حاصل جواب ایک ہی رہتا ہے۔ ہم ریاضی کے ایک مسئلہ کو حل کرنے کے لئے خواہ کتنی ہی راہیں اختیار کرلیں لیکن صحیح جواب وہی ایک آئے گا۔

فطرت خاموشی کے باوجود یقینی طور پر اپنے ہر راز کو بَرملا کردیتی ہے۔ ہر گناہ کی سزا دیتی ہے' ہر فضیلت کے اجر سے نوازتی ہے اور ہر زیادتی کی تلافی کردیتی ہے۔

جس چیز کو ہم عذاب کہتے ہیں وہ ایک آفاقی ضرورت ہے۔ ہم دھواں دیکھ کر یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ آگ سے اُٹھ رہا ہے۔ اگر کسی کے صرف ہاتھ یا پاؤں دیکھتے ہیں تو یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پیچھے ایک پیکر موجود ہے۔

ہر عمل کے ساتھ اس کا صلہ ضرور ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں فطرت کا قانون عمل میں آکے رہتا ہے۔ اس کے دو طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ طبیعیات کے عین مطابق ہوتا ہے یعنی ہر عمل کا اسی جیسا ردِ عمل ہوتا ہے یہ حقیقی فطرت ہے اور دوسرا طریقہ فطرت کا ظاہری طریقہ ہوتا ہے جس کو ہم جزا یا سزا کا نام دیتے ہیں۔ کوئی بھی عمل ہو اس کے ساتھ اس کی جزا یا سزا ضرور ہوتی ہے اور آنکھ سے دکھائی دیتی ہے' اگر چشمِ سر سے دکھائی نہ بھی دے تو ذرا سا غور کرنے سے عقل کی آنکھ سے ضرور نظر آجاتی ہے۔ دوسرے طریقے میں جو سزا

Marfat.com

ہوتی ہے وہ اصل کام سے جدا نہیں ہوتی البتہ اکثر ایک طویل مدت تک ظاہر نہیں ہوتی۔

کسی مخصوص گناہ کی سزا ممکن ہے اس کے وقوع کے سالہا سال بعد ملے لیکن ملتی ضرور ہے کیونکہ یہ جرم کالازمہ ہے اور زنجیر کی کڑیوں کی مانند اس سے پیوست ہے۔ جرم اور سزا ایک ہی تنے کی شاخیں ہیں۔ جزا وہ لذیذ پھل ہے جو یک بیک شگوفہ سے پھوٹ پڑے۔"

(فلسفہ اجتماعی۔ ص ۳۷۸)

عمل کی پرکھ کا پیمانہ

اسلام انسان کو عمل پر ابھارنے والے باطنی محرکات پر خاص توجہ دیتا ہے اور کاموں کو "نیت" کے محور پر استوار کرتا ہے۔

ہر عمل خوبی اور بدی کے دو مختلف پہلو رکھنے کے ساتھ ساتھ مزید دو پہلوؤں کا حامل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ممکن ہے کوئی عمل ایک پہلو سے گرانقدر و ارفع اور دوسرے سے بے قیمت و پست ہو۔ اس سلسلہ میں دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ کس نفسانی و روحانی محرک نے فاعل کو اس فعل کی انجام دہی پر ابھارا ہے اور انسان فکری طور پر کس مقصد کا جویا ہے۔

ان معاملات میں عام طور پر ہم عمل کے اجتماعی و خارجی اثرات دیکھ کر فیصلہ کرتے ہیں۔ ہمارے پیشِ نظر فاعل کی نیت نہیں ہوتی۔ اس طرزِ تفکر کی رو سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ نیک کام کرنے والے کا مقصد ریاکاری اور نفع اندوزی تھا یا کوئی عالی محرک اور کوئی پاکیزہ قلبی نیت اس عمل کا سبب

Marfat.com

تھی۔ پس عام طور پر نیک عمل اسے سمجھا جاتا ہے جو معاشرہ کے لئے مفید ہو' اس طرزِ تفکّر میں عمل انجام دینے والے کی روح کی بلندی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور نہ یہ پیشِ نظر ہوتا ہے کہ کونسا عامل اس کام کی انجام دہی میں موثر رہا تھا۔

لیکن خداوندِ عالم کے نظام میں عمل کی کمیّت پر توجہ نہیں دی جاتی بلکہ درگاہِ باری میں عمل کی کیفیت اور فاعل کی نیت اور باطنی محرّکات کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔ یہاں اس بات کو اہمیت دی جاتی ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان کس قسم کا ارتباط تھا اور کس ہدف و نیت کو سامنے رکھتے ہوئے کام کیا گیا تھا۔ اگر نیک کام سے اس کا مقصد تظاہر رہا تھا تو نہ صرف یہ کہ ایسے شخص کی روح بلند نہ ہوگی بلکہ وہ پستی کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ مذہبی نکتہ نظر سے عمل کی صالحیت کے لئے اس کا محض معاشرہ کے لئے مفید ہونا ہی کافی نہیں۔ معاشرہ کے لئے ایک مفید عمل اس وقت روحانی کمال کے لئے سودمند ہے جب اس میں خودنمائی اور خواہشاتِ نفس کی پرستش کا شائبہ تک نہ ہو اور مکمل اخلاص و صفا پر مبنی ہو۔

قرآنِ کریم فرماتا ہے کہ۔

"وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین له الدین"

"اور انہیں صرف اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ خدا کی عبادت کریں اور عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں۔" (سورۂ بینہ ۹۸۔ آیت ۵)

رسولِ اکرمؐ فرماتے ہیں۔

"انما الاعمال بالنیات"

Marfat.com

"عمل کی قدر و قیمت نیت سے وابستہ ہے۔" (نہج الفصاحہ ص ۱۹۰)

مذکورہ ثابت و معین بنیاد پر اعمال کی قبولیت اور قدر و قیمت کے درجات میں تمیز کی جاتی ہے۔ درگاہِ الٰہی میں ایسا ہی عمل درجہ قبولیت کو پہنچے گا جو خالص رضاء باری کے لئے ہو اور وہی بندہ بلند درجات حاصل کرے گا جس کا عمل صرف اور صرف خوشنودیٔ رب کے لئے ہو۔

خدا پر مضبوط ایمان کی ایک دلیل خالص نیت کا حامل ہونا اور صرف اسی کی خوشنودی کا طالب ہونا ہے۔ اس صورت میں اعمال کو ایک خاص قدر و قیمت اور امتیاز حاصل ہو جاتا ہے اور اس نیت کے ساتھ عمل انجام دینے والا خداوندِ عالم کے بے کنار لطف و کرم کا حقدار قرار پاتا ہے۔ یہ بیش قیمت و محکم معیار انسان کے عمل، تحمل اور درک و احساس کی حدود سے باہر نہیں۔

جس شخص کے قلب میں عظمتِ الٰہی کی مشعل روشن نہ ہو اور جس کا دل اخلاص و ایمان سے خالی ہو اس کو عمل پر اکسانے والے محرکات نفسانی خواہشات یا ناپائیدار شہرت ہوتے ہیں۔ ایسے شخص کے عمل کا آغاز و اختتام بے روح اور خالی از حقیقت ہوتا ہے۔ اس کا مطمع نظر ہوتا ہے کہ لوگ اسے عزت و احترام کی نظر سے دیکھیں اور پاک انسانی فضائل کا مالک سمجھیں۔ یہی پست ہدف درگاہِ خدا میں اس کے اعمال کے رد ہونے کا سبب ہوتا ہے۔ ایسے شخص کی آلودہ متاع بارگاہِ الٰہی میں کسی قدر و قیمت کی حامل نہیں ہوتی، اور اپنے پیشِ نظر محدود و ناچیز ہدف تک رسائی کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

وہ لوگ جو اعتمادِ نفس سے سرشار اور اپنے عمل پر بھروسہ کرنے والے ہیں وہ خودنمائی اور تظاہر کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ خودنمائی ان لوگوں کا شیوہ

Marfat.com

ہے جو فاقد العمل، اعتمادِ نفس سے عاری اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔
ایسے لوگوں کے بارے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"لسان المرائی جمیل و فی قلبہ داء دخیل"

"ریاکاری کرنے والے کی زبان میٹھی ہوتی ہے۔ لیکن اس کے دل کی گہرائیوں میں بیماری پائی جاتی ہے۔" (غرر الحکم ص ۱۰۶)

"الافتخار من صغر الاقدار"

"خود پر فخر کرنا آدمی کی پستی کی علامت ہے۔" (غرر الحکم ص ۶۱۰)

معروف نفسیات دان (شاختر) کہتا ہے کہ۔

"بعض لوگ ناکامی اور شکست کے بعد بھی دوسروں کی توجہ کے حصول کی غرض سے ایک اور کام کرتے ہیں اور وہ ہے لاف زنی اور خود اپنے منہ میاں مٹھو بننا۔ یوں ظاہر کرتے ہیں جیسے حسبِ دلخواہ کام کرنے کے نتیجہ میں ان کی آرزو بر آئی ہے۔ یا اگر کامیابی حاصل نہ کر سکے ہوں اور اس سلسلہ میں کوئی اہم اور نمایاں کام بھی نہ کیا ہو تب بھی اپنی کارگزاری کا بار بار تذکرہ کرکے (خواہ وہ انتہائی معمولی ہی کیوں نہ ہو) اسے بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایسے لوگ یہ عمل انجام دے کر خود کو دھوکا دے رہے ہوتے ہیں اور اس قدر جھوٹ و فریب کے ذریعہ خود اپنے آپ کو مطمئن و مسرور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حتیٰ رفتہ رفتہ ہر قسم کی سعی و جہد سے دستکش ہو جاتے ہیں۔

اگرچہ خود اپنی تعریف کرنا اور ڈینگیں مارنا انسان کو تھوڑی دیر کے لئے ناکامی کے عذاب سے نجات دلا دیتا ہے اور اپنی شکست سے توجہ ہٹ جانے کی بناء پر وہ اپنے اندر آسودگی محسوس کرنے لگتا ہے اور وقتی طور پر اپنے مخاطبوں کو فریب میں مبتلا کر دیتا ہے لیکن بہرحال یہ درد کی دوا نہیں۔

جو شخص صحیح کام انجام دے سکتا ہے اس کے لئے کامیابی کا حصول ممکن ہے اور اپنی خوش گفتاری سے لوگوں کے دلوں پر راج کر سکتا ہے۔ اسے لاف زنی اور خودستائی کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے وہ سعی و عمل انجام دیتا ہے اور ہر روز دوستوں اور بہی خواہوں میں اضافہ اور عظیم کامیابیاں حاصل کرتا ہے۔"

(رشدِ شخصیت۔ص ۹۲)

"شوپنھاور" کہتا ہے کہ۔

"خودستائی لوگوں کو آپ سے نفرت میں مبتلا کر دیتی ہے۔ کیونکہ یہ ایک طرف تو دروغ اور فریب کی علامت ہے اور دوسری طرف انسان کی حماقت و نادانی کا سبب ہے۔ جو شخص مسلسل اپنی کسی صفت کا دم بھرتا رہتا ہے وہ قطعی طور پر اس صفت سے محروم ہوتا ہے۔ ایسے لوگ جو ہمیشہ اپنی کامیابیوں' اپنی عقل و تدبیر اور قوت و صلاحیت کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہیں یقین جانئے یہ لوگ ان خصوصیات سے کُلّی طور پر عاری ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ جھوٹ و فریب زیادہ عرصہ نہیں چل پاتا اور ان

Marfat.com

مذموم صفات کا حامل انسان بہت جلد اپنی عزّت گنوا بیٹھتا ہے۔"

(افکارِ شوپنھاور۔ص ۹۲)

دوسروں کو اپنے ہی جیسا سمجھنا

جب کوئی انسان آلودگی اور پلیدگی کی انتہاؤں کو چھو لیتا ہے تو وہ دوسروں کے اعمال و کردار کی بھی اپنی ناپاک و آلودہ نیت اور کردار کی بنیاد پر توجیہ کرتا ہے اور انہیں بھی اپنی ہی مانند سمجھتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"الرجل السوء لا یظن باحد خیراً لانه لا یراه الا بطبع نفسه"

"پلید و آلودہ شخص دوسروں کے بارے میں سوء ظن رکھتا ہے کیونکہ وہ انہیں بھی اپنے ہی جیسا سمجھتا ہے۔" (غرر الحکم۔ص ۱۰۴)

یہ بات علمی طور پر بھی ثابت ہے اور نفسیات داں اس کے بارے میں یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں۔

"جب دنیا ہمارے عواطف و افکار اور تمایلات کی حدود سے بھی زیادہ آلودہ ہوجاتی ہے تو مسلّم ہے کہ ہم اس میں موجود ہر چیز کو اپنی مخصوص نظر سے دیکھنے لگتے ہیں۔ گویا ہمارے احساسات کائنات پر سایہ فگن ہوجاتے ہیں' تیز ہوا ہمیں ناامیدی و یاس میں گرفتار کردیتی ہے۔ نرم و لطیف بادِ بہاری ہمارے اندر سکون و راحت کا احساس پیدا کردیتی ہے۔ اور اس طرح طبیعت کو ہم اپنے احساسات کے

Marfat.com

دریچے سے دیکھنے لگتے ہیں۔ اپنے احساسات کے فرمان کے تحت ممکن ہے کسی بلی کو ہم ایک ظریف اور پسندیدہ حیوان سے تعبیر کریں یا ایک موذی کو نفرت انگیز حیوان سمجھیں۔ احساسات و عواطف ہمارے سامنے مکمل طور پر اس دنیا کو بدل کر رکھ دیتے ہیں جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہوں۔ بالفاظ دیگر یہ کہ ہمارے لئے ایک جہانِ نو وجود میں لاتے ہیں۔

ایک روز ایک شخص نے کسی جگہ کوئی چیز بجائی اور وہاں موجود لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کس چیز کی صدا ہے؟ تمام حاضرین نے علیحدہ علیحدہ جوابات دیئے۔ ایک نے کہا مجھے سیٹی کی سی آواز محسوس ہوئی تھی، دوسرے نے کہا میں نے بگل کی آواز سنی تھی، تیسرے نے کہا کوئی انسان بول رہا تھا، علیٰ ہذا القیاس ہر ایک نے ایک نئی بات کی۔ یہاں یہ بات مسلّم ہے کہ جو آواز ہر سننے والے کے کان میں گئی وہ اس کے تجربات کے مطابق ہوگی۔ اور یہ بھی ظاہر ہے ایک صدا اس قدر مختلف اثرات نہیں رکھ سکتی بنابرایں اس آہنگ کو مختلف لوگوں کے مختلف سمجھنے کی وجہ ان کا ذاتی تجربہ تھا۔

معروف داستان "ایڈگاپور" میں قاتل بچے کے گلے سے نکلنے والی غصیلی آواز کی اسے سننے والے جرمن، فرانسیسی، اطالوی اور روسی لوگ مختلف تعبیریں کرتے ہیں۔

جج اور وکیل صاحبان جانتے ہیں کہ بہت ہی کم ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ کسی سادہ سے واقعہ کو انتہائی نزدیک سے دیکھنے والے لوگ بھی جب

Marfat.com

گواہی کے لئے پہنچیں تو اسے یکساں انداز میں بیان کر سکیں۔"

(روان شناسی برای ہمہ۔ ص۲۵۹)

خدا پر ایمان کا حیرت انگیز اثر

اپنی ذات پر ایمان نہ صرف خداوندِ عالم پر توکّل سے منافات نہیں رکھتا بلکہ خداوندِ عالم پر اعتماد اور اس کی لایزال قدرت سے مدد چاہنا انسان کی قدرتِ نفس اور اس کی شخصیت کے انبساط کا ذریعہ ہے۔

باایمان شخص اپنی ذات پر اعتماد اور شخصیت پر استقلال کے سرمایہ کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اختیار میں موجود امکانات سے مکمل اور بھرپور استفادہ کرتا ہے۔ اور میسّر مواقع کو ضائع نہیں کرتا۔ بااین ہمہ اپنی روح کو مادّی علل و عوامل میں محصور نہیں کرتا اور اس کی انسانیت مادّی حصار میں محدود ہو کر نہیں رہتی بلکہ اس کی بلند پروازی اعلیٰ اہداف کے حصول تک جاری رہتی ہے۔

ایسا انسان جس کا قلب نورِ ایمان سے لبریز ہو اس کا بھروسہ و اعتماد اس خداوندِ عالم پر ہوتا ہے جس کے ہاتھ میں تمام امورِ کائنات کی تدبیر ہے اور کسی کام میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

"ما یفتح اللّٰہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا وما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہٖ وھو العزیز الحکیم"

"اللہ انسانوں کے لئے جو رحمت کا دروازہ کھول دے اس کا کوئی

Marfat.com

روکنے والا نہیں ہے اور جس کو روک دے اس کا کوئی بھیجنے والا نہیں ہے' وہ ہر چیز پر غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔"

(سورۂ فاطر ۳۵- آیت ۲)

بشر خداوندِ عالم کے دستِ قدرت سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے؟ غیرِ خدا کی آغوش میں پناہ لینے کا نتیجہ سوائے ذلت و خواری' زبونی و پستی کے کچھ برآمد نہ ہو گا۔ ایسی بے آسرا و عاجز مخلوق جو ہر چیز کے لئے خداوندِ عالم کے سامنے نیاز مند ہو اور خود سے کسی چیز کی مالک نہ ہو کس طرح دوسروں کے لئے صاحبِ امر ہو سکتی ہے؟

بنا بر ایں انسان کے سامنے خداوندِ عالم کی حمایت اور اسی کے لطف کے سائے میں زندگی بسر کرنے سے بہتر کوئی راہ نہیں۔ اس خدا کی رحمت کے سائے میں جس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات ہے۔

سختی اور آسائش ہر حال میں خداوندِ عالم کے سامنے فروتن و خاضع رہنا اور اس حقیقت پر ایمانِ راسخ رکھنا کہ تمام قدرتوں اور علل و عوامل پر خداوندِ عالم کی نامحدود قدرت حاکم و فرمانروا ہے انسان کی روح پر حیرت انگیز اور خوشگوار اثرات مرتب کرتا ہے اور انسانی قلب و ضمیر میں ایسا اطمینان و آسودگی پیدا ہو جاتی ہے جو کسی بھی مشکل سے مشکل صورت میں اس سے جدا نہیں ہوتی اور کوئی بھی چھوٹی بڑی بات اسے مضطرب اور دلگرفتہ نہیں کرتی۔

جب انسان اپنی روح و ادراک کو مقدور بھر حق کے حوالے کر دیتا ہے اور اس کی روح خداوندِ عالم کی اطاعت سے سرشار ہو جاتی ہے تو پھر ناگوار حوادث کے موقع پر وہ نالہ و فریاد بلند نہیں کرتا اور نہ ہی کامیابیاں اسے بدمست و مغرور

Marfat.com

بناتی ہیں۔ ایسے تمام امور جو دوسروں کو خود باختہ کردیتے ہیں اس پر کوئی نامطلوب اثر نہیں چھوڑتے اور استوار عزم اور اطمینانِ کامل سے سرشار روح کی بنا پر وہ کسی صورت یاس و ناامیدی میں جو بہت سی ناکامیوں اور شکست کا موجب ہے مبتلا نہیں ہوتا۔

خدا پر بھروسہ کبھی بھی ناتوانی' ضعف اور لاتعلقی پر منتہی نہیں ہوتا بلکہ ایک ایسی خود اعتمادی عطا کرتا ہے جو قوتِ ارادی کو مضبوط بناتی ہے اور دل سے ہر قسم کے شک و تردید اور وسوسوں کی جڑ کو اکھاڑ پھینکتی ہے۔

انحطاط کا شکار معاشروں میں ناموافق ترین حالات میں مخرّب عوامل کے خلاف مردانِ الٰہی کی سعیٔ پیہم ایک حقیقتِ لامحدود پر بھروسہ سے قوّت حاصل کرتی ہے اور وہ اپنے اصلاحی لائحۂ عمل کے اجراء اور خلقِ خدا کی رہنمائی کے سلسلہ میں اسی نامرئی عامل سے مدد لیتے ہیں اور کیونکہ ان لوگوں کی روح خداوندِ عالم کی لازوال قدرت کے اٹوٹ بندھن میں بندھی ہوتی ہے لہٰذا وہ نہایت قاطعیت کے ساتھ آخری مرحلے تک اپنے ہدف کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

خدا پر تکیہ کئے بغیر انسان کا محض خود اپنی ذات پر بھروسہ کرنا اس کی روح کو ناراحتی و ناآسودگی سے نجات نہیں دے سکتا۔ ایسا شخص جسے ذاتِ پروردگار پر بھروسہ نہ ہو اور جس کی نگاہ مادّہ اور مادّیات کی سرحد سے آگے نہ جاتی ہو اس کی روح کو دشواریاں اور نامساعد عوامل توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ درایں حالات وہ کمال و ارتقاء کے مدارج پر پیش قدمی سے محروم رہتا ہے اور انتہائی عظیم حقائق و معارف کو درک کرنے سے عاجز ہوجاتا ہے اور بسا اوقات اس کی

Marfat.com

خواہشات و میلانات کے خلاف رونما ہونے والا معمولی سا حادثہ بھی اسے رنجِ گراں سے دوچار کر دیتا ہے۔ یا وہ خوفناک مشکلات کے مقابلہ سے فرار اختیار کرتا ہے۔

ہم صدرِ اسلام کے مسلمانوں کی روحانی کیفیت کا جائزہ لے کر' جو خداوندِ عالم پر اعتماد و یقین کا بہترین نمونہ تھے اس موضوع کو بہتر انداز میں سمجھ سکتے ہیں۔

ایسے لوگ جو اپنے عقیدہ کی پیشرفت اور ہدف کے حصول کی جستجو میں مصروف کار رہے ہیں اور ایک جدید اور سعادت مند معاشرہ کی تشکیل کی غرض سے نہایت طاقت فرسا اور دشوار حالات میں سعی پیہم جن کا شیوہ رہی ہے۔ ان کی طرف کسی صورت عاجزی و سستی' منفی حالت اور بے تعلقی کی نسبت نہیں دی جاسکتی۔

ایسے لوگ جنہوں نے اس پر تحرک مکتب (اسلام) میں تربیت پائی ان پر کبھی بے اطمینانی غالب نہیں ہوئی اور سکون و اطمینان کے حامل ان کے ارادۂ استوار ہی کی طاقت ہے جس نے ان کے سامنے ترقی کی راہیں کھولیں اور ایک بے نظیر اور یگانۂ تاریخ معاشرہ قائم کیا۔

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ زندگی میں اپنے مقام کا جائزہ لے اور یہ جاننا چاہے کہ اس نے میدانِ حیات میں کس راہ کا انتخاب کیا ہے' خیر و سعادت کی منزل کی جانب گامزن ہے یا نکبت و فلاکت کی طرف وہ اپنی روحانی احتیاجات سے شناسائی کے بعد بخوبی ان عوامل و شرائط سے مقابلہ کر سکتا ہے جو اس کے روحانی اعتدال میں خلل کا سبب بنتے ہیں اور ان عوامل و شرائط کو کسی صورت اس

Marfat.com

بات کی اجازت نہ دے گا کہ وہ اس کے خلاف متحد ہو جائیں۔ یہ مسلّم ہو جانے کے بعد کہ نقص و عیب نے انسان کے وجود پر تسلّط حاصل کرلیا ہے جب تک اس کے سبب کا تعیّن نہ ہو جائے اس وقت تک اس کا علاج ممکن نہیں۔

ایسے لوگ جو عدم اعتماد کا شکار ہوں اور ناکامی کے خوف سے کاموں میں ہاتھ ڈالنے سے کتراتے ہوں ان کے لئے بہترین راہِ حل یہ ہے کہ سب سے پہلے اس نقص کے عوامل و اسباب کی چھان بین کریں۔ کیونکہ ہر قسم کی بیماری کے علاج سے قبل اس کے علل و اسباب سے واقفیت ضروری ہے۔ اور یہی طریقہ اختیار کرکے وجود کی گہرائیوں تک راہ پائی جاسکتی ہے اور علاج کی کلید ہاتھ آسکتی ہے۔

بے شک کسی شخص پر یہ ثابت ہو جانا کہ اس میں کہاں نقص پایا جاتا ہے ان کوششوں میں سب سے زیادہ ثمر رساں کردار ادا کرتا ہے جو وہ اپنے نقائص کی تلافی اور انہیں جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے کر رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ ناموافق روحانی عوامل سے مقابلہ انسان کی قدرت اور صلاحیت کے ہاتھ میں ہے۔

ہر بُری عادت اس ضعف کی علامت ہے جو اس عادت کی تکرار کی بنا پر انسان کو لاحق ہوتی ہے اور بالآخر ایک دیرینہ بیماری کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں عادت کو بدل ڈالنا ذرا مشکل محسوس ہوتا ہے لیکن بار بار کی ریاضت اور مشق کے ذریعہ عادت کو اس دوسری راہ پر ڈالا جاسکتا ہے جو سابقہ نقص سے مختلف ہوتی ہے۔ ہر زیاں بار عادت پر غلبہ روحانی صفا و امتیازی خصوصیات کے حصول کی راہ میں ایک عظیم کامیابی کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ۔

"بغلبة العادات الوصول الی اشرف المقامات"

"انسان ضرر رساں عادات پر غلبہ حاصل کرکے ارجمند و عالی درجات تک پہنچ جاتا ہے۔"(غررالحکم ص۳۳۵)

چودھواں باب

خوف بھی رجا بھی

غریزۂ خوف ______ ۵۱۸

نہ بزدلی اور نہ ہی گستاخی ______ ۵۲۴

زندگی کی خصوصیات سے ناواقفیت ______ ۵۲۶

امید و بیم دونوں فطری ہیں ______ ۵۳۰

ضعفِ ارادہ ______ ۵۴۱

شجاعت کا وسیع مفہوم ______ ۵۴۴

ریاکاری خوف کا ردِّ عمل ہے ______ ۵۴۸

Marfat.com

غریزۂ خوف

خوف ہرذی روح کے اساسی غرائز میں سے ایک اور ان بدیہی کیفیات کا جز ہے جن کا اظہار وہ کسی خطرہ کا سامنا ہونے پر کرتا ہے۔ کارگاہِ حیات میں جب کبھی انسان کسی ایسے دوراہے پر جا پہنچے جہاں اسے فرار کی صورت میں جان کی سلامتی نظر آئے اور قرار کی صورت میں نابودی یا کسی مشکل میں پھنس جانے کا خدشہ ہو تو خوف اسے اپنی بھرپور قوت کے ساتھ بقائے حیات کی راہ اختیار کرنے پر اکساتا ہے۔

اگر ماقبلِ تاریخ کے انسان گوناگوں خطرات سے احتراز کی روش پر گامزن نہ ہوتے تو آج نسلِ انسانی کا نام و نشاں بھی نظر نہ آتا اور انسانی حیات اسی دور میں دم توڑ دیتی۔

خوف نہ صرف انسانی جسم کو خطرات اور نابودی سے محفوظ رکھنے میں موثر ہے بلکہ انسان کے مقام و حیثیت اور مرتبہ و شخصیت کی حفاظت کے سلسلہ میں بھی کارگر ہے۔ عام تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ دوسرے ہر کسی خطرے سے زیادہ لوگوں کو اپنے اوپر دوسروں کے تسلّط کا خوف لاحق ہوتا ہے۔ اس راہ سے انسان کے دامن گیر ہونے والا خوف ممکن ہے انسان کو مہینوں اور برسوں ہر قسم

Marfat.com

کی جنبش و حرکت اور فعالیت و سرگرمی سے باز رکھے اور وہ اپنی جگہ ساکت و صامت رہے۔

درحقیقت اس خوف کی وجہ شخصیت و حیثیت کے داغدار ہو جانے یا اسے کھو بیٹھنے کا خطرہ ہے۔ اس مشکل میں گرفتار شخص محسوس کرنے لگتا ہے کہ اس سے ہر قسم کے عزم و ارادہ کا اختیار سلب ہو چکا ہے اور اس سلسلہ میں دوسروں سے مدد لینا اور ان کی مدد سے اپنے لئے کسی راہ کو دریافت کرنا ناگزیر ہے۔

جس قدر انسان کو اپنی شخصیت کے چھن جانے کا احساس شدید ہو گا اسی قدر اسے وحشت ستائے گی اور بسا اوقات یہ حالت جنون کی حدوں کو چھونے لگتی ہے۔ یہ جو کہا جاتا ہے (اور خود ہم نے بھی گفتگو کے آغاز میں اس کا اظہار کیا) کہ خوف ذاتی غرائز میں سے ہے اور بقائے حیات کے لئے مفید ہے تو یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ حدِّ اعتدال میں ہو۔ خوف جب افراط کی جانب بڑھنے لگتا ہے تو وہ زیاں بخش بن جاتا ہے۔

بے بنیاد اور خیالی خوف و ہراس بے جا توہمات اور وسوسوں کا نتیجہ ہے۔ بدبختی اور ناراحتی کے واقع ہونے سے قبل ان کا امکان ظاہر کرنا ایک طرح کی تکلیف دہ بیماری ہے جو فکر و شعور کی قوتوں کو کمزور کر دیتی ہے۔ ماہرین کے مطابق بے شمار لوگ اس بیماری کی بنا پر اپنی صحت و سلامتی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں بلکہ یہ اور بہت سے نقصانات کا سبب بھی بنتی ہے۔

بارہا دیکھا گیا ہے کہ خوف و ہراس کی بنا پر موت واقع ہو جاتی ہے۔ بسااوقات خوف و تشویش ایک ایسی بیماری کا پیش خیمہ ثابت ہوتے ہیں جو انسان میں انتہائی شدید نفسیاتی تغیرات رونما کرتی ہے۔

Marfat.com

بعض افراد کسی مبہم اور نامعلوم وحشت میں مبتلا ہوتے ہیں اور اپنے خوف کی وجہ بتانے سے عاجز رہتے ہیں۔ یا پھر انتہائی نزدیکی افراد ان کے درد آشنا ہوتے ہیں۔ البتہ عمر کا تقاضا بھی خوف و اضطراب کی کیفیت پر براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ نفسیاتی کیفیت بچپنے کی خصوصیات میں سے ہے۔ بچپن کی سرحد عبور کرنے والے وہ تمام لوگ جو ابھی شعور و ادراک کی منزل پر نہ پہنچے ہوں اور چیزوں کو تمیز و تشخیص دے سکنے کے زمانے سے دور ہوں ان کی روح خواہ ناخواہ، کم یا زیادہ ایک طرح کے خوف و وسواس کے عالم میں رہتی ہے اور بالآخر یہ بڑا عیب انسان میں موجود پیشرفت و ترقی کی حس اور کامیابی کے تمام عناصر کو نابود کر کے رکھ دیتا ہے۔ بدن اور ذہن کی فعالیت کو گھٹا دیتا ہے اور انسان کے ہاتھوں انجام پانے والے تمام کاموں میں اس کے بُرے آثار نمایاں طور پر جھلکنے لگتے ہیں۔ نیز اس قسم کا خوف کسی طرح بھی سودمند نہیں ہوتا اور احتمالی خطرات خواہ رونما ہوں یا نہ ہوں ان سے قبل از وقت خوفزدہ ہونا وقت کے اتلاف اور معنوی اور جسمانی صلاحیتوں کے نقصان کے سوا کوئی نتیجہ نہیں دیتا۔ ان مضرات کی بنا پر بدبختی اور مشقت کے ظاہر ہونے کے وقت انسان میں ان سے مقابلہ کی جرات و قوت باقی نہیں رہتی۔

خوف و ہراس کی حالت متعدد صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے۔

ڈاکٹر "کولز" کہتا ہے۔

"کیا آپ کو اپنی ذات پر اعتماد نہیں؟ کیا آپ خود کو حالاتِ زمانہ کا سامنا کرنے پر قادر نہیں پاتے؟ کیا آپ ایک سخت و دردناک نقص کی بنا پر نالہ و فریاد بلند نہیں کرتے؟ کیا لوگوں کا ہجوم آپ کو مضطرب

Marfat.com

کر دیتا ہے اور کسی سے اکیلے میں ملنے سے خوف و تشویش میں مبتلا ہوجاتے ہیں؟ کیا واقعی آپ صرف تنہائی میں سکون و اطمینان محسوس کرتے ہیں؟

اگر مذکورہ سوالات کا جواب آپ "ہاں" میں دیں گے تو اس صورت میں آپ ڈرپوک ہیں۔"

"کیا آپ کا خیال ہے کہ لوگ آپ کو بے وقوف سمجھتے ہیں؟ آپ کو اچھی طرح نہیں پہچانتے؟ ہمیشہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں؟ کیا آپ اپنے ماضی اور ہاتھ سے گئی چیزوں کے بارے میں بہت زیادہ سوچتے ہیں؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ماضی میں کسی چیز یا کسی شخص کی نسبت آپ کسی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں خواہ یہ گناہ وقوع پذیر ہوا ہو یا نہیں؟"

کیا آپ ہمیشہ اپنے ہی بارے میں سوچتے رہتے ہیں؟ کیا ہمیشہ اپنے اوپر آنے والی احتمالی مشکلات سے خوفزدہ رہتے ہیں؟ کیا لوگوں کی یاوہ گوئیاں جلد آپ پر اثر انداز ہوجاتی ہیں؟ کیا غصّہ کے موقع پر خود کو بے قابو ہونے سے بچانے کے لئے غصّہ ٹھنڈا کرنا ضروری سمجھتے ہیں؟ کیا عام طور پر لوگوں سے ملنے جلنے سے بیزار رہتے ہیں؟ کیا اپنے تعصبات میں شدّت برتتے ہیں؟ کیا لوگوں سے دوستی اور محبت کا رشتہ استوار کرنے میں تردد کا شکار رہتے ہیں؟

یہ تمام علامات خوف کے گوناگوں رنگ ہیں۔"

(غلبہ بر ترس و خستگی۔ ص ۶۵-۶۴)

Marfat.com

جب انسان زندگی بسر کرنے کے لئے اپنے طے کئے ہوئے اصولوں پر سختی سے عمل در آمد کرنے پر آمادہ ہو تو مصائب اور دشواریوں کو بہادری کے ساتھ برداشت کرتا ہے۔ مشکلات سے مردانہ وار نبرد آزما ہوتا ہے اور یاس و ناامیدی کو اس کے قریب پھٹکنے کی جرات تک نہیں ہوتی۔

بہت سے لوگ جو اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر زندگی میں حساس اور نمایاں مقام حاصل کرسکتے ہیں اور اپنے ذہن سے خوف و ہراس دور رکھنے کی کافی قوت رکھتے ہیں، ضروری شجاعت کے فقدان کی بنا پر شاہراہِ ترقی پر پہلا قدم بھی نہیں اٹھا پاتے لہٰذا ان میں موجود تمام صلاحیتیں برباد ہو جاتی ہیں۔

وہ چیز جو زندگی کی باگ ہاتھ سے چھوٹ جانے کا سبب بن سکتی ہے غیرذمہ داری اور ناتمام ارادے باندھنا ہے۔ اپنا وقت ضائع کرنا اور ایسے سانحوں کے بارے میں سوچنا جن کا ممکن ہے کبھی بھی سامنا نہ ہو انسان کو ناقابلِ تلافی خطرات و نقصانات سے دوچار کردیتا ہے۔

"شیکسپئر" کہتا ہے۔

"جو شخص شہد کی مکھی کے ڈنک سے ڈرتا ہو اس میں شہد کے چھتے کا مالک بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔"

ہر زمانے میں' ہر شخص کے پاس اپنے بے جا خوف سے نجات کا امکان موجود ہے اور وہ اپنے ذہن سے فضول خیالات کو نکال کر ان کی جگہ مفید اور امید افزا خیالات کو دے سکتا ہے۔

کسی شخص کا ارادہ خواہ کتنا ہی قوی ہو اور اس کا کمالِ مطلوب کتنا ہی ارجمند و عالی کیوں نہ ہو پھر بھی وہ اپنی بعض عادات سے دفعتاً نجات حاصل نہیں

Marfat.com

کر سکتا۔ ایسی عادات کو بتدریج ختم کرنا چاہئے۔

انسان کا صرف اپنے اضطراب کی بے بنیادی سے آگاہ ہو جانا اس سے نجات کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اس مقصد کے لئے مسلسل کوشش ضروری ہے۔ اسے چاہئے کہ آزار پہنچانے والے اندیشوں کے سرچشمہ کو بند کرے' اور اس کے بَرخلاف مثبت خیالات کے لئے ذہن کے دریچے مکمل طور پر کھول دے۔ اسی طرح عظیم کامیابیوں کے لئے زمین ہموار ہو سکتی ہے۔

جس طرح بلب روشن اور گُل کرنے کے لئے بجلی کے بٹن کو استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح انسان کو چاہئے کہ جب اس کی روح کو وحشتناک تاریکیوں نے گھیرا ہوا ہو تو وہ فکر و شعور کی کلید کو استعمال میں لائے اور زندگی کی حقیقتوں اور روشنیوں کو دیکھے تاکہ اس کا ذہن بے جا خوف و ہراس کے بارِ گراں سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔

ایسا شخص جو زندگی کے معمولی معمولی مسائل تک کے بارے میں بے بنیاد اندیشوں میں مبتلا ہو' اسے چاہئے کہ سب سے پہلے ان اندیشوں کی چھان بین کرے جو اس کے روحانی اور ذہنی اعتدال کو درہم برہم کئے ہوئے ہیں۔ تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو کر کوئی مثبت کام انجام نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہر کام اپنی تکمیل کے لئے چارہ جوئی کا متقاضی ہے۔ پھر اسے چاہئے کہ بے بنیاد خیالات اور لغو تصوّرات کی جگہ روح کے گلزار میں امید و آرزو کے پودے کاشت کرے اور ایک ماہر باغبان کی مانند اُن کی پرورش کرے۔

بے شک خوف و ہراس آدمی کے اپنے خیالات کی پیداوار ہے اور ایسے خطرات صرف انسان کے ذہن میں موجود ہوتے ہیں' خارج میں ان کا کوئی وجود

Marfat.com

نہیں ہوتا۔ یہ حقیقت روشن ہو جانے کے بعد انسان بڑی حد تک اپنے خوف و ہراس پر غلبہ حاصل کرلیتا ہے اور اسے ایک انمول آسودگی میسّر ہو جاتی ہے۔

نہ بزدلی اور نہ ہی گستاخی

علمِ اخلاق کی رو سے ہر "فضیلت" افراط و تفریط کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ بنابرایں "شجاعت" وہ فضیلت ہے جو گستاخی اور بزدلی کے وسط میں واقع ہے۔ جو شخص ایک سمت سے گستاخی اور دوسری سے بزدلی سے دامن بچائے ہوئے ہو وہ "شجاع" کہلائے گا۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ مختلف میدانوں میں انسانی ایجادات حتیٰ قدرتی منابع اور برِاعظموں کا انکشاف تک بہادری اور شجاعت کے مرہونِ منّت ہے۔ اسی فضیلت کے حامل افراد نے بعض علوم و فنون کو ترقی و کمال کی سرحدوں تک پہنچایا ہے۔

روحانی قوتیں ہی انسان کی ترقی و سربلندی کا اصل عامل ہیں اور زندگی کے میدان میں وہی شخص عظیم اور نمایاں کامیابیاں حاصل کرتا ہے جو طاقتور روح کا مالک ہو۔ شجاعت و شہامت کے بغیر ہرگز فکری و سماجی انقلابات کا ظہور ممکن نہیں۔

مادّی اور معنوی پیشرفت کے سلسلہ میں اس نمایاں صفت کا کردار اور اس سلسلہ میں حاصل ہونے والے عملی تجربات اس موضوع کے بارے میں بدبین ترین افراد کو بھی اس کا معتقد کردیتے ہیں۔ طاقتور روح کے حامل افراد کے کردار و عمل کی قوّت اور اثر و نفوذ بخوبی اس مسئلہ کو ثابت کرتے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ کی وہ عظیم شخصیات جنہوں نے اپنی قوموں کی نجات میں بھرپور اور انتہائی موثر کردار ادا کیا ہے اور انہیں جانفرسا حالات سے رہائی دلائی ہے عموماً پر تحرک اور روحِ شجاعت سے سرشار ہستیاں تھیں۔ اور اسی صفت کے کمال کی بناء پر ان کی دوسری استعدادوں نے بھی جِلا پائی تھی۔

بنابرایں اس عظیم اخلاقی صفت (جو سود مند ترین انسانی فضائل میں سے ایک ہے) کے حصول پر توجہ دینا ہر شخص کا فریضہ ہے۔ وہ مسائل جنہیں حل ہونا چاہئے' وہ کام جنہیں انجام پانا چاہئے اور وہ نتائج جو حاصل ہونا چاہئیں گو کہ ہر کسی کے ساتھ مختلف ہیں لیکن بنیادی طور پر ان کا جامہء عمل پہننا انسان کی شجاعت سے وابستہ ہے۔

کتنی ہی مفید تجاویز' سودمند خیالات اور اصلاحی نظریات ہیں جو بعض افراد کے ذہنوں میں پرورش پاتے ہیں لیکن خوف و وحشت کی بنا پر وہ لوگ ان کے اظہار سے عاجز رہتے ہیں۔ ایسے لوگ درحقیقت انتہائی استعداد اور لیاقت کے حامل ہونے کے باوجود شجاعت کی روح سے عاری ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ کیونکہ جرات نہیں رکھتے اس لئے اپنے افکار کی درستگی پر ایمان رکھنے کے باوجود کمالِ اطمینان کے ساتھ انہیں لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرپاتے۔ جب کبھی انہیں اپنے منصوبے اور پلان دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے فوراً ان پر خوف و سراسیمگی کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ یوں محسوس ہونے لگتا ہے جیسے وہ خود اپنے افکار کے بارے میں بے یقینی میں مبتلا ہوں۔ حد تو یہ ہے کہ سماجی اور علمی موضوعات پر منعقدہ بعض مباحثوں میں دیکھا گیا ہے کہ بہت سے لوگ محض اس احتمال کی بنا پر کہ مخالف آراء کا

سامنا کرنا پڑے گا اپنے نظریات کا معمولی سا دفاع کئے بغیر ہی پسپائی اختیار کر لیتے ہیں اور اپنے الفاظ کو واپس لے لیتے ہیں۔ ہر چند ان کے افکار و خیالات دوسروں سے کہیں زیادہ منطقی اور مستدل ہی کیوں نہ ہوں۔

کسی انسان میں اس حالت کے پیدا ہونے کے اسباب و عوامل پر تحقیق کی جانی چاہئے' جب تک ان عوامل کی تشخیص نہ ہو جائے فکری آسودگی اور نفسیاتی شہامت کا حصول ممکن نہیں۔ ممکن ہے یہ شخص اپنے بچپنے میں پُر امید اور بلند ہمت رہا ہو لیکن بعض حوادث کے ظہور نے اس کی استعداد کی پرورش روک دی ہو۔ یا اس کے اساتذہ اور سرپرستوں نے اپنی غفلت یا جہالت کی بنا پر ان ثمر بخش اور بلند افکار کو پنپنے سے قبل ہی سرکوب کر دیا ہو۔

جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی شخص کے اندر تعمیری صلاحیتیں کمزور پڑ چکی ہیں تو انہیں تقویت پہنچانے کے لئے بنیادی طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ اگر وہ اپنے پورے وجود پر مسلط بے وجہ کے خوف سے نجات حاصل کر سکتا ہے تو بتدریج اس کے اطمینانِ نفس میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ شہامت اور شجاعت کی تعمیری قوت کے بل بوتے پر ہی شک و تردید اور خوف و وسوسہ کی حالت سے چھٹکارا حاصل کر کے اس کی جگہ سکون و راحت کو جگہ دی جا سکتی ہے۔

زندگی کی خصوصیات سے ناواقفیت

اضطراب کی شدت اور اس کے ایک خطرناک خوف کی صورت میں تبدیل ہو جانے کے متعدد عوامل میں سے ایک عامل زندگی کی خصوصیات سے

Marfat.com

ناواقفیت ہے۔ ایک شجاع انسان بخوبی جانتا ہے کہ انسانی حیات طرح طرح کی سختیوں اور مصائب کے ہمراہ ہے اور ان دشواریوں کا سامنا ہونے پر تحمل و بُردباری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہئے۔ لہٰذا مشکلات پیش آنے سے پہلے ہی خود کو انہیں برداشت کرنے کے لئے تیار رکھنا ضروری ہے۔

حوادث کے واقع ہونے سے قبل ہی ان سے ہوشیار ہونے کی بنا پر انسان بڑی حد تک ان سے مقابلہ کے لئے پہلے ہی سے تیار ہوتا ہے اور یوں حادثہ اس پر غیر معمولی طور پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف اگر کوئی شخص حوادث کا سامنا کرنے پر تیار نہ ہو تو جوں ہی کوئی حادثہ رونما ہوتا ہے وہ حواس باختہ ہو جاتا ہے اور اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے۔

غفلت اور بے توجہی حادثات اور ناگوار اتفاقات کو حد سے زیادہ ضرر رساں اور وحشت خیز بنا دیتی ہے۔ اس کے بَرخلاف حوادث کا سامنا کرنے پر آمادگی کی وجہ سے انسان ان کے آثار و نتائج کو حدِّ اعتدال میں رکھنے کے سلسلہ میں چارہ جوئی کر سکتا ہے اور ان سے مقابلہ کی راہ ہموار کر سکتا ہے۔

"والٹر" کہتا ہے۔

"انسان کو ہمیشہ تلوار کے وار کی مانند آگے بڑھنا چاہئے اور بالآخر شمشیر بکف ہی جان سے گزر جانا چاہئے۔ صرف ناداں و ناتواں افراد ہی حوادث کے تھپیڑوں کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں اور فقط ضعیف اور کمزور اشخاص ہی ہمیشہ مصائب و دشواریوں کا رونا روتے رہتے ہیں۔

جب تک آپ کو خطرہ کی کیفیت اور اس کے وقوع پذیر ہونے کے

بارے میں شک و شبہ ہو اور جب تک اس حادثہ سے نجات پا جانے کے سلسلہ میں پُر امید ہوں اس وقت تک ضعف و ناتوانی کا اظہار نہ کیجئے اور جوش و خروش کے ساتھ ثابت قدم رہیے۔"

(افکارِ شوپنھاور۔ ص۹۷)

آگاہی و آشنائی خوف و ہراس میں تخفیف کا بنیادی ذریعہ شمار ہوتی ہے۔ جوں جوں انسان علمی ترقی و پیشرفت کر رہا ہے اسی قدر اس پر سے جانکاہ خوف کا دباؤ کم ہو رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بے شمار عوامل جو انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں وحشی اور نیم وحشی افراد کے خوف و وحشت کا موجب تھے آج ان لوگوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے جو باشعور اور علمی کمال سے بہرہ ور ہیں۔

تجربہ اس حقیقت کا بہترین گواہ ہے کہ آگاہی و واقفیت خوف و وحشت کی جگہ سکون و راحت کو دے دیتی ہے۔ اسی حقیقت کی بنیاد پر تمام نفسیات داں مخفی مجہول سے آشنائی اور باعثِ آزار خوف کی پیدائش کے اسباب سے واقفیت کو وحشت انگیز خیالات اور تشویش کے علاج کا ایک حصّہ شمار کرتے ہیں۔

اس نکتہ کو بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ اگرچہ علمی ترقی کے نتیجہ میں قدیم وحشت میں قابلِ لحاظ کمی واقع ہوئی ہے لیکن دوسری طرف لوگوں کی زندگیوں میں رونما ہونے والے جدید تغیّرات کے نتیجہ میں گزشتہ بے بنیاد اور لغو خوف و ہراس کی جگہ ایک نئے اضطراب نے لے لی ہے۔ صنعتوں کے قیام کے نتیجے میں بڑے بڑے شہر وجود میں آئے ہیں۔ ان شہروں کے کثیر آبادی پر

Marfat.com

مشتمل ہونے کے باوجود ان کے باسی دن بدن تنہا تر ہو رہے ہیں اور ان کی روح آپسی محبت اور باہمی الفت سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ اخلاص اور مہرو محبت جو گزشتہ زمانے کے لوگوں کے روابط پر حاکم تھے آج اُن کی جگہ اجنبیت اور بے حسی کا احساس غالب ہے۔ لوگوں کے مختلف طبقات کی ایک دوسرے سے دوری نے بیگانگی اور بے کیفی کا احساس شدید کردیا ہے اور اس کے باوجود کہ سب ایک دوسرے کے جوار میں زندگی بسر کرتے ہیں ایک دوسرے کو نہیں جانتے اور ایک دوسرے کی اخلاقی و نفسیاتی خصوصیات سے ناآشنا ہیں اور ایک دوسرے کی مدد اور دلجوئی کی ضرورت کے وقت شدّت کے ساتھ بخل سے کام لیتے ہیں۔

بے مہری' بے انصافی' گوناگوں خرابیاں اور اپنی ذمہ داری سے پہلوتہی ہراس و اضطراب کا موجب ہیں۔ دراصل خوف ایک طرح کی سزا ہے جو انسان کو فضائل کی راہ سے انحراف کی بنا پر ملتی ہے۔

ایک امریکی مفکّر کے بقول۔

"اجتماعی روابط کے دوران محبت و مواسات میں کسی بھی قسم کا نقص شدید سزا کا موجب ہوتا ہے۔ یہ سزا جیساکہ ہم دیکھتے ہیں "خوف" ہے۔ جب تک میں اپنے ہم نشینوں سے اخلاص کے ساتھ میل جول رکھتا تھا اُن سے ملاقات میں کسی طرح کی کراہت محسوس نہ کرتا تھا۔ ہماری روحیں بھی بے رنگ پانی کی مانند ایک دوسرے میں مدغم ہوتی ہیں' ہوا کی مانند باہم مخلوط ہوتی ہیں۔ لیکن جوں ہی ہمارے اندر اخلاص کی کمی واقع ہوتی ہے' ہمارے دو نیم ہونے کا عمل شروع

ہو جاتا ہے۔ ہم جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہیں وہ دوسرے کے لئے پسند نہیں کرتے' ہمارا ہمسایہ ہم سے آزردہ خاطر ہو جاتا ہے' وہ ہم سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے جتنا ہم اس سے پہلوتہ کرتے ہیں۔ اب اس کی آنکھیں ہمیں تلاش نہیں کرتیں۔ ہماری فطرت کے درمیان جنگ کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس کے دل میں نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور میرے دل میں اس سے خوف بیٹھ جاتا ہے۔

جہاں بھی بے اعتباری اور ایک دوسرے سے خوف ہو گا وہاں لازماً فساد رونما ہو گا۔" (فلسفہ اجتماعی۔ص ۳۸۶)

امید و بیم دونوں فطری ہیں

فطرتاً انسان میں امید و بیم دونوں پائے جاتے ہیں۔ یہ دونوں عناصر پیدائش کے وقت ہی سے انسان میں موجود ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کی بھی نشوونما ہوتی ہے۔ درد و رنج اور فقر و ناتوانی کا خوف وہ احساس ہے جو انسان کے باطن سے سر اُبھارتا ہے۔ دوسری طرف انسان امن' راحت' تمکین اور آسودگی۔۔۔۔۔ کی امید رکھتا ہے' ہر آرزو کے بَر آنے کے بعد بِلا فاصلہ انسان کے دل میں ایک نئی آرزو جنم لے کر گزشتہ آرزو کی جگہ لیتی ہے۔

خوف و رجا زندگی کے افکار و اعمال اور ہدف و سمت کو معیّن کرتے ہیں اور انسان ان کی قسم اور پیمانے کی مناسبت سے زندگی کی راہ کا انتخاب کرتا ہے۔ ایسا شخص جس کے افکار پر مال و دولت' مرتبہ و مقام کی آرزو کا قبضہ ہو وہ اسی بنیاد پر اپنا ہدف معیّن کرتا ہے اور ایسے اقدامات اٹھاتا ہے جو اسے اس

ہدف تک پہنچانے والے ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو ایسے ہی وسائل کے حصول میں صرف کرتا ہے جن کے ذریعہ وہ جلد از جلد اپنے آمال و آرزوں تک جا پہنچے۔

لیکن ایک ایسا شخص جس نے خود کو اس قسم کی خواہشات کی اسیری سے آزاد رکھا ہو وہ کسی صورت اپنی قوتوں کو بے قید و شرط ان اہداف کی راہ میں صرف نہیں کرتا کیونکہ وہ اپنے نفس کا مالک اور اس قسم کی خواہشات کی غلامی سے آزاد ہے۔

اسلام بیم و امید پر تکیہ کرتے ہوئے ہر قسم کے ایسے خوف و ہراس کو جو حالات و واقعات میں کسی تبدیلی کا موجب نہیں ہوتا بلکہ روح پر ایک طرح کا بوجھ بن جاتا ہے دُور پھینک دیتا ہے۔ کیونکہ ایسی تشویش و اضطراب جو حقائق کی تلخی کو کم نہ کرسکے کسی کام کی نہیں۔ نیز یہ بھروسہ نفس کو دنیاوی امور اور زندگی کی زوال پذیر نعمتوں سے وابستگی سے بھی آزاد کرتا ہے' میدانِ عمل میں کوشش و کاوش پر اُبھارتا ہے اور اسی طرح انسان کے باطن سے گمراہ کردینے والی ہر چیز نکال کر روح کو انحراف و کجی سے دور رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ انسان گرانقدر اور طاقت ور زندگی بسر کرنے لگتا ہے اور خداوندِ عالم کی لازوال قدرت و قوت کے سوا کسی اور چیز کو بھروسہ کے لائق نہیں سمجھتا۔

اسلام کہتا ہے کہ انسان کو رعب و دہشت میں مبتلا رکھنے والے عام عوامل نہ تو ذاتاً اس قابل ہوتے ہیں کہ کسی کو سود و زیاں پہنچا سکیں اور نہ ہی از خود کسی کی کوئی مدد کرسکتے ہیں لہٰذا ان سے خوف و ہراس بے جا ہے۔ صرف وہ زبردست قدرت خوف کے لائق ہے جس کے سلطہ و اقتدار اور تصرف میں تمام

Marfat.com

موجوداتِ کائنات ہیں اور جو بخشنے والا اور مہربان ہے۔

قرآنِ کریم اس حقیقت کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کرتا ہے۔

"قل من یرزقکم من السماء والارض امن یملک السمع والابصار ومن یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی و من یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون"

("پیغمبرؐ) ذرا ان سے پوچھئے کہ زمین و آسمان سے کون تمہیں رزق دیتا ہے؟ اور کون ہے جس نے تمہیں آنکھ و کان عطا کئے؟ اور کون مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مُردہ کو نکالتا ہے؟ اور کون سارے امور کی تدبیر کرتا ہے؟ تو یہ سب یہی کہیں گے کہ "اللہ"۔ تو آپ کہئے کہ پھر اس سے کیوں نہیں ڈرتے۔" (سورۂ یونس ۱۰۔ آیت ۳۱)

دوسری طرف انسان کیونکہ فطرتاً طرح طرح کی لذائذ و نعمات اور دنیاوی کامرانیوں کا خواہاں ہوتا ہے لہٰذا اسلام کسی کو ان پاکیزہ نعمات سے اور لذّتوں سے محروم رہنے کی تلقین نہیں کرتا اور دنیاوی امور سے انصراف و چشم پوشی پر نہیں ابھارتا۔ لیکن اسلام انسان کا رخ جھوٹی اور ناپائیدار خواہشات سے موڑ کر حقیقی اور واقعی آرزوؤں کی جانب کرتا ہے اور بشر کو ناپائیدار لذّتوں کے فریب سے محتاط رہنے کی تاکید کرتا ہے اور اسے تنبیہہ کرتا ہے کہ وہ شہوات اور نفسانی خواہشات میں اس قدر غرق نہ ہو کہ حقیقی اور جاویدانی لذّتوں کے حصول سے محروم رہ جائے۔ اور ہر حال میں اس کی توجہ اس جانب مبذول کراتا ہے کہ پیہم خوشنودیٔ رب اور رضائے الٰہی کا طلبگار رہے۔

Marfat.com

"وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون"
"اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت ہے کاش یہ لوگ جانتے۔"
(سورہ عنکبوت۲۹۔ آیت ۶۴)

اسلامی تعلیمات میں جو بار بار خوفِ خدا کی تاکید کی گئی ہے وہ دراصل خود اپنے اعمال سے خوف کی تاکید ہے۔ اس قسم کا خوف نہ صرف زیاں کا سبب نہیں بلکہ نہایت وسیع و فراواں فوائد کا حامل ہے جو انسان کے تمام اعمال و افعال پر چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔ بُرے اعمال کے ناگوار نتائج کا خوف انسان کو ان سے پرہیز پر آمادہ کرتا ہے' ضرر رساں غرائز پر کنٹرول کرتا ہے اور انسان میں نظم و ضبط پیدا کرتا ہے۔

خوفِ خدا کے بغیر خداوندِ عالم سے محض بے انتہاء رحمت کی امید رکھنا انسان کو بے لگام کر دیتا ہے اور بہت سے مفاسد کا سبب ہے۔

ایسا شخص جس کا قلب خداوندِ عالم سے فقط (رحمت کی) امید سے لبریز ہو وہ بلاخوف و خطر ہر عمل کا ارتکاب کرتا ہے اس کے باوجود ذاتِ الٰہی سے (رحمت کی) امید رکھتا ہے۔ ممکن ہے اس کے تمام اعمال و کردار تباہ و برباد ہو جائیں پھر بھی اس سے رحمت کی امید ذرّہ برابر کم نہ ہو۔

بنابرایں ذاتِ الٰہی سے بے خوفی انسان کے اعمال کی تباہی و بربادی پر منتہی ہوتی ہے۔ اسی بنا پر اسلامی تعلیمات تاکید کرتی ہیں کہ انسان خوف اور امید کے درمیان درمیان رہے۔ یعنی خداوندِ عالم کی بے کنار رحمت کی امید کے ساتھ ساتھ اپنے اعمالِ بد سے خوف زدہ رہے اور اپنے کردار کے بارے میں غرور و نخوت کا شکار نہ ہو۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"الخوف رقیب القلب والرجاءِ شفیع النفس و من کان باللہ عارفاً کان من اللہ خائفاً والیہ راجیاً، و ھما جناحا الایمان، یطیر بھما العبد المحقق الی رضوان اللہ، و عنیاً عقلہ یبصر بھما الی وعداللہ و وعیدہ، والخوف طالع عدل اللہ باتقاء و عیدہ والرجاء داعی فضل اللہ وھو یحیی القلب، والخوف یمیت النفس"

"خوف انسان کے قلب کا نگہبان ہوتا اور امید نفس سے اس کی خواہشات کی سفارش کرتی ہے۔ جو شخص خدا کو پہچانتا ہے وہ اس سے خوفزدہ رہنے کے ساتھ ساتھ امید بھی رکھتا ہے۔ یہ دونوں (خوف و امید) ایمان کے دو پر ہیں اور خدا کے وہ بندے جو نظامِ ہستی اور خلقت میں غور و فکر کرتے ہیں ان پروں کے ذریعہ خدا کی رضا کی جانب پرواز کرتے ہیں۔ وہ خدا سے خوف و امید کو اپنی عقل کی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ خداوندِ عالم کا خوف انہیں اس کی عدالت جو اس کی عین ذات ہے کی طرف متوجہ کرتا ہے اور عذاب کے جو وعدے اس نے کئے ہیں ان سے ڈراتا ہے۔ جب کہ امید اللہ کے فضل و کرم کی جانب راغب کرتی ہے۔

امید دل کو حیات اور زندگی بخشتی ہے اور خوف نفس کی سرکوبی کرتا ہے۔"

(محجۃ البیضا۔ ج ۷۔ ص ۲۸۳)

Marfat.com

ایسے افراد جو علم و ایمان کے اسلحہ سے لیس ہوں اور جن کے دامن گیر خداوندِ عالم کی عادلانہ سزا کا خوف ہو الٰہی احکام و فرامین کی پابندی کے سلسلہ میں ان کا محرّک خداوندِ عالم کے اوامر کی اطاعت اور اس کے منہیات سے پرہیز ہوتا ہے۔

جیسے کسی خطرہ کا پیشگی علم انسان کو اس کے تدارک پر آمادہ کرتا ہے اسی طرح عذابِ الٰہی کا خوف انسان کو اپنے ہمہ جانبہ فرائض کی ادائیگی پر راغب کرتا ہے' گناہ کی آلائشوں سے آلودہ ہونے سے باز رکھتا ہے اور اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ انسان ہر حال میں اور ہمیشہ اپنی حقیقی کامیابی اور سعادت کو پیشِ نظر رکھے۔

قرآنِ کریم علم و دانش کو اس عامل کے بطور متعارف کراتا ہے جو انسان میں خوفِ پیدا کر کے اس کو خطروں سے آگاہ کرتا ہے۔

"انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا"

"اللہ سے ڈرنے والے اس کے بندوں میں صرف صاحبانِ معرفت ہیں۔" (سورۂ فاطر ۳۵۔ آیت ۲۸)

بے شک علم و دانش اپنے حامل کو دانشمندوں کی صف میں لے جاتا ہے' باطن کی پاکیزگی اور تہذیب و تزکیہ نفس کا موجب ہوتا ہے' حصولِ کمال کے سلسلہ میں روح کے کام آتا ہے' خداوندِ عالم کی بے پایاں قدرت اور حق کی پرستش کی جانب رہبری کرتا ہے۔ علم ہی انسانی عقل و ضمیر کو جرم و معاصی سے آلودہ نہیں ہونے دیتا بلکہ نظامِ ہستی کی خلقت اور پروردگارِ عالم کی عظمت کے بارے میں فکر کے اہم ترین اسباب میں سے ہے۔

Marfat.com

"الذین یذکرون اللہ قیاما و قعودا و علیٰ جنوبھم
و یتفکرون فی خلق السماوات والارض ربنا ما
خلقت ھٰذا باطلا' سبحانک فقنا عذاب النار"

"جو لوگ اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے خدا کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کرتے ہیں۔ کہ خدایا تو نے یہ سب بے کار پیدا نہیں کیا ہے۔ تُو پاک و بے نیاز ہے ہمیں عذابِ جہنم سے محفوظ فرما۔" (سورۂ آل عمران ۳۔آیت ۱۹۱)

قرآنِ کریم دُور اندیشی اور ہدایت کو بھی خوف و خشیتِ الٰہی کی پیداوار قرار دیتا ہے۔

"سیذکر من یخشیٰ"

"جو شخص ڈرتا ہے وہ نصیحت قبول کرے گا۔"

(سورۂ اعلیٰ ۸۷۔ آیت ۱۰)

ایک شخص نے رسولِ اکرمؐ سے دریافت کیا کہ آیت کریمہ "والذین یؤتون ما اتوا و قلوبھم و جلۃ انھم الیٰ ربھم راجعون" (اور وہ لوگ جو بقدرِ امکان راہِ خدا میں دیتے رہتے ہیں اور انہیں یہ خوف لگا رہتا ہے کہ پلٹ کر اسی کی بارگاہ میں جانے والے ہیں۔" سورہ مومنون ۲۳ آیت ۶۰) سے مُراد کیا ایسا شخص ہے جو چوری' زنا اور شراب نوشی جیسے قبیح اعمال انجام دیتا ہو اور خدا سے بھی ڈرتا ہو؟

آنحضرتؐ نے فرمایا : "اس سے مراد ایسا شخص ہے جو نماز قائم کرتا ہو' روزہ رکھتا ہو' دوسروں کی مدد و اعانت کرتا ہو اور ساتھ ساتھ یہ خوف بھی رکھتا

Marfat.com

ہو کہ نہ جانے یہ اعمال بارگاہِ خدا میں قبول بھی ہوں گے کہ نہیں۔"

ضرر رساں اور مذموم وہ خوف ہے جس کا سرچشمہ پستی و کمزوری ہو۔ ایسا خوف نہ صرف سودمند اقدامات کے لئے محرّک کا کام نہیں کرتا بلکہ انسان کی سعادت، پیشرفت اور ترقی میں سدِّراہ بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پیشوایانِ اسلام اپنے پیروکاروں کی تربیت و پرورش کے دوران عقل و ایمان کی قوّت سے استفادہ کی تاکید کرتے ہیں اور اس طرح انہیں ایسے غیرواقعی خوف و ہراس سے چھٹکارا دلاتے ہیں جو عزم و ارادہ کو متزلزل اور اعتمادِ نفس کی حس کو نابود کر دیتا ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے جب خوارج کے خلاف جنگ کے لئے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپؑ کے اصحاب میں سے ایک شخص نے جو علمِ نجوم سے واقفیت رکھتا تھا آپؑ سے کہا : اے امیرالمومنینؑ! اگر آپ اس وقت میدانِ جنگ کے لئے نکلے تو علمِ نجوم کی رو سے مجھے اندیشہ ہے کہ آپؑ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

یہ سن کر امیرالمومنینؑ نے فرمایا :

"کیا تمہارا خیال ہے کہ تم ایسی گھڑی کا پتہ دیتے ہو کہ اگر کوئی اس میں نکلے گا تو اس کے لئے کوئی بُرائی پیش نہ آئے گی اور اس لمحہ سے خبردار کرتے ہو کہ اگر کوئی اس میں نکلا تو اسے نقصان اٹھانا پڑے گا۔ تو جس نے تمہاری بات کو صحیح جانا اور اس کی تائید کی، اس نے خدا کو جھٹلایا اور مقصد کو پانے اور مصیبت کو دور کرنے کے سلسلے میں خود کو اللہ کی مدد سے بے نیاز سمجھا۔

تم ایسی باتوں کے ذریعہ یہ چاہتے ہو کہ تمہاری باتوں کی پیروی کرنے والا تمہارے گُن گائے اس لئے کہ تم نے اسے کام کا آغاز کرنے کی اس ساعت کا پتہ بتایا ہے جو اس کے لئے فائدہ کا سبب یا نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ بنی۔

پھر جنابِ امیر علیہ السلام اپنے سپاہیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا: "اللہ کا نام لے کر محاذِ جنگ کی طرف چل پڑو۔"

(نہج البلاغہ فیض۔ص۱۶۸۔خطبہ نمبر۷۷)

یوں امیرالمومنینؑ نے اس بے بنیاد گفتگو کو خاطر میں لائے بنا اور اس کی پیش گوئی سے متاثر ہوئے بغیر سربازانِ اسلام کو خداوندِ عالم کی طاقت پر بھروسہ کرتے ہوئے محاذِ جنگ کی جانب روانگی کا حکم دیا اور بالآخر اس جنگ میں حضرت علیؑ کو فتح نصیب ہوئی اور دشمن کو شکست و ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

امیرالمومنینؑ ایک کلام میں اپنے پیروکاروں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ۔

" اذا خفت صعوبه امر فاصعب له یذلل لک و خادع الناس عن امثاله تهن علیک"

"جب بھی کسی کام کی مشکل تمہیں خوفزدہ کرے' اس کے سامنے ڈٹ جاؤ یہاں تک کہ وہ کام تمہارے لئے آسان ہوجائے۔ تمام تر دشواریوں کے باوجود اس کام کو دوسروں کے سامنے سادہ اور آسان ظاہر کرو اس طرح خود بخود تمہارے سامنے کامیابی کی راہ ہموار ہوجائے گی۔"(غررالحکم۔ص۳۱۹)

اس بارے میں نفسیات دان کہتے ہیں کہ۔

Marfat.com

"ہم زندگی میں روزانہ متعدد ایسے افراد سے ملتے ہیں جنہوں نے خود پر خوف و ہراس کو اس قدر مسلّط کرلیا ہے کہ اس نے انہیں گھٹنے ٹکوا دیئے ہیں۔

بہت سے ایسے ہیں جو خوف کی بنا پر اجتماعی سرگرمیوں میں شرکت سے گریز کرتے ہیں اور کیونکہ خوف ان پر غالب ہوتا ہے اور یہ اس کے زیرِ تسلّط ہوچکے ہیں اس لئے ہر قسم کی ذمہ داری سے پہلوتہی کرتے ہیں۔

بہت سے طالبِ علم ڈر کی وجہ سے اپنے استاد سے سوال نہیں کرتے یا پھر امتحان کے موقع پر اس قدر خوفزدہ ہوجاتے ہیں کہ جواب دینے (یا لکھنے) کی قوّت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ بعض لوگ خوف ہی کی بنا پر اپنی خطاؤں کے اعتراف سے گھبراتے ہیں۔

بکثرت لوگ "نہ" کہنے کی جرات نہیں رکھتے یعنی لوگوں سے اس قدر خوفزدہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کی اطاعت نہ کریں گے تو گویا کسی مشکل میں مبتلا ہوجائیں گے۔ یہ طرزِ عمل انسان پر خوف کو مسلّط ہونے کا موقع فراہم کرتا ہے اور اس صورتِ حال کا استمرار انسان میں سے خوف پر غلبہ پانے کی صلاحیت کم کردیتا ہے اور مشکلات روز بروز اس میں اضافہ کرتی چلی جاتی ہیں۔

جو شخص اپنے اندر جوش و ولولہ پیدا کرنا چاہتا ہے اسے چاہئے کہ اپنے اندر جرات و شجاعت پیدا کرے۔ زندگی گزارنے کے لئے ہر شخص کو جرات و شہامت کی ضرورت ہے۔ کتنا اچھا ہو کہ انسان میں

بچپنے ہی سے شجاعت پائی جائے۔ اگر ہم جرات و ہمت کو اپنے اندر برقرار رکھیں تو بوقتِ ضرورت ہماری قوت وصلاحیت بڑھ جائے گی۔

• ہمارے ہاتھ میں ایک اچھا طریقہ موجود ہے اور وہ یہ کہ خوف پر غلبہ کے حصول کے لئے جو کچھ بھی ضروری ہے اسے انجام دیں۔ زندگی میں ہر کسی کو عمل انجام دینے کے کچھ مواقع ملتے ہیں۔ لیکن وہ (کبھی آشکارا اور کبھی مخفی) خوف کے زیرِ اثر عمل کی انجام دہی سے عاجز رہتے ہیں۔

مثلاً آپ کو کلاس میں ہونے والی بحث میں شرکت کا موقع ملتا ہے لیکن آپ کا موقف کیونکہ اپنے کسی دوست سے متصادم ہے اور وہ آپ سے محض اس بناء پر اپنے حق میں رائے لینے میں کامیاب ہو جاتا ہے کہ آپ اُس کی ناراضگی کے خوف سے اُس کی مخالفت میں رائے نہیں دیتے۔ لہٰذا آپ بحث میں بھی شامل نہیں ہوتے اور خاموشی سے دیکھتے رہتے ہیں۔ آپ کا یہ طرزِ عمل خوف کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ حالات کا جائزہ لینے کے بعد حسبِ دلخواہ کام انجام دیں تو آپ اپنے اندر شجاعت پیدا کرسکتے ہیں۔ یہی شجاعت پیدا کرنے کا راستہ ہے، اور جتنی مرتبہ آپ یہ عمل دہرائیں گے اتنا ہی آپ کی شجاعت بڑھتی چلی جائے گی اور رفتہ رفتہ آپ اپنے خوف پر غلبہ پالیں گے۔ یا جرات برقرار ہونے کی بنا پر مشکلات کے حل پر بخوبی قادر ہوجائیں گے۔" (روان شناسی برای زیستن۔ ص ۲۹۹)

آج انسان نے بکثرت طبیعی عوامل کے حصول میں کامیابی حاصل کرلی ہے

Marfat.com

اس کے باوجود وہ مستقبل میں ناکامیوں، بیماریوں اور مختلف قسم کے خطرات کی وحشت میں مبتلا ہے۔ بے بنیاد خوف اور حیاتِ انسانی کو لاحق خطرات کے اندیشہ ہی ہیں جن کی وجہ سے کتنے ہی زرخیز اور تخلیقی ذہن جمود و رکود کا شکار ہو چکے ہیں۔ اور کتنے ہی نظریات و افکار اور گرانقدر تخلیقات پر فراموشی کی گرد پڑ چکی ہے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں۔

"شر ما فی الرجل شح هالع و جبن خالع"

"وہ بدترین صفات جو ممکن ہے انسان کے وجود میں رچ بس جائیں ان میں سے ایک انتہائی کنجوسی اور دوسرے حد سے زیادہ خوف ہے۔"(نہج الفصاحہ۔ص ۳۸۲)

ضعفِ ارادہ

ارادے کی کمزوری نامعقول اندیشوں کی پیداوار ہے۔ ممکن ہے شک و شبہ کی حالت ایک گہرے خوف کا پیش خیمہ ثابت ہو۔ کسی بھی مسئلہ کے بارے میں شک و تردید اس پر ایمان کو متزلزل کر دیتا ہے۔ لہٰذا جو شخص ابھی ایمانِ کامل کی منزل تک نہ پہنچا ہو وہ مسلسل شک و شبہ کے تیروں کے ہدف پر رہتا ہے اور ایسے لوگوں میں عام طور پر تزلزل اور غیر ارادی پن کی صفات پائی جاتی ہیں۔

باایمان شخص اپنے امور اور مقاصد کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا ذہن آزردہ کر دینے والے ہراس و اضطراب سے خالی ہوتا ہے۔

Marfat.com

ایسا شخص جس کی روح ایمان اور خلوصِ نیت سے سرشار ہو اور جو خداوندِ عالم سے انوٹ بندھن میں بندھا ہو وہ دنیا کی ہر فاسد قوت سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اگر باطل سے مقابلہ کے دوران اس کی مادّی قوتیں شکست کھا بھی جائیں تب بھی وہ خود کو بے آسرا نہیں سمجھتا کیونکہ اسے خداوندِ عالم کی ذات پر مکمل بھروسہ ہوتا ہے اور اسی کی حقیقی رہبری کے طفیل اس نے ہدایت پائی ہے۔

تباہیوں پر غلبہ حاصل کرنا اور گمراہوں کو راہِ راست کی ہدایت کرنا اسلامی عقیدہ کا وہ بنیادی عنصر ہے جو ایسے شخص کی سرشت میں پایا جاتا ہے اور وہ خداوندِ عالم کی لازوال قدرت کے سائے میں مادّی قوتوں کو جو کائنات کی واحد حقیقت نہیں، اپنی قوتِ ارادی کے زیرِ تسلّط لے آتا ہے۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام اہلِ مصر کے نام اپنے ایک مکتوب میں ایمانِ کامل کے حامل اپنے گورنر کی روحانی قوت اور شجاعت کی ستائش کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں کہ۔

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ تمہاری طرف بھیجا ہے جو خطرے کے دنوں میں سوتا نہیں اور خوف کی گھڑیوں میں دشمن سے ہراساں نہیں ہوتا اور فاجروں کی بھڑکائی ہوئی آگ سے بھی زیادہ سخت ہے۔ وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے کہ جس کی نہ دھار کُند ہوتی ہے اور نہ اس کا وار خالی جاتا ہے۔" (نہج البلاغہ فیض ص ۹۴۲۔ مکتوب نمبر ۳۸)

Marfat.com

جنگِ صفین کے زمانہ میں معاویہ کی سپاہ نے فرات کے گھاٹ پر قبضہ کر کے حضرت علیؑ کے اصحاب اور سپاہیوں پر پانی بند کر دیا۔ امیرالمومنینؑ نے مذاکرات کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی لیکن معاویہ جو دریا کے کنارے پر قبضہ کو اپنی فتح سمجھ رہا تھا کسی صورت بات چیت پر آمادہ نہ ہوا۔

یہاں امیرالمومنینؑ کی افواج پانی کی شدید قلت کا شکار تھیں' جب سپاہیانِ اسلام کی تشنگی اپنی انتہاؤں کو چھونے لگی تو جنابِ امیرؑ اپنے اصحاب سے یوں مخاطب ہوئے۔

"قد استطعموکم القتال' فاقروا علی مذلة و تأخیر محلة اوردوا السیوف من الدماء ترووا من الماء' فالموت فی حیاتکم مقهورین و الحیاة فی موتکم قاهرین' الا وان معاویة قادلمة من النواة و عمس علیهم الخبر حتی جعلوا نحورهم اغراض المنیة"

"دشمن تم سے جنگ کے لقمے طلب کر رہا ہے۔ اب تمہارے پاس صرف دو راستے ہیں یا تو تم ذلّت و حقارت سے سرِ تسلیم خم کر دو یا شمشیروں کو خون سے سیراب کر کے پانی سے اپنی پیاس بجھالو۔ تمہارا ان سے دب جانا جیتے جی موت کے مترادف ہے اور زندگی یہ ہے کہ خواہ جان سے گزر جانا پڑے لیکن ان پر غالب ہو جاؤ۔ معاویہ گمراہ بیرپھروں کا ایک چھوٹا سا جتھا لئے پھرتا ہے اور ان سے حقائق چھپائے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنے سینوں کو

Marfat.com

تمہارے تیروں کا ہدف بنالیا ہے۔"

(نہج البلاغہ فیض۔ص۱۲۹۔خطبہ نمبر۵۱)

حضرت علیؑ کے اس پُرجوش خطاب نے سپاہیانِ اسلام میں ایک ولولہ پیدا کردیا' ان کی رگوں میں خونِ شجاعت زور مارنے لگا اور ان کے بھرپور حملہ سے معاویہ کی افواج گھاٹ چھوڑ کر بھاگ کھڑی ہوئیں۔ اب دریا حضرت علی علیہ السلام کی سپاہ کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن آپؑ نے کمالِ عفو و درگزر کا مظاہرہ کرتے ہوئے دشمنوں کو پانی سے استفادہ کرنے کی کھلی چھوٹ دے دی۔

شجاعت کا وسیع مفہوم

شجاعت صرف میدانِ جنگ میں بہادری و بے خوفی کے مظاہرے ہی کا نام نہیں بلکہ یہ تمام مراحلِ حیات پر محیط ہے اور مختلف میدانوں میں اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

"ڈاکٹر مارڈن" مختلف مواقع پر روحانی خصوصیات کی قدر و قیمت کو یوں بیان کرتا ہے۔

"شجاعت ایسے شخص کی بھی ضرورت ہے جو کھدّر کا لباس پہنے ہو جب کہ اس کا دوست مخمل کا لباس زیبِ تن کئے ہو۔ شجاعت چاہئے ایسے شخص کو بھی جس کے سامنے لوگ دھوکہ دہی اور ہیرا پھیری سے دولت سمیٹنے میں مصروف ہوں اور وہ راہِ راست پر چلتے ہوئے نادار رہے۔ شجاعت چاہئے اسے بھی جو نہایت بے نیازی سے اس وقت "نہ" کہے جب دوسرے "ہاں" کہہ رہے ہوں۔ شجاعت

Marfat.com

چاہئے ایسے شخص کو بھی جو اپنا فریضہ خاموشی اور گمنامی سے انجام دیتا رہے جب کہ دوسرے اپنے مقدس فرائض کو ترک کرکے مال و دولت اکٹھی کرنے میں لگے ہوں اور مشہور بھی ہورہے ہوں۔ شجاعت ضروری ہے اس کے لئے بھی جو جو ہے وہی ظاہر کرے اور اپنے تمام معائب کو نکتہ چینی کرنے والوں کے سامنے ظاہر کردے۔ المختصر شکست کے نتیجہ میں طنز برداشت کرنے کے لئے بھی شجاعت درکار ہے۔"

"ایسا جوان جو آغازِ کار ہی میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے خوفزدہ رہتا ہے وہ انجامِ کار میں حتیٰ اپنی مرضی کے مطابق غور و تامل سے بھی ڈرے گا۔

ہم اپنی مرضی کے مطابق کتنے ہی کام انجام دینے سے خوفزدہ رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کی مانند زندگی بسر کریں' لباس' طرزِ بود و باش' وسائلِ نقل و حمل خلاصہ یہ کہ ہر چیز جدید فیشن کے مطابق اپنانا چاہتے ہیں وگرنہ خود کو معاشرہ سے علیحدہ تصوّر کرتے ہیں۔"

"اس بات کے لئے بھی جرات ضروری ہے کہ انسان عام لوگوں کے خیالات کے سامنے گھٹنے نہ ٹیکے اور ایسے مراسم جو اخلاق کی سلامتی کے لئے ضرر رساں ہوں ان کی متابعت سے باز رہے۔"

(اسرارِ کامیابی- ص ۱۴)

اربابِ زور و قدرت اور غاصب حکمرانوں سے بے اعتنائی اور انہیں خاطر

Marfat.com

ں نہ لانا اسلام کے تربیتی مکتب کے پیروکاروں کی نمایاں خصوصیت تھی۔ یہاں
ت کہ یہ ہستیاں سخت ترین حالات میں بھی اپنی معنوی اور روحانی قوتوں کو
فوظ رکھتی تھیں۔

"اپنے زمانۂ خلافت میں ایک مرتبہ ہشام بن عبدالملک مراسمِ حج کی غرض سے مکّہ آیا۔ ایک روز اس نے حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو دربار میں حاضر کیا جائے جو رسولِ مقبولؐ کے حضور میں رہا ہو تاکہ وہ اس سے چند مسائل دریافت کر سکے۔ خلیفہ کو بتایا گیا کہ پیغمبرِ اسلامؐ کے اصحاب میں سے کوئی بھی اب بقیدِ حیات نہیں۔ یہ سن کر اس نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو تابعین میں سے کسی کو حاضر کرو تاکہ اس سے مستفیض ہو سکوں۔ "طاؤس یمانی" اس وقت مکّہ میں موجود تھے انہیں خلیفہ سے گفتگو اور اس سے ملاقات کی دعوت دی گئی۔

"طاؤسِ یمانی" دربار میں داخل ہوئے، عین خلیفہ کے سامنے اپنی جوتیاں اتاریں۔ اس زمانہ میں خلیفہ کو امیرالمومنین کہا جاتا تھا اور دربار میں حاضر ہونے والا خاص آداب سے دربار میں داخل ہوتا اور یاامیرالمومنین کہہ کر بادشاہ کو مخاطب کرتا تھا لیکن "طاؤسِ یمانی" نے جوتیاں اتارنے کے بعد ان تمام فضول آداب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بلند آواز میں السلام علیکم کہا۔ بلا تکلف زمین پر بیٹھے اور ہشام کی احوال پرسی کرنے لگے۔

ان کی بے تکلف رَوِش اور گفتگو ہشام کو بہت ناگوار گزری، طیش میں آکر طاؤس سے بولا : یہ تم نے کیا طریقہ اختیار کیا ہے؟

Marfat.com

طاؤس نے اپنا قصور دریافت کیا۔

خلیفہ نے کہا : تم نے میرے سامنے اپنی جوتیاں کیوں اتاریں؟' مجھے امیرالمومنین کے لقب سے کیوں مخاطب نہیں کیا؟ میری اجازت کے بغیر یہاں سامنے زمین پر کیوں آ بیٹھے؟ اور اہانت آمیز لب و لہجہ میں کیوں میری احوال پرسی کی؟

طاؤس نے جواب دیا : تیرے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ میں اس طرح جوتیاں اتار کر دن میں پانچ مرتبہ خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں لیکن کبھی اس وجہ سے خدا نے مجھے عقاب کا نشانہ نہ بنایا۔

تیرے دوسرے اعتراض کے جواب میں یہ کہوں گا کہ تو تمام مومنین کا امیر نہیں ہے بہت سے اہل ایمان تیری حکومت و خلافت سے ناراض ہیں اور تجھے اپنا امیر تسلیم نہیں کرتے۔

میں نے تیرا نام لے کر اس لئے پکارا ہے کہ خداوندِ عالم بھی اپنے پیغمبروں کو ان کے نام سے پکارتا ہے اور قرآن میں انہیں یا داؤد' یا عیسیٰ' یا یحییٰ سے مخاطب کرتا ہے اور کوئی اس بات کو انبیاءؑ کی اہانت قرار نہیں دیتا۔ اس کے برعکس قرآنِ کریم ابولہب کو اس کی کُنیت سے یاد کرتا ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ میں تیری اجازت لئے بغیر زمین پر کیوں بیٹھ گیا تو اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے امیرالمومنین حضرت علیؑ سے سنا ہے کہ ۔

"اگر اہلِ دوزخ کو دیکھنا چاہتے ہو تو ایسے لوگوں کو دیکھو جو خود تو

Marfat.com

طمطراق سے بیٹھے ہوں اور دوسرے لوگ ان کے گرد حلقہ بنائے کھڑے ہوں۔"

ہشام لاجواب ہوگیا اور طاؤس سے بولا۔ مجھے نصیحت کرو۔

طاؤس نے کہا : میں نے حضرت علیؑ سے سنا ہے کہ "دوزخ میں خاص قسم کی موجودات ظالم و بے انصاف حکمرانوں کو ڈسنے پر مامور ہیں۔"

طاؤس اپنی گفتگو یہیں ختم کرکے اٹھ کھڑے ہوئے اور فوراً خلیفہ کی مجلس سے باہر تشریف لے گئے۔" (سفینۃ البحار۔ ج ۲۔ ص ۹۵)

ریاکاری خوف کا ردِّ عمل ہے

ریاکاری انسانی ضمیر میں پوشیدہ خوف و ہراس کا ردِّ عمل ہے جب کہ شجاعت انسان کو ریاکاری کی قید سے نجات بخشتی ہے اور اس کی روح کو حقائق سے پیوست کرتی ہے۔

" والڈ ایمرسن" کہتا ہے۔

"ہمیں اپنے وجود میں حالتِ جنگ ایجاد کرنے دو اور شجاعت و استقامت کو اپنے باطن میں ابھارنے دو۔ ہمیں اس کام کو زندگی کے خوشگوار اور آسودہ اوقات میں حقیقت گوئی کے ذریعہ انجام دینا چاہئے۔ اپنی جھوٹی مہمان نوازی اور جھوٹی محبت کی روک تھام کرو' اب اس کے بعد فریب خوردہ' فریب کار اور اپنے مخالف لوگوں کے ساتھ زندگی بسر کرنا چھوڑ دو۔

ان سے صاف صاف کہہ دو کہ میں نے اب تک ریاکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمہارے ساتھ وقت گزارا لیکن آج کے بعد میرا اور تمہارا تعلق حقیقت پر مبنی ہو گا۔ اب میں ازلی اور ابدی قانون کے سوا کسی قانون کی پابندی نہ کروں گا۔

اگر تم لوگ جیسا کہ میں حقیقت میں ہوں اسی حال میں مجھے دوست رکھتے ہو تو خوش آمدید وگرنہ میں تمہاری نیک تمناؤں کا طلبگار ہوں۔

اب مجھے اعتماد رہے گا کہ میرے وجود کی گہرائیوں میں جو کچھ ہے وہ مقدس ہے اور میں ان کاموں کو جو میرے باطن کی شادمانی اور قلبی رجحان کے مطابق ہوں گی روزِ روشن اور سیاہ راتوں میں نہایت قوت کے ساتھ انجام دیتا رہوں گا۔

اگر ہم حقیقت کی پیروی کرنے لگیں تو بالآخر ریا کی قید سے نجات حاصل کرلیں گے۔

لازماً آپ کی نظر میں بھی اپنے دوستوں کے لئے میرا یہ رویّہ ناگوار ہو گا۔ آپ کا خیال درست ہے لیکن آپ ہی بتایئے کہ کیا میں اپنی آزادی اور قدرت کو ان کے احساسات پر فدا کردوں؟----- یقیناً ایک دن ضرور آئے گا جب سب لوگ زندگی کے بارے میں تعقّل سے کام لیں گے اور جب وہ حقیقتِ مطلق کی قلمرو میں قدم رکھیں گے تو بالکل صحیح میرے عقیدہ کے معتقد ہوجائیں گے اور یہی کام کریں گے۔" (فلسفہ اجتماعی ص ۳۲۵)

Marfat.com

ذاتی استعداد سے شجاعت کو ایسی ہی نسبت ہے جیسی نسبت ارادہ کو قابلیت سے ہے۔ چنانچہ انسان کتنی ہی قابلیت کا مالک کیوں نہ ہو جب تک اپنے قوی ارادہ سے مدد نہ لے گا اس کے لئے کامیابی کا حصول ناممکن ہے۔ اسی طرح تیز ہوش اور قوی ادراک کے حامل شخص کی استعداد اگر شجاعت کے ساتھ نہ ہو تو وہ کسی عالی و ارجمند ہدف تک رسائی حاصل نہ کر سکے گا۔ بہادر آدمی کسی صورت سختیوں اور دشواریوں کے سامنے کمزور نہیں پڑتا اور زندگی میں آپڑنے والے ناگزیر مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

وہ شخص بے چارہ کہلانے کے لائق ہے جس کی امیدیں دراز ہوں لیکن اس میں شجاعت نہ ہونے کے برابر ہو۔

مفکرین متفق ہیں کہ اپنے آپ کو امیدوں اور آرزوؤں کے حصار میں مقید ہونے سے محفوظ رکھتے ہوئے انسان کو عملی ہونا چاہئے۔ بصورتِ دیگر ضعف اور سستی اس کے سامنے ہمیشہ ممکنات کو ناممکن بنا کے پیش کرتے ہیں۔

یہ بات بھی گرہ میں باندھ کر رکھنی چاہئے کہ کارزارِ حیات میں بعض مواقع پر بڑھ کر میدان میں کودنا پڑتا ہے اور اس کے برعکس بسا اوقات فرار کو قرار پر ترجیح دینا ضروری ہوجاتا ہے۔ ایسے افراد جن کا ارادہ ہے کہ اپنے معاملات کے سلسلہ میں کسی صورت سستی کا مظاہرہ نہ کریں گے اور خطرات سے منہ نہ موڑیں گے ممکن ہے اپنے عزم میں بامُراد رہیں لیکن یہ ممکن نہیں کہ اپنی زندگی محفوظ رکھ سکیں۔

نامور شخصیات سب سے پہلے خوف پر غالب آجانے کا ثبوت دیتی ہیں اور زندگی کی حفاظت کے سلسلہ میں اس کی اہمیت گھٹائے بغیر خوف و ہراس کے

Marfat.com

خلاف مقاومت و استقامت کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔

البتہ یہ بھی ممکن ہے کہ انسان خوف کا اظہار کئے بغیر بعض کامیابیاں حاصل کرلے اور اس کی مساعی نتیجہ خیز ثابت ہوں۔ یہ کامیابی فعالیت کے اس پیمانے سے وابستہ ہے جو وہ خوف کے اظہار سے پرہیز کے لئے کام میں لاتا ہے۔ لیکن ان شرائط کے تحت اس بات کا امکان ہوتا ہے کہ وہ اپنی مسلسل جدوجہد کو کسی محال کام کی انجام دہی کے لئے کام میں لائے اور جب ہدف تک رسائی حاصل نہ کرسکے تو خود کو نالائق اور بے کار سمجھنے لگے اور اس طرح اس کا اپنی ذات پر سے اعتماد اٹھ جائے اور اپنی بہت سی قوّت و استعداد گنوا بیٹھے جو ممکن ہے کسی اور میدان میں اس کی کامیابی کے لئے مفید و معاون ثابت ہوتی۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"---وللحزم مقداراً فان زاد علیه فهو جبن و للشجاعة مقداراً فان زاد علیه فهو تهور"

"احتیاط اور دوّر اندیشی کی بھی ایک حد ہوتی ہے جب وہ حد سے بڑھ جائے تو خوف بن جاتی ہے اور دلیری و شجاعت بھی ایک حد رکھتی ہے اگر اس سے زیادہ ہوجائے تو گستاخی ہوجاتی۔"

(بحار الانوار۔ج ۷۱۔ص ۲۱۸)

خوف و ہراس اور دوّر اندیشی میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام ان دونوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ۔

"اذا کان القدر لایرد فالاحتراس باطل"

"جب حوادث و تقدیر ناقابلِ تغیّر ہوں تو احتیاط بے فائدہ ہوجاتا

Marfat.com

ہے۔" (غرر الحکم۔ ص ۳۱۵)

"اذا اقترن العزم بالحزم کملت السعادة"

"جب عزم و ارادہ احتیاط اور دور اندیشی کے ساتھ کیا جائے تو کامیابی اور سعادت کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔" (غرر الحکم۔ ص ۳۱۵)

"برٹرینڈ رسل" کہتا ہے۔

"پوری زندگی خطرات سے پُر ہوتی ہے لیکن عاقل آدمی ناقابلِ گریز خطرات کے مقابل تجاہل سے کام لیتا ہے اور جن خطرات سے بچا جاسکتا ہے ان کا جذبات و ہیجان کی رو میں بہے بغیر نہایت احتیاط سے سامنا کرتا ہے۔

آپ موت سے گریز نہیں کرسکتے لیکن بغیر وصیت کئے مرجانے سے اجتناب کرسکتے ہیں۔ بنابرایں اپنی وصیت ہمیشہ لکھ کر رکھئے۔ اس بات کو نہ بھولئے کہ آپکا وجود فانی ہے۔ بدبختیوں کا عاقلانہ انداز میں تدارک اور ان سے احتیاط برتنا خوف نہیں بلکہ حکمت کا حصّہ ہے۔ جب کہ خوف اپنی ہر صورت میں اسیری اور قید ہے۔ اگر آپ خوف سے نجات حاصل کرنے پر قادر نہیں تو کوشش کیجئے کہ آپ کی یہ خصلت آپ کے بچّوں میں سرایت نہ کرجائے۔

اپنے بچّوں میں بلند نگاہی پیدا کیجئے تاکہ وہ اس کے ذریعہ زندگی میں پیش آنے والی مشکلات کی روک تھام کرسکیں۔ صرف اسی طرح آپ انہیں آزاد مرد بنا سکتے ہیں۔"

"ان تمام حالات میں جن میں صرف تفکّر و تعقّل کے ذریعہ صحیح راہ

Marfat.com

دریافت کی جاسکتی ہے خوف آشفتگی و اضمحلال کا سبب شمار ہوتا ہے اور ایک ذلّت و آفت کا روپ دھار لیتا ہے۔ بنا بریں ہمیں چاہئے کہ شر واقع ہونے کے احتمال کی پیش بینی کے موقع پر خوف و ہراس کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دیں اور قابلِ اجتناب حوادث سے بچاؤ کے لئے اپنی عقل کو کام میں لائیں۔ ایسے شر جو حقیقتاً قابلِ اجتناب ہیں ان کا شجاعت کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہئے۔" (در تربیت۔ ص ۸۳ اور ۲۰۱)

مسلّمہ بات یہ ہے کہ خوف و ہراس کے ہوتے ہوئے زندگی میں اٹھنے والی مشکلات کو حل نہیں کیا جاسکتا۔ آسودہ اور مطمئن قلب اور پُر قدرت و شجاعت روح ہی دشواریوں کی گرہ کھول سکتی ہے ایسا شخص جس کے افکار مسلسل وحشت کے طوفان کی زد پر ہوں اور جس پر خوف مُسلّط ہو اس کی نظر میں دنیا تاریک اور غمگین ہو جاتی ہے۔

جو لوگ شجاعت سے عاری ہیں وہ نہیں جانتے کہ زندگی کے مہیب طوفان سے انہیں کہاں پناہ ملے گی۔ ایسے لوگ خوف کے جانکاہ رنج سے نجات کے لئے ہمیشہ خودکشی کے خطرہ سے دوچار رہتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"للشدائد تدخر الرجال"

"مردانِ لائق و شائستہ دشواریاں جھیلنے کے واسطے ذخیرہ کئے جاتے ہیں۔" (غرر الحکم۔ ص ۵۸۱)

Marfat.com